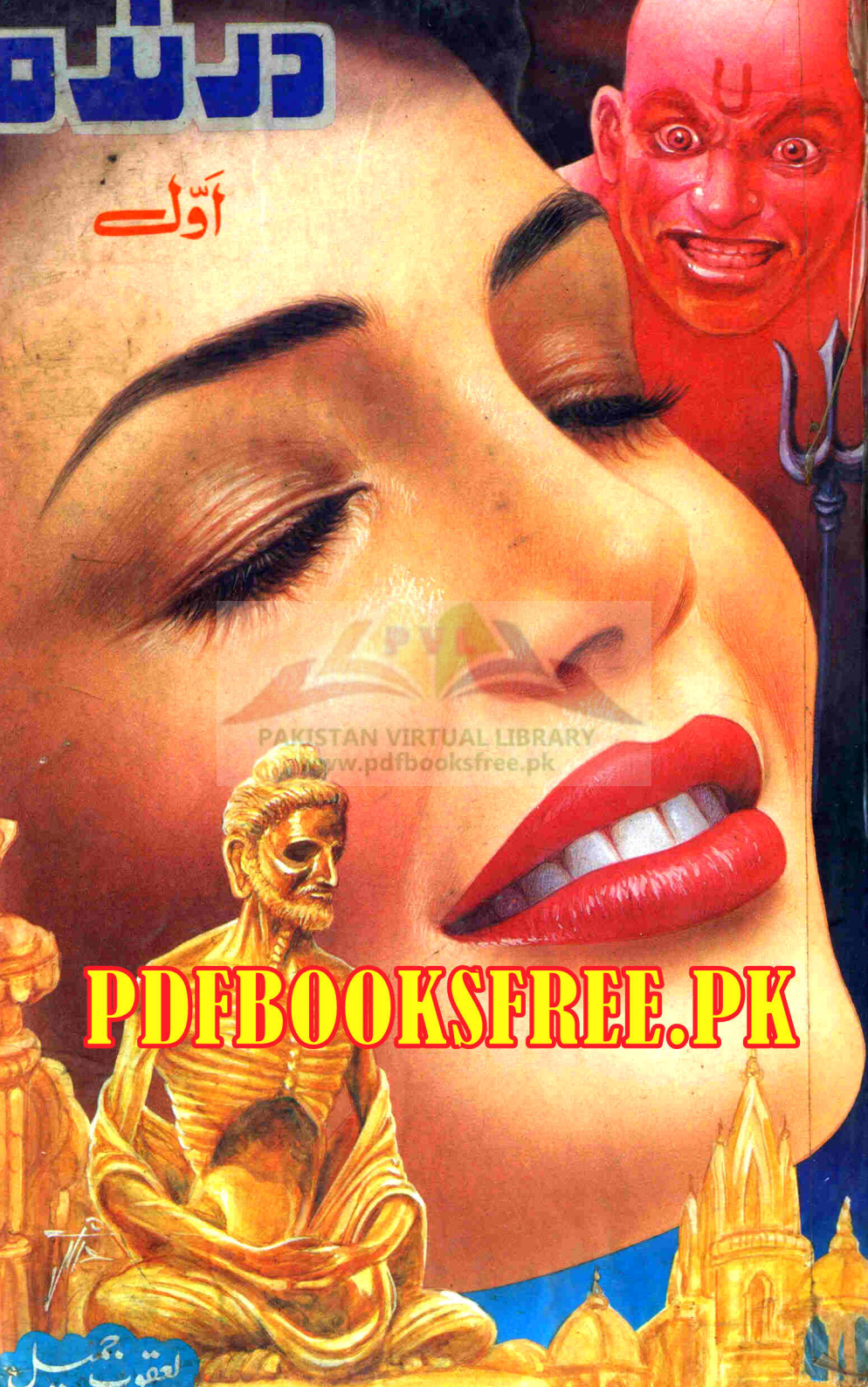

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
PDFBOOKSFREE.PK

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جولی مندر کے صدر دروازے سے کچھ فاصلے پر اپنا چہرہ چھپائے چپ چاپ کھڑی وجے کمار کو دیکھ رہی تھی۔ وجے کمار آٹھ دس سیاحوں کے ہمراہ پشپتی ناتھ مندر کے صدر دروازے میں داخل ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جولی نے بھی اپنے قدم بڑھانے کا ارادہ کیا لیکن ایسا کرنے سے پہلے اس نے چوکنا نگاہوں سے آس پاس کا جائزہ لینا ضروری سمجھا۔ اور ایک بار پھر اس نے بار بار اپنے ماتھے پر سے سرکتے ہوئے ساڑی کے پلو کو درست کیا۔ شاید وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے سنہرے بالوں کی کوئی ایک لٹ بھی باہر نکل آئے۔

سردی بہت زیادہ نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے کندھوں سے لپٹی ہوئی گرم اونی شال میں اپنے دونوں گورے گورے ہاتھ چھپا لیے۔ سورج اب اپنی دن بھر کی تپش کو کھو کر آہستہ آہستہ ہمالیہ کی جانب جھک رہا تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنی آنکھوں پر سے سیاہ سن گلاس ہٹانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ پشپتی ناتھ کے مندر کے اندر کسی غیر ملکی کو جانے کی اجازت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ مندر کے اندر جانے کے لیے بے چین تھی، مگر جلدی جلدی قدم اٹھانے کے بجائے وہ سنبھل سنبھل کر اور پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہی تھی۔ جب مندر کا صدر دروازہ صرف چار پانچ قدم کے فاصلے پر رہ گیا تو اچانک وہ سہم کر رک گئی۔

اصل میں وہ اپنے سینڈل اتارنا بھول گئی تھی اس کی نظر دروازے کے کونے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے جوتے سنبھالنے والے لڑکے پر پڑی، جو اس کی جانب دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ شرمندہ سی ہو کر نیچے دیکھنے لگی اور سوچنے لگی کہ اتنی بار سینڈل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اتارنے کی بات کو یاد کرنے کے باوجود وہ عین وقت پر سینڈل اتارنا بھول گئی تھی۔ اگر وہ بے خیالی میں دروازے کے اندر قدم رکھ دیتی تو اس لڑکے نے اس کی چوری پکڑ ہی لی تھی۔

اس نے اس لڑکے کی جانب سے اپنا منہ پھیر لیا اور جلدی جلدی اپنے سینڈل اتارنے لگی۔ اس نے پیروں میں لمبے لمبے سیاہ موزے بھی پہن رکھے تھے۔ اس لیے اس کی گوری چمڑی نظر آ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کچھ اور لوگ بھی مندر کی جانب آتے دکھائی دے رہے تھے۔ اس لیے اس نے اپنے سینڈل لڑکے کے سامنے رکھ دیئے اور تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ ابھی اس نے دروازے کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ دروازے کے اوپر لٹکا ہوا پیتل کا بہت بڑا گھنٹا زور سے بج اٹھا اور شام کے دھندلے دھندلے ماحول کے ساتھ جولی کا دل بھی کانپ گیا۔ اور وہ دھڑکتے ہوئے دل کو تھام کر ایک جانب کھڑی رہ گئی۔

"بھگوان شنکر کی اس مورتی کا پہاڑ جیسا قد دیکھ کر سارے لوگ سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔" وجے اپنے ساتھ آئے ہوئے سیاحوں کو بھگوان شنکر کی مورتی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ "آٹھ فٹ اونچی اور سونے کی پتری میں لپٹی ہوئی اس مورتی پر نظر پڑتے ہی آپ لوگوں کی طرح ہر نیا آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ پشپتی ناتھ کے اس مندر میں سوائے ہندو کے کسی اور مذہب کے آدمی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ پہلے بہت سے غیر ملکی سیاح یہاں آتے تھے اور صدر دروازے کے باہر کھڑے ہو کر شنکر بھگوان کی مورتی کو دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اب اصل مورتی پر ان کی نظر نہ پڑنے پائے اس لیے اس قد آور مورتی کو بالکل درمیان میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔" بولتے بولتے وجے کمار ایک پل کے لیے رکا اور پھر مسکرا کر آگے بولا۔ "اب تو دروازے پر کھڑے رہ کر اندر نظر ڈالنے والے کو اس مورتی کی صرف پیٹھ ہی دکھائی دیتی ہے۔"

یہ سن کر وہ چار سیاح ہنس پڑے لیکن چھپ کر کھڑی ہوئی جولی سہم سی گئی۔۔۔ "فرض کر لیں کہ کوئی غیر ملکی اور غیر مذہب کا آدمی اس حکم کی خلاف ورزی کر کے مندر کے اندر داخل ہو جائے تو؟" ایک نوجوان سیاح نے وجے سے پوچھا تو کیا واقعی اسے کوئی سزا ہو گی؟"

نوجوان سیاح کے اس سوال کو سن کر جولی ایک بار پھر کپکپا کر رہ گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ وجے سیاح کے سوال کا جواب دیتا۔ جولی کا جی چاہا کہ وہ بھاگ کر مندر کے باہر نکل جائے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے جواب میں وجے یہی کہے گا کہ۔ "ہاں حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو دھکے مار کر نہ صرف مندر سے بلکہ نیپال کی سرحد سے باہر نکال دیا جائے گا۔اور ممکن ہے اسے چند روز جیل کی سزا بھی بھگتنی پڑے۔"

لیکن وجے کو ایسا کوئی جواب دینے کا موقعہ ہی نہیں ملا کیونکہ سنہرے رنگ کی اس مورتی کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے ایک شریر بندر نے اچانک ہی ایک سیاح پر چھلانگ لگائی تھی اور پلک جھپکتے ہی اس کے ہاتھ سے وہ تھیلا لے اڑا تھا۔ جس میں بھگوان شنکر کی پوجا کے لیے لائی ہوئی چیزیں تھیں۔ تھیلا لے کر بندر چھلانگیں لگاتا ہوا برابر والے پیپل کے درخت کی ایک شاخ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ جس سیاح کے ہاتھ سے بندر اس کا تھیلا لے گیا تھا۔ اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ حیرت سے بندر کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ اور آس پاس کھڑے ہوئے دوسرے سیاح بندر کی اس شرارت پر بے ساختہ ہنس رہے تھے۔ دور کھڑی ہوئی جولی نے بھی یہ تماشا دیکھا تھا اور وہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک پائی تھی۔

"او مسٹر منکی۔" گردن اونچی کر کے وجے نے درخت کی شاخ پر بیٹھے ہوئے بندر کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "یار یہ ہمارے مہمان ہیں ہمارا ملک دیکھنے آئے ہیں تمہیں ان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔" بندر نے بڑی توجہ سے ان کی بات سنی پھر اچانک کسی شریر بچے کی طرح ان کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور تھیلا کھول کر اس میں سے کھانے کی چیزیں نکالنے لگا۔

"مسٹر گائیڈ" سیاحوں میں سے ایک نے وجے کمار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اس مندر کے بارے میں کچھ بتائیں۔"

یہ سوال سن کر وجے کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرانے لگی۔ اور اس کی آنکھوں کی یہ چمک کافی دور ہونے کے باوجود بھی جولی کو صاف نظر آ رہی تھی۔ اپنے مذہب اپنے ملک اور اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے میں باتیں کرتے وقت وجے کمار کی آنکھوں میں ایسی ہی چمک نظر آنے لگتی تھی۔ یہ ایک ایسی چمک تھی جس سے یہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ظاہر ہوتا تھا کہ وجے کو اپنے وطن کی ایک ایک چیز سے بے حد محبت ہے۔" یہ تو آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ پشپتی ناتھ کا یہ مندر ہندوؤں کی ایک پاک عبادت گاہ ہے لیکن یہاں نیپال میں بدھ مذہب کے پیروکار بھی بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ اور یہ نیپال ہی وہ واحد جگہ ہے جہاں ان دونوں دھرموں کے لوگ کسی بھید بھاؤ اور عداوت کے بغیر سکھ چین سے رہتے ہیں۔ یہاں مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی مگر کوئی مذہبی معاملوں میں دخل اندازی نہیں کرتا۔ آج سے تقریباً ساٹھ سال قبل اس ملک کے دروازے باہر کی دنیا کے لوگوں کے لیے بند تھے لیکن ہندوستان کے ہندوؤں کے لیے یہاں ایک ہفتے تک قیام کرنے کی اجازت تھی۔"

بولتے بولتے وجے کمار کی آواز کچھ دھیمی ہو گئی اور جولی آگے کی بات نہ سن سکی لیکن وہ وجے کے ہلتے ہوئے ہونٹوں کو دیکھ سکتی تھی۔ وجے کا چھ فٹ لمبا قد اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ وجے سیاحوں سے کچھ کہتے کہتے ہنس پڑا تھا اور جولی کو اس کے چمکتے ہوئے سفید دانت صاف نظر آ رہے تھے۔ جولی اسے دیکھتے دیکھتے ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئی۔ دو سال قبل جب پہلی بار وہ نیپال آئی تھی تو اس کے لیے گائیڈ کے فرائض وجے نے ہی انجام دیئے تھے۔ اور تب اسے وجے کی یہ ہنسی بہت اچھی لگنے لگی تھی۔ جولی کو وجے کا نیپالی لباس بھی بہت انوکھا اور بہت اچھا لگتا تھا۔ تنگ پائنچے کا پاجامہ اور بٹن کی جگہ پر رنگین ڈوریوں سے بندھا ہوا کرتا اور اس پر ہاف آستین کا کوٹ' لیکن اگر سردی زیادہ ہو تو کرتے پر سوئیٹر اور سر پر نیپالی ٹوپی' اس کے اس پہلے سفر میں وجے کمار گائیڈ کی حیثیت سے پورے آٹھ روز تک ان کے ساتھ رہا تھا۔ اور اسی دوران میں ایک روز جولی نے اس سے پوچھا۔ "ایک گائیڈ ہونے کی وجہ سے آپ کو روزانہ ہی طرح طرح کے غیر ملکیوں سے واسطہ پڑتا ہے لیکن ان کے ساتھ گھومنے پھرنے کے باوجود آپ نے اپنا یہ لباس کیوں نہیں چھوڑا؟ کیا آپ کا جی انگریزی لباس پہننے کو نہیں چاہتا؟" اس کی بات سن کر وجے ہنس پڑا تھا۔ اس کی یہ ہنسی اس وقت جولی کو ایسی لگی تھی جیسے ہمالیہ پہاڑ کے پیچھے سے سورج نکل رہا ہو۔ جولی کا خیال تھا کہ اس کے سوال کے جواب میں وجے یہی کہے گا کہ ہمارا لباس ہی تو ہماری شان اور ہماری پہچان ہے۔ لیکن اسے کسی جواب کے بجائے اس

نے تو مسکرا کر صرف اتنا ہی کہا تھا۔ "کیوں اس لباس میں کیا میں بہت ہی برا لگتا ہوں؟"

"مسٹر وجے آپ کی صورت آپ کے کسی دیوتا سے ملتی ہے؟" ایک روز اس نے ہنستے ہوئے وجے سے یہ سوال بھی پوچھا تھا۔ جسے سن کر وجے نے چونک کر اس سے پوچھا تھا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ کے ہندو دھرم میں دیوی دیوتاؤں کی تعداد کروڑوں تک ہے۔" جولی نے اپنی معلومات کے مطابق کہا تھا۔ "اس لیے میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کی صورت ان میں سے کس دیوتا سے ملتی ہے؟"

"یہ درست ہے کہ ہندو دھرم میں دیوی دیوتاؤں کی تعداد تقریباً تینتیس کروڑ ہے۔" وجے نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔ "اور بہت سے غیر ملکی تو یہ بھی کہتے ہیں کہ نیپال کی دھرتی پر انسان کم ہیں اور دیوی دیوتاؤں کی تعداد زیادہ ہے اور مکانوں کے مقابلوں میں مندر بہت ہیں۔"

جولی دو سال پہلے کی ان باتوں کو یاد کر کے دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ اور ٹھیک اس وقت اس کی سماعت سے وجے کی آواز ٹکرا گئی۔ جو اپنے ساتھ آئے ہوئے سیاحوں سے کہہ رہا تھا۔ "ہمیں ذرا جلدی کرنی ہو گی کیونکہ "سندھیا آرتی" کا وقت ہو گیا ہے اور "آرتی" کے درشن کرنے سے پہلے ہمیں مندر کا پچھلا حصہ بھی دیکھ لینا چاہیے۔ مندر کی پچھلی جانب ایک ندی بہتی ہے جس کا نام "باغ متی ندی" ہے۔ اس کے گھاٹ پر جو "اگنی سنسکار" ہوتا ہے اس کو اگر دیکھ لیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کی عاقبت سدھر جاتی ہے۔" اتنا کہہ کر وجے آگے بڑھا لیکن چار قدم چل کر ہی وہ اچانک رک گیا اس نے گردن گھما کر پیچھے کی جانب دیکھا تو جولی یکایک سہم گئی۔ اسے لگا کہ کہیں وجے کو اس کی مندر میں موجودگی کا علم نہ ہو گیا ہو۔ لیکن نہیں وجے کی توجہ تو کہیں اور ہی تھی۔ چند لمحوں تک ادھر ادھر نظر دوڑانے کے بعد وہ اپنے سیاحوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اونچائی پر چڑھنے اور پھر پچھلی جانب اترنے کے لیے زینے بنے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے وجے ان زینوں پر چڑھ کر جولی کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور تب پچھلے دو سال پہلے کا ایک اور منظر جولی کی آنکھوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے سامنے گھوم گیا۔

ان دنوں آسٹریلیا میں ہونے والے مقابلہ حسن میں اس نے بھی حصہ لیا تھا۔ اس مقابلے میں وہ دوسرے نمبر پر آئی تھی اور اسی مقابلے کے بعد وہ اپنی دو سہیلیوں لوسی اور نارو کے ساتھ نیپال کی سیر کو آئی تھی۔ اور تب نیپال کے "سائی او برائے ہوٹل" کے مینجر نے ان تین خوبصورت مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے انہیں چاول سے کشید کی ہوئی خاص نیپالی شراب کے جام پیش کیے تھے اور پھر ایک نوجوان کا تعارف کراتے ہوئے ان سے کہا تھا۔ "ان سے ملئے یہ مسٹر وجے کمار ہیں۔ یہ یہاں آپ لوگوں کے لئے گائیڈ کے فرائض انجام دیں گے۔"

نیپالی لباس میں ملبوس نوجوان وجے کمار کو دیکھ کر وہ تینوں سہیلیاں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں تھیں۔ اور تب شوخ و چنچل اور بہت زیادہ باتونی نارو نے وجے کو سر سے پیر تک گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔ "مسٹر گائیڈ! ابھی تو آپ خود ایک طالب علم لگتے ہیں کیا آپ اپنے اس پیشے کی ابتدا ہم سے ہی کر رہے ہیں؟"

نارو کی بات پر ہوٹل کے مینجر نے وجے کی تعریف میں کچھ کہنا چاہا تھا لیکن وجے نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا تھا۔ اور خود ہی نارو کے سوال کا جواب دیا تھا۔

"مس نارو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آدمی چاہے جتنا بھی پڑھ لکھ جائے لیکن دنیا کے اسکول میں اس کی حیثیت ایک طالب کی سی ہی ہوتی ہے۔ نیپال رائل کالج میں لڑکوں کو پڑھاتے وقت میں ہمیشہ ان سے یہی کہا کرتا ہوں کہ تم لوگوں کو پڑھاتے وقت میں خود بھی پڑھتا رہتا ہوں۔ تعلیم کا یہ سفر کبھی ختم نہیں ہوتا مس نارو۔"

جولی اس کا جواب سن کر بہت متاثر ہوئی تھی۔ لیکن شریر نارو نے اپنی شرارت جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔ "تو مسٹر گائیڈ---- باتوں باتوں میں آپ نے ہمیں یہ بتا دیا کہ آپ کالج میں پروفیسر ہیں۔"

"پروفیسر نہیں میں تاریخ کا لکچرار ہوں۔" وجے نے مسکرا کر کہا تھا۔ "اور دوپہر کے بعد سیاحوں کے لئے گائیڈ کے فرائض انجام دیتا ہوں تاکہ اپنے ملک کی ایک ایک جگہ کو خود بھی نزدیک سے دیکھ سکوں۔"

"اس کام میں ملک کی ایک ایک جگہ کے علاوہ آپ ہم جیسی غیر ملکی اور

خوبصورت لڑکیوں کو بھی بہت نزدیک سے دیکھ سکتے ہیں۔" نارو نے مسکراتے ہوئے پرمذاق انداز میں کہا تھا۔ لیکن جولی کو اس کا یہ مذاق اچھا نہیں لگا تھا۔ اس لیے اس نے نارو کو ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔ "بس کرو نارو۔ دس از ٹو مچ---"

بس اسی روز سے نارو وجے کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ سیرو تفریح کے وقت وہ وجے کو چھیڑنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی۔ اکثر وہ اپنے لونگ بوٹ کے اندر سے ایک لمبا سا چاقو نکالتی اور جوتوں کی ایڑی پر اس کی دھار رگڑ کر جولی اور لوسی کو مخاطب کرتے ہوئے اس طرح کہتی تھی کہ وجے بھی اس کی بات سن لے وہ کہتی تھی۔ "ویانا سے جب ہم لوگ چلے تھے تو کئی لوگوں نے تاکید کرتے ہوئے کہا تھا کہ تم تینوں تنہا سیر کے لیے جا رہی ہو لیکن ہر قدم پر سنبھل کر رہنا۔ کیونکہ پہاڑی علاقوں کے لوگ گوری لڑکیوں کو دیکھ کر بھوکے درندوں کی طرح غراتے ہیں اسی لیے میں یہ چاقو اپنی حفاظت کے لئے ساتھ لیتی آئی ہوں۔ سری لنکا اور بھارت میں تو ہمیں ادھیڑ عمر کے ہی گائیڈ ملے تھے۔ بے چارے وہ تو ہم سے دور دور ہی رہتے تھے۔ اس لیے اس چاقو کو استعمال کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مگر اب دیکھتے ہیں یہاں نیپال میں کیا ہوتا ہے۔"

لیکن وجے کو غصہ دلانے کے اس کھیل میں نارو خود ہی کھیسانی بلی بن کر رہ جاتی تھی اور تب ہی "ٹائیگر اسپاٹ" کی دو دنوں کی سیر کے دوران میں وہ حادثہ رونما ہو گیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ ربر کی ایک کشتی میں بیٹھ کر وہ چاروں ندی پار کر رہے تھے کہ اچانک ندی کے بیچوں بیچ نارو یکایک ہی کشتی سے اچھل کر ندی میں جا گری پہلے تو لوسی جولی اور وجے کو یہی لگا کہ اپنی عادت کے مطابق نارو کوئی شرارت کر رہی ہے لیکن تیرنا جاننے کے باوجود جب وہ پانی میں غوطہ کھاتی ہوئی کشتی سے دور بہنے لگی تو وجے کو تشویش ہوئی اور وہ پانی میں کود پڑا۔ اس وقت نارو کی حالت اس شیخی خور جیسی ہو گئی تھی جو اپنی موت کو سامنے دیکھ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہو۔ وجے نے ہاتھ بڑھا کر جب اسے تھام لیا تو اس نے گھبرا کر اپنے جسم کا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ وجے تیرتے تیرتے بڑی ہوشیاری سے اسے کھینچ کر کشتی تک لے آیا تھا۔ اور لوسی و جولی کی مدد سے اسے دوبارہ کشتی پر سوار کرا دیا تھا۔ نارو کشتی پر پڑی پڑی گہرے گہرے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سانس لے رہی تھی جبکہ وجے ایک جانب بیٹھا ندی کے بہتے ہوئے پانی کو گھور رہا تھا۔ نارو چور نگاہوں سے اس کے گیلے کپڑوں میں چھپے ہوئے اس کے جوان جسم کو دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ وہ کتنی دیر تک اس کے مضبوط جسم سے چپکی رہی تھی؟ لیکن وجے اس کی جذباتی سوچ سے بالکل بے خبر بیٹھا تھا۔ اس نے نارو کی جانب دیکھے بغیر صرف اتنا ہی کہا تھا۔ "اگر آدمی کو تیرنا آتا ہو تب بھی اسے احتیاط کرنا چاہیے ہر اجنبی ندی اور اجنبی دریا میں کودنے کی حماقت نہیں کرنا چاہیے۔"

پھر خیمے میں واپس آ جانے اور جسم کو گرمی پہنچانے کے لیے آگ کے الاؤ کے سامنے بیٹھ جانے کے بعد بھی نارو کی نگاہیں وجے کے جسم پر سے نہیں ہٹیں تھیں۔ ایک جانب تو حسن کے دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی اور دوسری جانب سمندر کا سکوت تھا اور پھر اس رات سونے سے پہلے نارو نے اپنی دونوں سہیلیوں کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لینا آج میں اس مرد کے غرور کا بت توڑ کر رہوں گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

اس کے بعد آدھی رات کے وقت سنسان جنگل میں چاند کی زرد چاندنی میں نارو وجے کمار کے خیمے میں داخل ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں اس کی جوانی کے خمار سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے گہری نیند میں سوئے ہوئے وجے کے بالوں پر دھیرے دھیرے ہاتھ پھیرا۔ وجے کا نیند میں بھی مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ اس کے چہرے پر جھکی وجے نے چونک کر اپنی آنکھیں کھول دیں اور اپنے آپ پر نارو کو یوں جھکا ہوا دیکھ کر گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور تب ہی نارو نے اس کے ہاتھ کو اتنے زور سے پکڑ لیا تھا جیسے اس میں اب برداشت کی طاقت نہ ہو۔ "شام کو تم نے میری جان بچائی تھی اور میں اس کا شکریہ ادا کرنا بھی بھول گئی تھی۔" نارو نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا اور اپنے نائٹ گون کے بٹن کھولنے لگی۔ یہ دیکھ کر وجے نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور بستر سے اٹھ کر سیدھا خیمے کے دروازے کی جانب بڑھ گیا لیکن نارو نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر تیزی سے آگے آکر اس کا راستہ روک لیا۔ وجے حیرت سے اسے دیکھتا ہوا وہیں کھڑا رہ گیا۔ نارو کو جب اس کے چہرے پر کسی قسم کے کوئی تاثرات نظر نہیں آئے تو اس نے پھر الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ "وجے اگر عورت چاہے تو بڑے سے بڑے پہاڑ جیسے مرد کا راستہ بھی روک سکتی ہے شاید آج سے پہلے تم نے کسی عورت کو اتنے قریب نہیں دیکھا ہو گا۔"

اب وجے کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی مگر بولنے سے پہلے اسے حلق سے تھوک نیچے اتارنا پڑا۔ "میں نے ایسا ہی روپ ایک عورت کا دیکھا ہے بہت ہی قریب سے۔" اس کی آواز بالکل سپاٹ تھی اور اس کی آنکھوں میں گہری اداسی کے سائے لہرا رہے تھے۔ نارو کسی دوسری عورت کا ذکر برداشت نہ کر سکی اور وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "ضرور دیکھا ہو گا۔ لیکن شاید وہ عورت میری طرح حسین نہیں ہو گی۔"

"نہیں نارو۔" وجے اسی سپاٹ لہجے میں بولا۔ "وہ تم سے زیادہ حسین تھی۔ بلکہ وہ تو دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ حسین عورت تھی۔"

یہ سن کر نارو کے تن بدن میں غصے اور حسد کی آگ بھڑکنے لگی اور وہ چنگھاڑتی ہوئی آواز میں بولی۔ "کون تھی دنیا کی وہ حسین ترین عورت؟"

"وہ میری ماں تھی۔" وجے کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں ایک نمی سی دکھائی دینے لگی۔ "میں صرف چار برس کا تھا اور میری ماں بستر مرگ پر تھی۔"

بس ایک جملے نے نارو کے بدن کی ساری گرمی چوس لی۔ ایک لمحے کے لئے اس کا جی چاہا کہ وہ نفرت سے وجے کے منہ پر تھوک دے لیکن وجے کے اداس اور معصوم چہرے نے اس کے غصے کو بھی پگھلا دیا۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو چمکنے لگے تھے لیکن ان آنسوؤں پر وجے کی نظر نہ پڑ جائے اس لیے اس نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ اور پھر پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی خیمے کے دروازے کے باہر نکل گئی تھی۔ پھر کافی رات گئے تک جولی خیمے میں اس کی سسکیوں کی آواز سنتی رہی تھی اور اسی رات خود جولی نے اپنے من کے مندر میں وجے کی مورتی سجا لی تھی۔ وہ وجے کی شخصیت اور اس کے کردار سے اتنی متاثر ہوئی تھی کہ اس نے اپنا دل وجے کے قدموں میں رکھ دیا تھا اور آج اپنی اسی محبت سے مجبور ہو کر دو سال بعد وہ ایک بار پھر نیپال میں کھینچی چلی آئی تھی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مندر کے دروازے پر لٹکے ہوئے گھنٹے کی آواز نے جولی کو خیالوں سے چونکا دیا۔ مندر میں غیر مذہب کے لوگوں کی آمد پر پابندی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنا چہرہ چھپا کے مندر کے اندر گھس آئی تھی۔ اس کا احساس ہوتے ہی وہ سنبھل گئی۔ مورتی کے درشن کے لیے آنے والے بہت سے لوگ اس کے قریب سے ہو کر گزرے گئے تھے لیکن پھر بھی وہ کسی کی نظر میں نہیں آئی تھی۔ اس بات پر اسے ذرا حیرت سی ہوئی مگر پھر اس کی آنکھیں وجے کو تلاش کرنے لگیں۔

وجے سیاحوں کے ساتھ مندر کے پچھواڑے سے واپس آ رہا تھا اور ان سے کہہ رہا تھا۔ "دوستو! ذرا جلدی کرو ورنہ اتنی بھیڑ ہو جائے گی کہ مہادیوی کے درشن ٹھیک سے نہیں ہو سکیں گے۔"

مہا دیوی کی مورتی کے چاروں طرف سات فٹ اونچی دیواریں تھیں جن میں تین جانب سات فٹ اونچے دروازے تھے اور ان کی تعداد تین تھی اور چوتھی دیوار کے قریب دیوی جی کی مورتی تھی۔ جولی نے تھوڑی دیر بعد وجے کو آنکھیں بند کر کے ایک دروازے کی چوکھٹ پر ماتھا ٹیکتے ہوئے دیکھا۔ تینوں دروازے پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی سنکھ بجنے لگے تھے۔ گھنٹیوں کی آوازیں آنے لگی تھیں اور اسی کے ساتھ پجاری نے دیوی کی مورتی کے سامنے آرتی کی پوجا شروع کر دی تھی۔

جولی اپنی جگہ کھڑی کھڑی یہ محسوس کر رہی تھی کہ کسی اور کی نظر اس پر جمی ہوئی نہیں ہے تو وہ آہستہ آہستہ خود بھی ایک دروازے کی جانب بڑھنے لگی تاکہ پوجا کا منظر قریب سے دیکھ سکے۔ لیکن اس کے آگے لوگوں کی بھیڑ اس قدر زیادہ تھی کہ اس کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لیے وہ ایک ستون کے پاس کھڑی ہو کر وجے کو دیکھنے لگی جو دونوں ہاتھ جوڑے اپنی آنکھیں بند کیے دیوی کی بندگی میں کھویا ہوا تھا۔ لیکن اچانک وہ وجے کی جانب دیکھتی ہوئی چونک پڑی۔ یہ کیا؟ وجے کی آنکھوں سے یہ آنسو کیوں بہہ رہے ہیں؟ کیا وہ اتنی گہرائی سے اپنے بھگوان کی پوجا میں ڈوبا ہوا ہے یا یہ اس کے اندر کا کوئی درد ہے جو اس کی آنکھوں سے بہہ رہا ہے؟

وجے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر جولی آبدیدہ ہو گئی۔ اس کا دل ہمدردی کے جذبات سے بھر گیا گھڑی بھر کے لیے وہ اپنے آس پاس کے ماحول کو بھول گئی۔ اس

نے اپنی آنکھوں سے اپنا سیاہ چشمہ اتارا۔ اسے ہاتھ میں لے کر بے اختیار آگے بڑھنے لگی۔ وہ وجے کے قریب جا کر اپنی ریشمی ساڑی کے آنچل سے اس کے آنسو پونچھ دینا چاہتی تھی۔ لیکن ابھی وہ دو قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ یکایک اس کے منہ سے ایک چیخ سی نکل گئی۔ ایک بندر نے اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے چشمے پر چھلانگ لگائی تھی اور پلک جھپکتے ہی اس کا چشمہ لے اڑا تھا۔ جولی بندر کے اس اچانک حملے سے گھبرا گئی تھی اور اس کے منہ سے یہ چیخ نکل گئی تھی۔ یکایک جولی کو اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبا لیا تاکہ پھر ایسی غلطی نہ ہو جائے۔ لوگ بڑے دھیان سے آرتی کی پوجا دیکھ رہے تھے اس لیے کسی نے بھی اس کی چیخ پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اسے یہ ضرور محسوس ہو گیا تھا کہ وجے نے اس کی چیخ پر اپنی آنکھیں کھول کر اسے دیکھ لیا ہے۔ اس بات کا خیال آتے ہی وہ تیزی سے مڑی اور دروازے کی جانب دوڑ گئی۔

بے تحاشا بھاگتی ہوئی جولی نے اگر عین وقت پر اپنی ریشمی ساڑی کو سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ منہ کے بل فرش پر گر پڑی ہوتی۔ مندر کے صدر دروازے تک آ جانے کے بعد بھی اس نے اپنے سینڈل لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ ننگے پاؤں دوڑتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی۔ وہ اس گہرے ہوتے ہوئے اندھیرے میں نہ جانے کب تک دوڑتی رہتی لیکن دور کھڑی ہوئی ہوٹل کی ایک وین پر نظر پڑتے ہی اس کے پیروں میں جیسے بریک سے لگ گئے اور وہ دھڑکتے ہوئے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر ایک دیوار کے سہارے کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ کھڑی کھڑی ہانپتی رہی پھر وہ یہ جاننے کے لئے بے چین ہو گئی کہ اس کے اس طرح دوڑنے بھاگنے کو کسی نے دیکھا تو نہیں ہے؟ مگر اس میں تو گردن گھما کر پیچھے کی جانب دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

چند لمحوں بعد اسے پیچھے سے آتے ہوئے کسی کے قدموں کی آہٹ نے چونکا دیا۔ قدموں کی آواز لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ اور اس کے دل کی دھڑکنیں خوف سے بند ہونے لگیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ آنے والا شخص ابھی پیچھے سے اس کی گردن پکڑ لے گا اور جھٹکے دے کر اسے مندر کے دروازے کے سامنے لے جا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر سزا کا اعلان کرے گا۔ وہ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہے گا۔ "لوگو اس لڑکی نے ہمارے مندر کو ناپاک کیا ہے اس لیے اسے کڑی سے کڑی سزا دی جاتی ہے۔"

لیکن قدموں کی آواز اس کے بالکل نزدیک آ کر تھم گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی جولی کو یوں لگا کہ اس کے دل کی تیز ہوتی ہوئی دھڑکن بھی ایک دم تھم جائے گی۔ سہمی ہوئی خاموشی کے یہ چند لمحے اس کے لئے کسی بھیانک سزا سے کم نہ تھے۔

یکایک اس کی سماعت سے ایک آواز ٹکرا گئی۔ "جولی۔"

قدموں کی آہٹ سے تو وہ سمجھ گئی تھی لیکن آواز سننے کے بعد تو اسے پورا یقین ہو گیا تھا اسی لیے اس نے دھیرے دھیرے داہنی جانب گردن گھمائی اور پیچھے کھڑے ہوئے وجے پر نظر پڑتے ہی اس کی پلکیں کسی مجرم کی طرح جھک گئیں۔

"تم نے یہ کیا کیا مس جولی؟" وجے کے پھڑپھڑاتے ہوئے ہونٹوں سے دھیمی آواز نکلی۔ لیکن جولی میں تو اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ جواب میں "آئی ایم سوری" ہی کہہ سکتی۔

"جان بوجھ کر تم نے ایسا کیوں کیا جولی؟" وجے کی آواز میں درد کی جھلک محسوس ہوئی تو جولی کو اپنی پلکیں اٹھانی پڑیں۔ اس نے تھوڑی دیر قبل جن آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے ان آنکھوں میں اس وقت اسے ایک عجیب سا دردناک سناٹا نظر آ رہا تھا وہ اس درد کو سمجھ ہی نہ سکی۔ اس کا تو خیال تھا کہ وجے غصے میں کھول اٹھے گا لیکن اس کی خاموشی دیکھ کر اس کا جی چاہا کہ وہ اس سے پوچھے۔ "کیا مندر میں اس کے داخل ہونے کی وجہ سے اس کے بھگوان کی بے حرمتی ہو گئی ہے؟"

مگر جولی کو یہ سوال پوچھنا اچھا نہیں لگا۔ کیونکہ اس سے بھول تو ہو ہی گئی تھی مندر کی بے حرمتی نہ بھی ہوئی تو بھی اس نے وجے کا دل تو ضرور ہی توڑا تھا۔ وہ چند لمحوں تک تو خاموش رہی پھر دھیرے سے بولی۔ "وجے میں اپنے دل کو قابو میں نہیں رکھ سکی تھی نہ جانے کون سی غیبی قوت تھی جو مجھے کھینچ کر لے گئی تھی۔"

"میں جانتا ہوں۔" وجے نے جلدی سے کہا۔ "آدمی کو جہاں جانے کے لئے منع کیا جاتا ہے وہ وہیں جانے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے کہ آخر وہاں ایسی کیا بات

"لیکن میرے وہاں جانے کی وجہ اس تجسس کے علاوہ بھی کچھ اور تھی۔" جولی کا جی چاہا کہ وہ اپنے دل کی کیفیت سے بھی وجے کو آگاہ کر دے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ کہتی اس کی نظر مندر سے باہر نکلتے ہوئے سیاحوں پر پڑ گئی۔ اس لیے اس نے فوراً ہی وجے کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو وہ لوگ مندر سے باہر آ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وجے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ان سیاحوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس نے جاتے ہی ان لوگوں کو اس طرح باتوں میں الجھا لیا کہ وہ جولی کی جانب توجہ ہی نہ دے سکے۔ وجے نے انہیں باتوں میں لگا کر بڑی ہوشیاری سے ہوٹل کی ویگن میں بٹھا دیا۔ سارے سیاح ویگن میں سوار ہو چکے تھے اور اب صرف رگھوپتی ہی وجے کے ساتھ باہر کھڑا تھا۔ رگھوپتی وجے کا دوست تھا اور آج کل وہ وجے کے ساتھ رہ کر گائیڈ کی ٹریننگ حاصل کر رہا تھا۔

"رگھو تم ان لوگوں کے ساتھ ویگن پر ہی ہوٹل چلے جاؤ۔" وجے نے اس سے کہا۔ "میں تمہاری موٹر سائیکل پر آ رہا ہوں۔"

رگھوپتی کی تیز نظروں نے جولی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ موٹر سائیکل کی چابی وجے کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "میں سمجھ گیا وجے۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے مڑا اور ویگن میں سوار ہو گیا۔ اس کے اندر آتے ہی ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کر دیا پھر ویگن کی تیز لائٹس روشن ہو گئیں اور وہ اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ وجے نے پلٹ کر دیکھا جولی اپنی جگہ پر موجود نہ تھی۔ "ارے یہ کہاں غائب ہو گئی؟" وہ بڑبڑایا اور اپنی نگاہیں ادھر ادھر دوڑانے لگا۔ مندر کے صدر دروازے پر اس کی نگاہیں جم کر رہ گئیں۔ جولی جوتے سنبھالنے والے لڑکے سے سینڈل لے کر وہیں جھکی ہوئی انہیں پہن رہی تھی۔ یہ دیکھ کر وجے نے سوچا مندر میں داخل ہوتے وقت اس لڑکی نے سینڈل اتارنے والی بات تو یاد رکھی تھی۔۔۔ مگر یہ کیا اس نے تو ساڑی پہن رکھی ہے؟ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر وہ مندر میں داخل ہونے کی پوری تیاری کر کے یہاں آئی تھی۔۔۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وجے کچھ دیر تک چپ چاپ کھڑا سوچتا رہا پھر تھوڑی دیر بعد جولی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ جب وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہو گئی تو وجے کا جی چاہا کہ اس سے پوچھ لے کہ مندر میں داخل ہونے کی کیا وجہ تھی؟ لیکن کچھ سوچ کر اس نے یہ سوال پوچھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اس کے بجائے بولا۔ "جولی یہاں آس پاس تو کوئی سواری نظر نہیں آتی پھر تم اتنی دور کیسے آ گئیں؟"

"ہوٹل سے تو ٹیکسی میں آئی تھی۔" جولی نے کہا۔ "لیکن مندر سے تھوڑے فاصلے پر ٹیکسی کا ٹائر پنکچر ہو گیا اس لئے پیدل ہی چل کر آ گئی۔"

"پیدل آ کر تو اچھا کیا تھا لیکن اب واپسی کیسے ہو گی؟" وجے نے پوچھا۔

"واپسی تو اب تمہارے ساتھ ہی ہو گی۔" جولی نے یہ کہنا چاہا ہی تھا کہ اچانک اس کی نظر وجے کے ہاتھ میں دبی ہوئی موٹر سائیکل کی چابی پر پڑی اس لیے جواب اسے سوجھ گیا۔ "کیوں---- موٹر سائیکل کی چابی تو ہے تمہارے پاس' میں بھی تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں گی۔

وجے اس کا یہ جواب سن کر اسے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ سنہرے بال' آسمانی آنکھیں اور گورے گالوں میں مسکراتے وقت پڑنے والے چھوٹے چھوٹے گڑھے اور سرخ ہونٹوں پر کھیلنے والی مستقل مسکراہٹ---

"کیوں؟ میری اس تجویز سے الجھ کیوں گئے؟" جولی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھے دیکھ کر کہیں کوئی یہ نہ پوچھنے لگے کہ-----"

جولی اتنا کہہ کر چپ ہو گئی اور وجے کو اس کی اس بات پر کسی کی کہی ہوئی چند سال پرانی ایک بات یاد آ گئی کسی نے اس سے کہا تھا۔ "مجھے اگر اپنی سائیکل پر بیٹھا کر لے جاؤ گے تو کوئی یہ نہیں سمجھے گا کہ میں تمہاری کوئی ہوں-----"

ماضی کی اس بات نے جیسے اسے اپنی جگہ سے دھکا دے دیا ہو۔ اس طرح وہ اچانک موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا جولی بھی اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ لیکن اس نے وجے کے کندھے پر اپنا ہاتھ نہیں رکھا۔ ہوٹل تک کے سفر کے دوران میں دونوں اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے رہے' پھر ہوٹل اوبرائے کے صدر دروازے پر آ کر موٹر سائیکل رک گئی۔ کاسینو کے دروازے پر وجے کا دوست رگھوپتی کھڑا انہیں کی جانب دیکھ رہا

تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔

"یہ میرا دوست ہے رگھوپتی۔" وجے نے اس کا تعارف کراتے ہوئے جولی سے کہا۔ "شاید رات کے وقت اگر آپ لوگ کاسینو میں جاتے ہوں تو اسے وہاں ضرور دیکھا ہو گا۔" جولی رگھوپتی کو دیکھتی رہی---- وہ تقریباً وجے کا ہم عمر ہی تھا لیکن قد میں وہ وجے سے ذرا چھوٹا تھا اور جسم بھی بھرا ہوا تھا اس کا ناک نقشہ نیپالی تھا اور پیشانی پر لال تلک لگا ہوا تھا۔

"جولی---- یہ رگھوپتی پچھلے سات سال سے باہر سے آئے ہوئے لوگوں کو کاسینو میں جوا کھلانے کی خدمت انجام دیتا ہے۔" وجے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مگر آج کل اس پر گائیڈ بننے کی دھن سوار ہے۔" اس لیے دوپہر سے شام تک میرے ساتھ رہتا ہے۔"

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" جولی نے رگھوپتی کو نیچے سے اوپر تک دیکھا' اور مسکرا کر آگے بولی۔ "رات کے وقت سیاحوں کو کاسینو میں جوا کھلانا اور دن کے وقت انہیں مندروں میں لے جا کر دیوی دیوتاؤں کی زیارت کرانا؟"

یہ سن کر رگھوپتی کے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی' پھر وہ اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر وجے سے بولا۔ "آٹھ بج چکے ہیں اور میری نائٹ ڈیوٹی شروع ہونے والی ہے۔ تم ایسا کرو کہ موٹر سائیکل اپنے گھر لے جاؤ۔" اتنا کہہ کر وہ جانے کے لیے مڑا ہی تھا' کہ اچانک رک گیا اور جولی سے بولا۔ "آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی جب آپ کاسینو آئیں تو مجھ سے ضرور ملئے گا۔"

رگھوپتی کے جانے کے بعد ان دونوں کے درمیان پھر خاموشی چھا گئی۔ یکایک جولی کو کچھ یاد سا آ گیا اور وہ اس خاموشی کو توڑتے ہوئے بولی۔ "اگر برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھو۔" وجے نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

"آرتی کے وقت میں نے دیکھا تھا کہ تم ایک ستون کے پاس آنکھیں بند کیے کھڑے تھے اور تمہاری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم کیوں رو رہے تھے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جولی کا یہ سوال سن کر وجے چونک پڑا۔ اس نے جولی کے چہرے پر سے اپنی نظریں ہٹا لیں۔ پھر وہ اس طرح موٹرسائیکل پر بیٹھ گیا جیسے وہ اس سوال کا جواب دینا ہی نہ چاہتا ہو۔ لیکن جولی نے موٹرسائیکل کا ہینڈل تھام لیا' اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "سچ سچ بتانا۔ تمہارے وہ آنسو کسی کی یاد کے آنسو ہی تھے نا؟"

وجے نے چونک کر خود کو سنبھالتے ہوئے جولی کی طرف دیکھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ غیر ملکی لڑکی اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ لگا چکی ہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس سوال کا کیا جواب دے کہ یکایک جولی نے ایک بار پھر وہی سوال دہرایا۔ "اگر کوئی حرج نہ ہو تو بتا دو وجے کہ تم کسے یاد کر رہے تھے؟"

"روکھی کو----" وجے آپ ہی بول پڑا۔

"روکھی؟ کون روکھی؟" جولی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"روکھی---- میری چھوٹی بہن جس کا اصل نام رکمنی تھا۔ آج سے چند سال قبل وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی----" وجے خلا میں گھورتا ہوا رک رک کر بولا۔

"چلی گئی ہے؟ مگر کہاں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" وجے دردناک لہجے میں بولا۔ "اور سب لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ مر چکی ہے لیکن چھ برس گزرنے کے باوجود اس کی موت کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے۔"

"چھ سال ہو گئے؟" جولی نے حیرت سے کہا۔ "اس وقت وہ کتنی بڑی ہو گی۔"

"اس وقت وہ اگر آکر تمہارے برابر کھڑی ہو جائے تو تم جتنی ہی لگے گی۔" وجے نے کہا۔

"تو وہ زندہ ہی ہے اس بات کا تمہیں----"

"نہیں---- نہیں" وجے نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی اور بولا۔ "اس کی زندگی کا مجھے یقین تو نہیں ہے لیکن دل یہ ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہے کہ وہ مر چکی ہے۔" وجے کی آواز کانپ رہی تھی۔ "جب رکمنی غائب ہوئی تھی تو میں بنارس میں تھا۔ میرے فائنل امتحانات ہو رہے تھے اس لیے مجھے کسی نے ایک ہفتے تک اطلاع ہی نہیں دی۔ اور جب مجھے پتا چلا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔"

جولی نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر کہا۔ "لیکن یہ تم کس بات پر کہہ سکتے ہو کہ وہ ابھی تک زندہ ہی ہو گی؟"

"کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جولی جو سمجھائی نہیں جا سکتیں۔" وجے درد بھرے لہجے میں بولا۔ "ان دنوں ہمارے اس نیپال میں سے اکثر اسی طرح لڑکیاں غائب ہو جاتی تھیں۔"

"اوہ مائی گاڈ----" جولی تھرتھرا گئی۔ "تو تمہارے اس دیوتاؤں کے دیش میں درندے بھی بستے ہیں؟"

وجے اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس نے موٹرسائیکل ایک جھٹکے سے اسٹارٹ کر دی۔ اس کا چہرہ یکایک ہی سرخ ہو گیا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ جولی اسے "گڈ نائٹ" کہتی وجے نے موٹرسائیکل آگے بڑھا دی اور پھر چند ہی لمحوں میں موٹرسائیکل جولی کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

○

ایک دو منزلہ مکان کے سامنے وجے نے موٹرسائیکل روک دی اور اتر کر دروازے پر دستک دینے لگا۔ اس کی پہلی ہی دستک پر اس طرح دروازہ کھل گیا جیسے اندر اس کا انتظار کیا جا رہا ہو۔ دروازہ کھلتے ہی ایک بھاری بھرکم آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "آگئے بڑے بھائی؟"

پچھتّر سالہ سفید ریش مان سنگھ نے اس کی موٹرسائیکل کے ہینڈل کو تھامتے ہوئے کہا۔ "یہ تو رگھوپتی کی پھٹ پھٹی لے آئے ہو تم----"

وجے پچھلے ایک گھنٹے سے بے حد سنجیدہ تھا' لیکن مان سنگھ کی بات سن کر وہ ہنس پڑا اور بولا۔ "مان چاچا آپ ہٹ جائیں میں موٹرسائیکل کو اندر لے جاتا ہوں۔"

لیکن مان سنگھ نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور کہا "مجھ سے اس طرح کی ہمدردی نہ کرو بڑے بھائی' بوڑھا ہو گیا ہوں تو کیا ہوا؟ ابھی میں اتنا کمزور اور بیکار بھی نہیں ہو گیا ہوں۔ تم کہو تو اس پھٹ پھٹی کو پیٹھ پر لاد کر ابھی بھی ہمالیہ چڑھ سکتا ہوں۔"

بوڑھے مان سنگھ کی یہ بات سن کر اچانک وجے کو تین سال پہلے کا ایک واقعہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یاد آ گیا۔ تین سال قبل وجے چند سیاحوں کو لے کر پوکران گیا ہوا تھا' اور وہیں انہوں نے اس پہاڑی مان سنگھ کو مزدور کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ پہلے مان سنگھ بے شمار سیاحوں کے قافلوں کے ساتھ ہمالیہ کے اونچے اونچے ٹیلوں پر جا چکا تھا' لیکن ایک بار ایک پہاڑی پر اس کا داہنا پاؤں برف کی چٹانوں میں دب گیا تھا جس کی وجہ سے اس کے داہنے پاؤں میں ذرا لنگڑاہٹ سی آ گئی تھی۔ اسی لیے اب اس نے اونچائی پر مزدوری کے لیے جانا چھوڑ دیا تھا' اور نیچے ہی کام کاج کرنے لگا تھا۔ وجے سے اس کی ملاقات پوکران کے نشیبی علاقے میں ہوئی تھی' اور وہیں وجے نے اس کی طاقت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ مان سنگھ بوڑھا ضرور ہو گیا تھا لیکن اس کا جسم اب بھی تندرست و توانا تھا۔ اپنے پاؤں کی مجبوری کی وجہ سے ہی اب اس پہاڑی بوڑھے کو زمین پر رہنے کی خواہش ہونے لگی تھی اور تب ہی وجے نے اس سے کہا تھا۔ "تم میرے ساتھ کھٹمنڈو چلو مان سنگھ' وہاں تم ہمارے گھر کو سنبھالنا اور اطمینان سے کھانا پینا۔"

مان سنگھ کا دنیا میں شاید کوئی نہیں تھا' مگر پھر بھی وجے کے ساتھ جانے کی اس نے فوراً ہی حامی نہیں بھری تھی۔ اس نے وجے سے کہا تھا۔ "نہیں صاحب مجھے اطمینان سے بیٹھ کر روٹیاں کھانے کے لیے مت کہنا۔" اس کا لہجہ پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط تھا۔ "آپ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تو ضرور لے جائیں' مگر کبھی بھی میرے بڑھاپے پر رحم کھانے کی کوشش مت کیجئے گا۔"

اور پھر ان تین سالوں میں مان سنگھ وجے کے گھر کا ہی ایک فرد بن کر رہ گیا تھا۔ ہاتھ منہ دھونے اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وجے جب برآمدے میں آیا تو اس وقت تک بوڑھے مان سنگھ نے اس کا کھانا دستر خوان پر لگا دیا تھا۔ وہ چونکہ نچلی ذات کا تھا اس لیے اسے ہندو برہمن کے باورچی خانے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن رات کو اکثر وجے دیر سے گھر آتا تھا۔ اس لیے اس کی سوتیلی ماں اس کا کھانا باہر برآمدے میں ڈھانک کر رکھ دیتی تھی اور مان سنگھ وہی کھانا رات کو وجے کو کھلاتا تھا۔

مان چاچا۔ تم ہمیشہ مجھے کھلانے کے بعد خود کھاتے ہو۔" وجے نے روٹی توڑتے

ہوئے کہا۔ "تمہارا دستور میری سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن اب اگر تم یہ عادت چھوڑ دو تو بہت ہی اچھا ہو گا۔"

"تھوڑے دنوں بعد چھوڑ دوں گا بس۔" بوڑھے مان سنگھ نے بڑی سنجیدگی سے کہا تو وجے اس طرح چونک پڑا کہ اس کے ہاتھ کا نوالا ہاتھ ہی میں رہ گیا۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ شاید مان سنگھ کو اس کی بات بری لگ گئی ہے۔ لیکن مان سنگھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر اسے اور زیادہ حیرت ہوئی۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں مان چاچا۔" وجے نے ذرا سخت لہجے میں کہا' پھر بھی بوڑھے کی مسکراہٹ جوں کی توں اس کے ہونٹوں پر رقصاں تھی۔

"تو میں کب مذاق کر رہا ہوں وجے؟" بوڑھا مان سنگھ سالن کا پیالہ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "تم کھانا کھا کر اوپر جاؤ گے تو تمہیں خودبخود معلوم ہو جائے گا۔"

"اوپر؟" وجے نے چونک کر پوچھا۔ "بھلا اوپر ایسی کیا بات ہے؟"

"پروہت جی تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں۔" مان سنگھ نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "بنارس سے تمہارے ماما جی کا خط آیا ہے۔ جس میں ماما جی نے تمہاری شادی کے بارے میں لکھا ہے۔"

"ماما جی نے؟" وجے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں پروہت جی خط پڑھ کر ماں جی کو سنا رہے تھے اور تب ہی یہ بات مجھے معلوم ہو گئی۔" بوڑھا مان سنگھ اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "اب تھوڑے ہی دنوں بعد اس گھر میں ایک بہو آ جائے گی اور وہ تمہیں کھلانے پلانے کی ساری ذمے داری سنبھالے گی۔ اس طرح میری یہ عادت خودبخود چھوٹ جائے گی۔"

بوڑھا مان سنگھ بول رہا تھا' لیکن وجے کا دھیان اس کی باتوں پر نہیں تھا۔ وہ تو کھاتے کھاتے کہیں اور ہی کھو گیا تھا۔ پچھلے دو سال سے وہ اپنی شادی کو ٹالتا رہا تھا ہمیشہ اپنے باپ سے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر خود کو بچا لیتا تھا۔ مگر اب تو سارے بہانے بھی ختم ہو گئے تھے اب تو شادی کو ٹالنے کی کوئی زوردار وجہ بھی اس کے پاس نہیں تھی۔

"وجے! اچانک اوپر کے برآمدے سے پتا جی کی آواز سنائی دی تو وہ کانپ کر رہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ اگر تم نے کھانا کھا لیا ہے تو ذرا اوپر آ جاؤ۔"

"آتا ہوں پتا جی۔" وجے دسترخوان سے اٹھتے ہوئے بولا' پھر ہاتھ دھو کر جب وہ مڑا تو مان سنگھ تولیہ لیے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ "اس بار تم برابر پھنس گئے ہو بڑے بھائی۔" مان سنگھ مسکراتے ہوئے دبی ہوئی آواز میں بولا۔ "سنا ہے کہ ماما جی نے تمہارے لیے بڑی خوبصورت لڑکی ڈھونڈی ہے۔"

وجے نے تولیہ اس کے منہ پر اچھال دیا اور آہستہ آہستہ اوپر کے تنگ زینے چڑھنے لگا۔ اوپر چڑھتے چڑھتے وہ کوئی نیا بہانہ بھی سوچ رہا تھا' لیکن دروازے پر پہنچنے کے بعد اچانک ہی وہ سر جھکانا بھول گیا۔ کمرے کا یہ دروازہ اس کے قد سے چھوٹا تھا اس لیے اسے ہمیشہ ہی جھک کر اندر آنا پڑتا تھا' مگر اس کے باوجود بھی آج اس کے ماتھے پر چوٹ لگ ہی گئی۔ ٹھک سے ایک آواز ہوئی اور پھر اسے اپنا سر سہلاتے ہوئے اندر داخل ہونا پڑا۔

"لگی نا چوٹ۔" پروہت جی نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "بنارس سے تمہارے ماما جی نے بھی اپنے خط میں یہی لکھا ہے کہ لڑکے لڑکی اگر شادی لائق ہو جائیں تو اپنے بزرگوں کی خواہش پوری کرنے کے لیے انہیں اپنا سر ان کے آگے جھکا دینا چاہیے۔"

وجے اپنا سر سہلاتا ہوا اپنے پتا جی کے سامنے بیٹھ گیا۔ راج پروہت گوری شنکر کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی تھی۔ وہ جس گول تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اس کے نیچے سے انہوں نے ایک لفافہ نکالا اور اسے وجے کے سامنے بڑھاتے ہوئے بولے۔ "لو خود ہی پڑھ لو۔"

خط میں جو لکھا تھا اس کا پتا تو وجے کو چل ہی چکا تھا۔ پھر بھی اس نے لفافہ کھول کر جلدی جلدی خط پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے ماما جی نے لکھا تھا۔ اپنے بھانجے کمار کے لیے ہم نے یہاں ایک بے حد خوبصورت لڑکی ڈھونڈ رکھی ہے۔ خاندان بھی بہت اچھا ہے۔ سری واستو صاحب سی پی آئی میں ایک بڑے افسر ہیں۔ رہنے والے تو بنارس کے ہیں لیکن برسوں سے دہلی میں رہتے ہیں۔ ان کی دوسری بیٹی ارمیلا ہمارے وجے کے لیے ہر طرح سے ٹھیک رہے گی۔ پچھلے سال جب وجے یہاں

چند دنوں کے لیے آیا تھا تو ارمیلا بھی یہیں تھی۔ میری بیٹی کی وہ سہیلی ہے اس لیے اس کی شادی پر وہ خاص طور سے آئی تھی۔ وجے کو اس نے بھی دیکھا ہے۔ شادی کے موقعے پر اس نے چند خوبصورت گیت سنائے تھے۔ اس لیے وجے کو بھی وہ لڑکی یاد ہو گی۔ ہمیں تو وہ لڑکی بہت پسند ہے۔

اتنا پڑھنے کے بعد وجے رک گیا اور نظریں اٹھا کر پتا جی کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن پتا جی کو اپنی ہی جانب گھورتے دیکھ کر وہ پھر سے خط پڑھنے لگا۔ اس کے ماما جی نے آگے لکھا تھا۔ "لیکن ایک بات پر اعتراض ہو سکتا ہے۔ سری واستو جی اپنی بیٹی کی شادی کر کے اسے نیپال بھیجنے سے ہچکچا رہے ہیں ان کی خواہش ہے کہ وجے دہلی یا بنارس میں رہنے کا فیصلہ کر لے تو اس کے لیے ترقی کی مزید راہیں کھل سکتی ہیں۔ وہ اپنے داماد کو اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتے لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹی ان سے بہت دور چلی جائے۔ اس سلسلے میں وجے کی مامی کا مشورہ یہ ہے کہ وجے نے چونکہ بنارس میں ہی تعلیم حاصل کی اس لیے اسے یہاں بہتر ملازمت مل سکتی ہے۔ وہ چاہے تو شادی کے بعد سال دو سال تک ہمارے ساتھ رہے۔ یا کہیں الگ مکان لے کر رہے اور بعد میں اگر دونوں میاں بیوی چاہیں تو کھٹمنڈو چلے جائیں۔ رشتہ بہت اچھا ہے اور ایسے رشتے کو چھوڑ دینا بے وقوفی ہو گی۔ آگے آپ لوگوں کی مرضی۔ خط کا جواب سوچ سمجھ کر دیں۔ فقط بھگوتی چرن۔

خط پڑھنے کے بعد وجے نے اسے تہہ کر کے دوبارہ لفافے میں ڈال دیا اور اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر اپنے پتا جی کی جانب دیکھنے لگا۔ اس شادی سے انکار کی وجہ تو اسے مل گئی تھی۔ اس لیے وہ اپنے پتا جی کے پوچھنے سے پہلے ہی بول پڑا۔ "پتا جی ایک اچھی بیوی کے لیے میں آپ کو اور اس گھر کو چھوڑ دینے کے بارے میں تو کبھی سوچ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے ماما جی کو میں خود ہی لکھ دوں گا کہ یہ رشتہ مجھے منظور نہیں ہے۔"

"لیکن وجے۔" اگر یہ فرض کر لو کہ تمہارے یہاں سے جانے پر مجھے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ ہو تو؟" پروہت جی نے پوچھا ہی تھا کہ وجے نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور حیرت زدہ آواز میں بولا۔ "پتا جی۔ یہ آپ۔۔۔۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہاں وجے---- یہ میں کہہ رہا ہوں۔" پروہت جی نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "حقیقت سے نظریں چرانا دانشمندی نہیں ہے۔" اتنا کہنے کے بعد وہ ایک پل کے لیے رکے پھر اس قدر دھیمی آواز میں آگے بولے کہ ساتھ والے کمرے میں سوئی ہوئی ان کی بیوی ان کی آواز نہ سن سکے۔ "میں یہ تو نہیں جانتا بیٹے کہ تم شادی سے ہمیشہ انکار کیوں کرتے آ رہے ہو؟ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ شادی کے بعد تم اپنی بیوی کے ساتھ اس گھر میں سکھ سے نہیں رہ سکو گے۔"

دونوں باپ بیٹے کے درمیان ایسی نجی باتیں بہت کم ہوا کرتی تھیں۔ اس لیے وجے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کی خاموشی کو دیکھ کر پروہت جی نے پھر کہا۔ "میں جانتا ہوں بیٹے کہ اپنی نئی ماں کے روکھے پھیکے سلوک سے بچنے کے لیے ہی تم سارا دن گھر سے باہر رہتے ہو اور شادی کے بعد شاید اس کے دل کی تلخی اور بڑھ جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو تم شاید باہر رہ کر بھی سکون نہ پا سکو گے۔"

"شکایت نہ کرنے والے لوگ ہی اندر سے بہت دکھی ہوتے ہیں بیٹے۔" پروہت جی نے نرم اور جذباتی لہجے میں کہا۔ "تمہاری نئی ماں بار بار مجھے طعنے دیتی ہے کہ وجے سے آپ بہت زیادہ پیار کرتے ہیں اور میرے بیٹے کپل کو آپ پرایا ہی سمجھتے ہیں۔ آپ کی نظر میں تو کپل کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

"لیکن پتا جی اس وقت یہ باتیں---"

"مجھے اپنی بات کر لینے دو بیٹے۔" پروہت جی نے اس کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

"مجھے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر لینے دو۔" پروہت جی کی آواز بھاری ہوتی گئی اور ان کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ "جب تمہاری ماں کا انتقال ہوا تھا تو اس وقت تم صرف چار برس کے تھے اور تمہاری بہن روکھی دو سال کی تھی۔ مجھے تمہاری فکر نہیں تھی لیکن روکھی کی پرورش کے لیے ماں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لیے میں تم دونوں کے لیے ایک نئی ماں لانے پر مجبور ہو گیا تھا' مگر اس وقت یہ کہاں معلوم تھا کہ روکھی اٹھارہ سال کی بھرپور جوانی میں ہی اپنی ماں کی طرح ہمیں چھوڑ کر دنیا سے رخصت---"

"پتا جی۔" وجے پرجوش لہجے میں پروہت جی کی بات کاٹ کر بولا۔ "روکھی

ہمارے درمیان موجود نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ زندہ نہیں ہے۔ آپ کو ایسی بات منہ سے نہیں نکالنی چاہیے۔"

اور پھر باپ بیٹے کے درمیان تھوڑی دیر تک گہری خاموشی چھا گئی۔ درد چھپانے کے لیے پروہت جی کو اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لینا پڑا اور وجے اپنی بے قراری کو چھپانے کی کوشش میں اپنی مٹھیاں کبھی بند کرتا اور کبھی کھولتا تھا۔ پچھلے دو سال میں ان دونوں کے درمیان کئی بار اس بارے میں گفتگو ہو چکی تھی لیکن ہر بار یہ گفتگو ادھوری ہی رہتی تھی۔ دونوں کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ہی رہ جاتے تھے۔ پروہت جی اس بات کا کبھی ثبوت ہی پیش نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی بیٹی مر چکی ہے اور وجے کی مجبوری یہ تھی کہ وہ یہ ثبوت نہیں دے سکتا تھا کہ اس کی بہن روکھی زندہ ہے۔ پروہت جی یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ روکھی کی تلاش میں ہم نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے' مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا جبکہ وجے کا یہ کہنا تھا کہ روکھی کی طرح کئی اور لڑکیاں بھی غائب ہوئی تھیں جن کا پتا پانچ چھ سال بعد ہی چلا ہے۔ اس بات سے ہم یہ کیوں نہ مان لیں کہ روکھی زندہ ہے اور دیر سویر اس کا پتا بھی چل سکتا ہے۔"

"بیٹے تم ایک بار بنارس تو ہو آؤ۔" پروہت جی نے آخر کار اس طویل خاموشی کو توڑتے ہوئے اور اپنے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔ "اس لڑکی کو جا کر دیکھ لو۔ اگر تم دونوں کے خیالات ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہوں تو شادی کے بعد یہاں رہنا یا بنارس میں ہی رہنا یہ فیصلہ ہم بعد میں بھی کر سکتے ہیں۔"

وجے ان کی یہ بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ کسی نئے بہانے کے لیے الفاظ ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ پروہت جی پھر بول پڑے۔ "اس وقت جواب دینے کی جلدی نہیں ہے جاؤ جا کر سو جاؤ صبح پوجا پاٹ سے فارغ ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر جواب دینا۔"

وجے چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ لیکن تب ہی اس کی نظر دیوار پر ٹنگی ہوئی ایک تصویر پر پڑی اور اس کی آنکھیں وہیں جم گئیں۔ اسکول کی یونیفارم میں اس کے ساتھ سائیکل پر بیٹھ کر روکھی نے یہ تصویر اتروائی تھی۔ وجے کو یوں لگا جیسے اس وقت بھی فوٹو فریم کے شیشے کے پیچھے سے اس کی چھوٹی بہن یہ کہہ رہی ہو۔ "مجھے اپنے پیچھے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سائیکل پر بٹھا کر لے جاؤ گے تو کوئی یہ نہیں کہے گا کہ میں تمہاری۔"

اس بات کی یاد آتے ہی وجے کے لیے وہاں کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا پاؤں اٹھایا اور جلدی جلدی زینے سے اترتا ہوا نیچے کے برآمدے میں آ گیا۔ اور مان سنگھ کی جانب دیکھے بغیر ہی تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گیا۔

کمرے میں ایک گہرا سناٹا طاری تھا۔ سلاخوں والی کھڑکی میں سے دکھائی دینے والے پہاڑ بڑے اداس دکھائی دے رہے تھے۔ وجے نے بستر پر کروٹ بدلتے ہوئے سوچا آج کا یہ دن تو بڑے ہی عجیب ڈھنگ میں گزرا ہے۔ چانک اسے جولی کی یاد آ گئی اور وہ اس کے خیالوں میں کھو گیا۔ آخر جولی پشپتی ناتھ کے مندر میں کیوں گھس آئی تھی؟ اس کی یہ چوری پکڑنے کے بعد میں نے کیوں اسے کچھ نہیں کہا؟ سوالات اس کے ذہن میں اٹھتے رہے اور وہ ان سوالوں سے لڑتا ہوا جانے کب سو گیا۔

○

کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کا الارم بجتے ہی جولی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھڑی کا ایک بٹن دبا کر الارم بند کر دیا اور دوسرا بٹن دبا کر وقت دیکھنے لگی۔ ٹھیک پونے چھ بجے تھے۔ اس نے انگڑائی لے کر اپنے جسم کی ٹھنڈک کو دور کرنے کی کوشش کی اور بستر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ساتھ والے دوسرے کمرے میں اس کے ڈیڈی سو رہے تھے اور جولی جانتی تھی کہ ٹھیک پانچ منٹ بعد ہی وہ بھی اپنے بستر سے اٹھ بیٹھیں گے۔ اس نے جلدی جلدی باتھ روم میں جا کر اپنا منہ ہاتھ دھویا۔ لیکن اتنی دیر میں ڈیڈی کے کمرے کے باتھ روم میں آہٹ ہوئی تو وہ سمجھ گئی کہ ڈیڈی بھی جاگ چکے ہیں۔ رات ہی کو دونوں باپ بیٹی نے یہ طے کر لیا تھا کہ صبح سویرے سب کو سوتا ہوا چھوڑ کر وہ دونوں ہوٹل سے نکل جائیں گے۔"

انسان کی زندگی میں بہت سے رشتے بڑے ہی عجیب ڈھنگ کے ہوتے ہیں۔ مثلاً" جولی کے برابر والے کمرے میں اس کے ڈیڈی جس عورت کے ساتھ تھے وہ اس کی ممی نہیں تھی اور سامنے والے تیسرے کمرے میں اس کی ممی جس مرد کے پہلو میں سوئی ہوئی تھیں وہ اس کا باپ نہیں تھا۔ اس وقت اس کے ڈیڈی کے کمرے میں جو

عورت تھی وہ اس کی دوسری بیوی تھی جسے وہ آنٹی کہتی تھی۔ اور ممی کے دوسرے شوہر کو وہ انکل کہتی تھی۔ دس سال قبل اس کے ڈیڈی اور ممی ایک دوسرے سے طلاق لے کر علیحدہ ہو گئے تھے اور تب اسے اپنی ممی کے ساتھ رہنا پڑا تھا۔ بعد میں اس کی ممی نے مائیکل نامی ایک شخص سے شادی کر لی اور اس کے ڈیڈی نے ڈوروتھی کو مسز اینڈرسن بنا لیا تھا۔

شروع شروع میں دو ایک سال تک تو جولی کو یہ امید تھی کہ اس کے بچھڑے ہوئے ماں باپ پھر ایک دوسرے سے مل جائیں گے اور اس طرح اس کی زندگی کے دو الگ ہو جانے والے حصے پھر سے ایک ہو جائیں گے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اور جولی کے دل میں ہمیشہ کے لیے ایک کسک رہ گئی۔ وہ ماں باپ کی ایک دوسرے سے علیحدگی کے بعد اکثر یہ سوچنے لگی تھی کہ ایسی شادی اور ایسی زندگی کا آخر کیا فائدہ؟ دو انسان ساتھ مل کر تیسرے انسان کو پیدا کرتے ہیں اور پھر خود دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے؟ شاید یہی وجہ تھی کہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے باوجود جولی شادی اور شادی کے ایسے انجام سے خوفزدہ ہو کر دور دور رہنے لگی تھی۔

لیکن دو سال قبل جب وہ سیر و تفریح کے لیے بھارت اور نیپال آئی تھی تب بھی اس کے دل میں محبت کرنے اور کسی کو اپنانے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ اسی مشرق میں آ کر اس نے شادی کر کے جھگڑتے ہوئے میاں بیوی کو جھگڑنے کے بعد بھی ایک ساتھ رہتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے یہاں ایسی لڑکیوں کو بھی دیکھا جو شادی سے پہلے کسی غیر مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتیں اور یہ بات اسے بہت اچھی لگی کہ مشرقی لڑکیوں کے دل میں جس مرد کا تصور ہوتا ہے وہ صرف ان کا شوہر ہی ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں دیکھ کر وہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکی اور دل ہی دل میں وجے کی شخصیت سے متاثر ہو کر اس نے اسے اپنے من مندر کا دیوتا بنا لیا۔

دو سال قبل جب وہ نیپال کی سیر سے واپس اپنے وطن جا رہی تھی تو اس وقت اس نے اپنے دل میں یہ گرہ باندھ لی تھی کہ ایک دن وہ اپنے ممی اور ڈیڈی کو ساتھ لے کر یہاں واپس آئے گی اور اس وقت تک وجے کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جاری رکھے گی۔ ممی اور ڈیڈی کو نیپال لانے کے بعد وہ ان سے کہے گی "دیکھیے میں نے اس شخص کو اپنے ہم سفر کے طور پر پسند کیا ہے۔"

ممی کو انکل مائیکل کے ساتھ اور ڈیڈی کو آنٹی کے ساتھ بھارت اور نیپال کی سیر پر لانے کے لیے جولی کو چھ مہینے تک محنت کرنا پڑی تھی۔ اس نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ "آپ لوگ چل کر ایک بار نیپال اور بھارت کا علاقہ دیکھ تو لیں مزا آیا تو کہئے گا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس بہانے ہم پانچ آدمی مہینا بھر ایک ساتھ تو رہیں گے۔" جولی کے اندر یہ خاص خوبی تھی کہ اس کی گفتگو کی مٹھاس ہر شخص کے دل میں اتر جاتی تھی۔

یکایک اس کے کمرے کے دروازے پر ایک ہلکی سی دستک ہوئی اور وہ چونک پڑی۔ وہ کپڑے پہن کر تیار ہو چکی تھی اس لیے اس نے فوراً ہی آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اینڈرسن نے اپنی بیٹی جولی کو نیپالی مردانہ لباس میں دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی دوڑ گئی۔

"ارے یہ لباس تم نے کب سلوایا بے بی؟" اتنا کہہ کر وہ پیار سے نیپالی کرتے کی ڈوری ٹھیک سے باندھتے ہوئے آگے بولے۔ "ایسا لگتا ہے بیٹی کہ ان تینوں کو گہری نیند میں سوتا چھوڑ کر ہم مارننگ واک کے بجائے کسی اور ہی پراسرار کام پر جا رہے ہیں۔"

"پراسرار تو نہیں ڈیڈی البتہ یہ ذرا رومانٹک ضرور لگتا ہے۔" کہہ کر جولی نے اپنے ڈیڈی کا ہاتھ تھام لیا اور قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "چلئے۔"

○

لفٹ کے ذریعے نیچے اترنے اور پھر ہوٹل کی لابی سے گزرنے کے بعد دونوں باپ بیٹی صبح کی اوس بھری ٹھنڈک میں پہلے تو دھیرے دھیرے اور پھر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگے۔ آسمان پر سورج نکلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ راستہ بالکل سنسان تھا۔ سڑک پر ٹریفک کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ البتہ دودھ والے اپنے کندھوں پر بالٹیاں اٹھائے آتے جاتے ضرور نظر آتے تھے۔ کبھی کبھی دو چار نیپالی مرد و عورتوں کا قافلہ بھی اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو پیٹھ پر باندھے ہوئے گزرتا دکھائی دے جاتا تھا۔ چلتے چلتے یکایک جولی نے راستے سے اتر کر ایک پگڈنڈی پر قدم رکھے تو اینڈرسن اپنی جگہ پر چونک کر کھڑے ہوگئے اور اونچی پہاڑی پر جاتی ہوئی پگڈنڈی کے آخری سرے پر واقع بدھ مندر کے مینار کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"جولی بیٹی اس منکی ٹمپل تک چڑھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے' اوپر بندر بھی بہت ہیں۔"

جولی نے پلٹ کر اپنے ڈیڈی کی طرف دیکھا' اور مسکرا کر بولی۔ "ڈیڈی آپ کو زیادہ اونچائی پر نہیں لے جاؤں گی۔ مجھے معلوم ہے آپ دل کے مریض ہیں۔ بس دو چار قدم اوپر آکر یہاں بیٹھ جائیں۔" یہ کہہ کر اس نے سہارا دینے کی خاطر اینڈرسن کی جانب اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور بولی۔ "ڈیڈی بھگوان بدھ کے اس مندر کو "منکی ٹمپل" کہنا اچھا نہیں لگتا امریکن ٹورسٹوں نے مندر کے بندروں کو دیکھ کر اس کا یہ آسان نام تو رکھ دیا ہے' لیکن یہ نام بڑا ہی بے ہودہ ہے۔ کم از کم ہم غیر ملکیوں کو کسی کا کچھ تو لحاظ کرنا ہی چاہیے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے جولی کہ تم مجھے سنسکرت اور ہندی کے الفاظ سکھانے صبح ہی صبح یہاں لائی ہو؟" مسٹر اینڈرسن ہانپتے ہوئے بولے۔ "ہم یہاں اتنی دور سیر و تفریح کے لیے آئے ہیں۔ سنسکرت یا ہندی سیکھنے نہیں آئے ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے ڈیڈی۔ آپ کو اور ممی کو یہاں لانے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔" جولی نے اپنے ڈیڈی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے کہا۔ "اور وہی وجہ بتانے کے لیے میں آپ کو اس وقت یہاں لائی ہوں۔"

یہ سن کر اینڈرسن نے پرتجسس نظروں سے جولی کی طرف دیکھا۔ پھر سورج کی کرنوں سے چمکتے ہوئے مندر کے اونچے مینار پر نظر ڈال کر انہوں نے پوچھا۔ "بدھ مذہب سے متاثر ہو کر کہیں تم سادھو تو بننا نہیں چاہتی؟"

"بالکل نہیں ڈیڈی۔" جولی ہنس کر بولی۔ "میں تو اپنا گھر بسانے کی بات کرنے کے لیے آپ کو یہاں لائی ہوں۔"

"سچ؟" اپنی شرماتی ہوئی بیٹی کے سرخ گال پر ایک ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے پوچھا۔ "یہ فیصلہ تم نے کب کر لیا بیٹی؟" انہوں نے پوچھا۔ "ابھی تین ا
قبل جب کرسمس کے موقع پر تم میرے پاس آئی تھیں تب تو تم نے کوئی ذکر نہیں ک
تھا۔ میں نے ہنس کر پوچھا بھی تھا کہ کتنے بوائے فرینڈ ہیں تمہارے؟ لیکن تم نے انکا
میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا یہ جواب سن ک
میں فکرمند ہو گیا تھا' مگر آج یہ اچانک----"

"اس وقت تو آپ فکر مند ہو گئے تھے۔" جولی نے اپنے ہانپتے ہوئے ڈیڈی ک
بات درمیان میں ہی کاٹ دی اور کہا۔ "لیکن اب میرا فیصلہ سن کر آپ کو کیا لگ ر
ہے؟"

"اب تو ایسا لگ رہا ہے کہ تمہیں ایک تھپڑ دے ماروں۔" مسٹر اینڈرسن نے
جواب دیا۔

"وہ کیوں؟" جولی نے چونک کر پوچھا۔

"یہ خوشخبری سنانے کے لیے تم نے ہمارا اتنا روپیہ خرچ کرا دیا۔" اینڈرسن نے
مسکراتے ہوئے کہا۔ "آسٹریلیا سے یہاں آنے کے بجائے اگر یہ بات تم وہیں بتا دیتیں
تو کیا حرج تھا؟"

"ڈیڈی۔" جولی نے لاڈ سے اپنے ڈیڈی کے سینے پر سر رکھ دیا۔ "آپ لوگوں کو
نیپال تک لانے کی وجہ یہ تھی کہ میں اپنی پسند کا شخص آپ کو یہیں دکھا سکتی تھی۔"

"کیا مطلب؟" اینڈرسن آگے چلتے چلتے رک گئے۔ "مطلب یہ کہ وہ شخص
نیپالی ہے۔"

"ہوں۔" اینڈرسن کا چہرہ ایک دم بدل گیا۔ پھر بڑی مشکل سے انہوں نے اپنی
سانسوں کو قابو میں کرتے ہوئے کہا۔ "تو کیا تم کسی نیپالی شخص سے۔"

"ہاں ڈیڈی۔" جولی نے جلدی سے کہا۔ "دو سال قبل جب میں اپنی سہیلیوں
کے ساتھ یہاں آئی تھی تو میرے دل میں اس کے لیے جگہ پیدا ہو گئی تھی۔ پھر دو
سال تک محبت کا یہ جذبہ میرے دل میں پروان چڑھتا گیا' لیکن آخری فیصلہ کرنے سے
پہلے آپ کی رائے جاننا بھی مجھے ضروری لگا۔"

جولی نے "آپ کی اجازت" کے بجائے "آپ کی رائے" جیسے الفاظ استعمال

کیے تھے اور یہ بات مسٹر اینڈرسن نے خاص طور پر نوٹ کی تھی۔ شاید اس لیے وہ
جولی کی پسند کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ لیکن انہوں نے بڑی ہوشیاری سے
اپنے تجسس کو اپنے سینے میں ہی دبا لیا اور کہا "تو اب سمجھا کہ کل شام تم ہم لوگوں
سے الگ ہو کر کہاں گئی تھیں؟ اور یکایک تمہیں ساڑھی پہننے کا جنون کیوں ہو گیا
تھا؟"

وہ دونوں باتیں کرتے کرتے ہوٹل کی جانب واپس آنے لگے تھے۔ اس بات کا
انہیں خیال ہی نہیں رہا۔ تھوڑی دیر تک دونوں خاموشی سے چلتے رہے' پھر اینڈرسن
نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بیٹی اب یہ بتاؤ کہ تم نے یہاں کے پرنس کو تو اپنا دیوانہ نہیں بنا
لیا؟"

اپنے ڈیڈی کے اس انداز پر جولی کو ہنسی آنی چاہیے تھی' لیکن اسے سنجیدہ رہ
کر کہنا پڑا۔ "کیا آپ نے نیپال کے پرنس کو دیکھا ہے ڈیڈی؟"

"ارے مجھے تو اس کے نام کا بھی علم نہیں ہے؟"

اینڈرسن نے کہا۔ "میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کنوارا ہے یا شادی شدہ ہے!
اور نہ ہی میں نے اسے کبھی دیکھا ہے۔"

"لیکن میں نے جسے پسند کیا ہے اسے تو آپ نے دیکھا ہے ڈیڈی۔" جولی نے
کہا۔

"کون؟" اینڈرسن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"پچھلے تین دنوں سے جو ہمارے ساتھ گھومتا ہے۔" جولی نے کہا اور چند لمحے
رک کر بولی۔ "ہمارا گائیڈ ہے وہ--- وجے کمار۔"

"وجے کمار؟" اینڈرسن کے قدم ایک جھٹکے سے رک گئے اور وہ ترچھی نظروں
سے جولی کی طرف دیکھنے لگے۔ سورج کی کرنوں میں اب جولی کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔
تھوڑی دیر بعد انہوں نے پوچھا۔ "کیا تم واقعی وجے کمار گائیڈ کے بارے میں ہی کہہ
رہی ہو؟"

جولی سانس روکے کھڑی تھی اس نے خوداعتمادی سے گردن ہلا دی۔ "ہاں
ڈیڈی۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مسٹر اینڈرسن نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹا دیں اور اپنے قدم آگے بڑھا دیے۔ جولی بھی چپ چاپ چلنے لگی اسے اس بات کا اندازہ تو تھا کہ اسے اپنی پہلی کوشش میں ہی کامیابی نہیں مل جائے گی' اور نہ ہی اس کے ڈیڈی اس معاملے میں جلد ہی اپنی کوئی رائے دیں گے' لیکن اسے امید تھی کہ اس کے ڈیڈی اس کے جذبات کو سمجھنے کی پوری کوشش ضرور کریں گے' اور اسے خود بھی ڈیڈی کو سمجھانے اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کرنا پڑے گی۔

"ہوٹل کو جانے والے راستے پر وہ دونوں آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور جولی اپنے ڈیڈی کو وجے کمار کے بارے میں بتا رہی تھی۔ "وہ ایک گائیڈ ہے تو کیا ہوا؟ لیکن وہ راج پروہت کا بیٹا ہے۔ اس کے گھر میں غربت اور فاقے نہیں ہیں۔ اس نے اپنے مذہب کو اپنے من کی گہرائیوں میں اتار رکھا ہے۔ اس کی نظر میں عورت کا مقام بہت اونچا ہے۔ ایسے آدمی کو پسند کر کے میں کیا بھول کر رہی ہوں ڈیڈی؟ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ اس کی چمڑی گوری نہیں ہے۔ اس کا لباس ہم جیسا نہیں ہے اور اس کا رہن سہن بھی ہم سے بہت مختلف ہے۔ اس کے علاوہ اس کا مذہب اور اس کی زبان بھی ہم سے مختلف ہے' لیکن کیا اس کے باوجود بھی وہ ہماری طرح آدمی نہیں ہے؟"

جولی کی یہ ساری باتیں خاموشی سے سننے کے بعد اینڈرسن نے ایک گہرا سانس لیا اور آخر کار پوچھ ہی بیٹھے۔ "تب تو پھر تم نے اس سے پوچھ ہی لیا ہو گا کہ وہ اپنا یہ ملک چھوڑ کر ہمارے ساتھ----"

"نہیں ڈیڈی--- نہیں۔" جولی نے پھر انہیں درمیان میں روک دیا۔ "اسے اپنا ملک چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود اپنا ملک اور اپنا مذہب چھوڑ کر اس کی طرح ہو جانا چاہتی ہوں۔"

جولی کی یہ بات سن کر اینڈرسن ایک بار پھر چونک پڑے۔ انہوں نے جولی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' لیکن جب ہوٹل بالکل نزدیک آ گیا تو پھر انہیں کہنا پڑا۔ "ٹھیک ہے اگر تم دونوں نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو----"

"نہیں ڈیڈی۔ یہ فیصلہ تو میں نے اکیلے اپنے دل میں کیا ہے۔" جولی نے پھ

اپنے ڈیڈی کو چونکاتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو وجے کو بھی میرے اس فیصلے کی خبر نہیں ہے۔"

اینڈرسن بوکھلائی ہوئی نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھتے رہے اور جولی نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "میرا خیال ہے ڈیڈی یہ باتیں آپ کو بڑی عجیب سی لگ رہی ہوں گی۔ لیکن وجے سے یہ ساری باتیں کہنے کے لیے مجھے آپ کی اور ممی کی ضرورت تو پڑے گی ہی۔"

"اور فرض کرو کہ وہ اس بات کو نامنظور کر دے تو؟" اینڈرسن نے پوچھا۔

"تو---؟" جولی کے ہونٹ ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے سے جڑ گئے۔ شاید اس نے یہ بات سوچی ہی نہیں تھی کہ اگر وجے نے انکار کر دیا تو وہ کیا کرے گی؟ آخر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بڑے ہی مدھم لہجے میں بولی۔ "ڈیڈی اگر ایسا ہو گیا تو پھر مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کروں گی؟"

بیٹی کی آواز میں وہ پہلے جیسا جوش و خروش نہ پا کر مسٹر اینڈرسن کا دل ایک پل کے لیے کانپ گیا۔ وہ جانتے تھے کہ اس عمر کی تمام لڑکیوں میں ان کی بیٹی جولی بہت زیادہ حساس ہے اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر بیٹھے کیوں نہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے؟

یہ ساری باتیں دل ہی دل میں سوچنے کے بعد انہوں نے کہا "آؤ بیٹی ہم نیچے ریستوران میں ہی گرم گرم چائے پی لیں۔"

جولی نے یکایک رک کر اپنے ڈیڈی کی طرف دیکھا اور پھر چپ چاپ ان کے ساتھ چل پڑی۔

○

وجے کے لیے چائے لے کر اس کی سوتیلی ماں اندرانی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو وجے بھگوان کی پوجا پاٹ سے فارغ ہو رہا تھا۔

"ماں جی آپ؟" وہ یکایک چونک پڑا۔

"آج چائے دینے خود ہی آ گئی۔" اندرانی نے کہا۔ "روزانہ تو مان سنگھ ہی آتا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا' لیکن میں نے آج اسے کسی کام سے بھیج دیا ہے کیونکہ اگر سوتیلے بیٹے کو زہر دینا ہو تو سوتیلی ماں کو خود ہی آنا پڑتا ہے نا؟"

وجے نے چونک کر پہلے چائے کی پیالی کی طرف اور پھر اپنی سوتیلی ماں کی جانب دیکھا' لیکن اسے اپنی نئی ماں کے چہرے پر مذاق کے تاثرات دکھائی نہیں دیے۔ خوب صورت چہرے والے لوگ جب کڑوی کسیلی باتیں کرتے ہیں تو سننے والوں کو بہت خراب لگتا ہے۔

وجے نے سوتیلی ماں کے طنز کو نظر انداز کر کے اسے مذاق میں بدلنے کی کوشش کی اور چائے کی پیالی اٹھا کر دو چار گھونٹ پی گیا پھر مسکرا کر بولا۔ "واقعی اگر چائے میں زہر ملایا گیا ہے تو بھی اس وقت یہ زہر بڑا میٹھا لگ رہا ہے۔"

لیکن اس کے باوجود اندرانی کے چہرے کی تنی ہوئی شکنیں ڈھیلی نہیں ہوئیں۔ وہ اپنی تیز اور دھار دار آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "میں نے زہر چائے میں نہیں ملایا تھا۔ زہر تو میں تمہیں چائے کے اوپر جمی ہوئی بالائی کی طرح دوں گی۔"

وجے اس کی سنجیدگی دیکھ کر سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ زیادہ ہی گھمبیر دکھائی دے رہا ہے' اور آج اس کی سوتیلی ماں کسی انجام کی پرواہ کیے بغیر فوراً ہی کچھ نہ کچھ کرنے آئی ہے۔ اس خیال کے ذہن میں آتے ہی اس نے پیالی میں بچی ہوئی ساری چائے ایک ساتھ حلق میں انڈیل لی اور بولا۔ "کہئے۔ مگر پہلے آپ بیٹھ جائیں۔"

"نہیں۔" اگر کسی کو چوٹ مارنی ہو تو کھڑے کھڑے وار کرنے میں زیادہ آسانی ہوتی ہے۔"

اندرانی کا یہ انداز دیکھ کر وجے سوچنے لگا کہ یہ کتنی بے رحم عورت ہے؟ اس کا دل کانپ اٹھا۔ کیا یہ عورت اس کی ماں کا روپ دھار کر اس کے پچھلے جنم کا کوئی بدلہ لینے آئی ہے؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اسی لیے وہ سر جھکا کر بولا۔ "وار کرنا ہے تو جلدی سے کر ڈالیے ماں جی میں نے اپنی گردن جھکا دی ہے۔"

"یہ کہہ کر تم گویا میرا حکم ماننے کا وعدہ کر رہے ہو؟" اندرانی نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

"اب آپ مجھ پر اپنا رحم نہ کریں۔"

اندرانی نے یہ سن کر ایک گہرا سانس چھوڑا اور پھر تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولی۔ "تمہارا باپ اگر راجاد شرتھ ہوتا تو اس کی بیوی کی طرح میں بھی اس سے وہی مانگتی جو اس نے اپنے بیٹے کے لیے مانگا تھا۔"

یہ سن کر وجے نے سر اٹھایا اور اپنی سوتیلی ماں کے اداس چہرے پر نظر ڈالی اور پھر بولا۔ "میں سمجھ گیا ماں۔ رانی کیکئی کی طرح تم بھی یہی مانگ رہی ہو یعنی اپنے بیٹے کپیل کے لیے گدی اور میرے لیے بن باس۔"

"بہت جلدی سمجھ گئے میرے بیٹے۔" اندرانی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن کپیل کے لیے راج پروہت بننے کا راستہ تم صاف کر کے بن باس چلے جاؤ اور راجاد شرتھ کی طرح تمہارے بابا بھی تمہارے جانے کے بعد دنیا کو چھوڑ دیں ایسا انجام مجھے نہیں چاہیے۔"

"ایسا انجام تو میں خود بھی نہیں چاہتا ماں۔" وجے نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے اس کے لیے تمہیں ہی کوئی ترکیب ڈھونڈنی پڑے گی۔"

"یہ ترکیب تو تمہارے باپ نے کل ہی تمہیں بتا دی ہے۔" اندرانی اپنے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ لا کر بولی۔ "یعنی اگر تم بنارس والی لڑکی کارشتہ قبول کر لو تو تمہارا باپ تمہارے سکھ کی خاطر تمہاری جدائی برداشت کر لے گا۔"

"تو کیا آپ؟" وجے کے ہونٹ کچھ اور کہنے کے لیے کانپتے رہے۔

"ہاں وجے کل رات تم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو میں نے دروازے کے پیچھے چھپ کر سن لی تھی۔" اندرانی کی آواز میں اس غیر اخلاقی حرکت کے لیے شرمندگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر وجے کو ہنسی آ گئی اور وہ بولا۔ "تو کیا ماں واقعی آپ کو ایسا لگتا ہے کہ پتا جی کے بعد راج پروہت کی گدی پر اگر کپیل بیٹھے گا تو میں اس کے آڑے آؤں گا۔"

"شاید تم ایسا نہ بھی کرو۔" اندرانی نے کہا۔ "مگر تمہارا پتا اس کے آڑے ضرور آئے گا۔" اندرانی نے یہ بات کچھ اس طرح کہی کہ جیسے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہو۔ "اگر تمہیں ماں کی بھلائی عزیز ہے تو تمہیں میرے لیے کچھ کرنا ہو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گا۔"

"کیا مطلب؟"

"یہی کہ تمہیں پندرہ روز کے اندر اس کا فیصلہ کر لینا ہو گا۔"

"پندرہ روز---؟" وجے کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا سب کچھ چھوڑ کر چلے جانا اور وہ بھی کسی کے لیے؟ باپ کے لیے؟ سوتیلی ماں کے لیے؟ یا سوتیلے بھائی کے لیے؟

وجے کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہو گئیں' مگر اندرانی اپنا فیصلہ سنا کر واپسی کے لیے مڑ چکی تھی اس نے وجے کے آنسوؤں کی جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی' پھر اس سے پہلے کہ اندرانی کمرے سے باہر نکل جاتی' اندرانی کی پیٹھ سے وجے کی بھرائی ہوئی آواز ٹکرا گئی۔ "ماں میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو تم چاہو گی وہی ہو گا--- بس---"

اندرانی نے گردن گھما کر صرف ایک لمحے کے لیے ہی اس کی طرف دیکھا اور پھر فخر سے سینہ تان کر اس طرح کمرے سے نکل گئی جیسے کوئی بڑا مقابلہ جیت کر آ رہی ہو۔

○

"یہ ہے تلجا بھوانی دیوی کا مندر۔ ہمارے نیپالی شاہی خاندان کا یہ مندر 1549ء میں ملنوس خاندان کے مہاراجا مہندر نے تعمیر کرایا تھا۔" کھٹمنڈو کے دربار چوک میں واقع لکڑی کی بنی ہوئی ایک اونچی عمارت کی جانب اشارہ کر کے وجے اپنے ساتھ آئے ہوئے سیاحوں کو اس کے بارے میں بتاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "آدمی کی پہلی نظر پڑے اور وہ دیکھتا رہ جائے۔ پہلے زمانے کے نیپالی ایسا ہی سوچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے پرانے محلے میں بنے ہوئے مکانات اور مندر وغیرہ لکڑی یعنی کاٹ سے تعمیر کیے گئے تھے۔ جابجا کاٹ کے ان مکانوں اور مندروں کی وجہ سے ہی اس شہر کا نام کٹ منڈو پڑ گیا ہے۔"

وجے کے ساتھ آئے ہوئے سیاح اپنی گردن اٹھا کر تلجا بھوانی دیوی کے مندر کی تانبے کی چھت اور خالص سونے کے اونچے مینار کو دیکھ رہے تھے' اور جولی وجے کے چہرے پر نگاہیں جمائے چپ کھڑی تھی۔ آج صبح چائے پیتے وقت جولی اور اس کے

ڈیڈی مسٹر اینڈرسن نے اس بات کا فیصلہ کیا تھا کہ آج رات کو ہی جولی کو اپنے دل کی بات وجے سے کہہ دینی چاہیے۔ انہوں نے وجے کو رات کے کھانے پر بلا کر اسے ٹٹولنے کا پروگرام بنایا تھا اور پھر اسی درمیان جولی کو تنہائی میں اس کو شادی کے لیے رضامند کرنا تھا۔

"اب چلئے میں آپ لوگوں کو ایک اور عجیب جگہ دکھاتا ہوں۔" وجے نے بھوانی مندر کے سامنے والے ایک چھوٹے سے مکان کی جانب اشارہ کر کے کہا اور پھر جولی بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔

"دنیا بھر کے سیاح اس چھوٹے سے مکان میں داخل ہونے کے بعد جانے کیا کیا محسوس کرنے لگتے ہیں۔" وجے کے ساتھ رہ کر گائیڈ کی تعلیم حاصل کرنے والے اس کے دوست رگھوپتی نے سیاحوں سے کہا۔ "دیکھنے میں تو یہ ایک معمولی سا مکان ہے لیکن اس کا درجہ ایک مندر کا سا ہے کیونکہ اس میں ایک دیوی رہتی ہے زندہ دیوی۔"

"زندہ دیوی کا نام سنتے ہی سب لوگوں کی نگاہیں لکڑی کے اس مکان پر جم گئیں اور ان کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سب کھڑکی نما ایک چھوٹے سے دروازے میں سر جھکا کر داخل ہو گئے۔

جولی اس سے قبل بھی دور سے اس گھر کو دوبار دیکھ چکی تھی' لیکن وہ ایک بار پھر وجے کی زبان سے اس زندہ دیوی کے بارے میں کچھ سننے کے لیے بے تاب ہو گئی تھی۔ اسے افسوس صرف اس بات کا تھا کہ وہ دیگر ہندو مسافروں کی طرح اوپر جا کر اس زندہ دیوی کے درشن نہیں کر سکتی تھی۔

لکڑی کے اس دو منزلہ مکان کے آنگن میں سب لوگ داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ادھیڑ عمر کے دس بارہ جاپانی سیاح جن میں عورتیں بھی تھیں۔ گردنیں اٹھائے اوپر کی جانب ایک کھلی ہوئی کھڑکی پر نظر جمائے کھڑے تھے' اور ایک نیپالی گائیڈ ٹوٹی پھوٹی جاپانی زبان میں انہیں معلومات فراہم کر رہا تھا۔ جاپانی سیاحوں نے اپنے اپنے کیمرے اور فلیش گن تیار رکھے تھے' کیونکہ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں زندہ دیوی اس کھڑکی میں آ کر لوگوں کو درشن دے گی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اس مکان میں رہنے والی ایک سات سالہ بچی ہم سب کی "کنواری دیوی ہے"
وجے نے اپنے مخصوص لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "برسہابرس سے یہ رسم چلی آ رہی ہے کہ اونچی ذات کی ایک بچی کو دیوی بنا کر اس مکان میں رکھا جاتا ہے۔ اسے دیوی منتخب ہونے کے لیے بڑے کڑے امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے جس کا ظاہر اور باطن خوبصورت ہو' جس کے چہرے پر فرشتوں جیسی پاکیزگی اور معصومیت ہو' اور جس کے جسم پر کسی قسم کا کوئی داغ یا کوئی نشان نہ ہو اور جس کا دل کمزور نہ ہو' اس بچی کو ہی دیوی منتخب کیا جاتا ہے۔"

"ابھی وجے نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ جاپانی سیاحوں نے بھی اس کی بات سننے کے لیے آہستہ آہستہ اس کے قریب آنا شروع کر دیا۔ وجے کی باتوں کا اتنا اچھا اثر دیکھ کر جولی دل ہی دل میں خوش ہو گئی۔

"اس رسم کے پیچھے کی کہانی کچھ اس طرح ہے کہ کئی پشت پہلے ایک راجا پر ہماری بھوانی دیوی کی بڑی مہربانی تھی۔ ہر مشکل وقت میں دیوی کی جانب سے راجا کو اشارہ ملتا اور اس کی ہر مشکل آسان ہو جاتی' لیکن ایک بار ایک مسئلے نے راجا کو بڑی الجھن میں مبتلا کر رکھا تھا۔ جس کو سلجھانے کے لیے خود بھوانی دیوی کو روپ بدل کر راجا کی آرام گاہ میں آنا پڑا تھا۔ راجا کی آرام گاہ کے باہر سخت پہرہ تھا اور ان پہرے داروں کی موجودگی میں اگر کوئی اس کی آرام گاہ میں داخل ہو جائے تو یقیناً یہ بڑی حیرت کی ہی بات تھی۔ راجا کو یقین ہو گیا کہ یہ بھوانی دیوی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اس کا خیال آتے ہی وہ بھوانی دیوی کے پیروں میں گر گیا اور تب اس کی سماعت سے بھوانی دیوی کی آواز ٹکرا گئی۔ "راجا اب آئندہ کبھی تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے تو میں اسی طرح روپ بدل کر تمہارے پاس آؤں گی' لیکن اس کے لیے تمہیں میری دو شرطوں پر عمل کرنا ہو گا۔ پہلی تو یہ کہ میں تمہارے سامنے ظاہر ہوتی ہوں یہ بات تم کسی کو نہیں بتاؤ گے۔ تم شطرنج کی بساط بچھا کر بیٹھو گے اور میں کھیل کھیل میں ہی تمہیں تمہارے مسئلے کا حل بتا دیا کروں گی لیکن ہم دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل رہے گا تاکہ تم آئندہ کبھی میرا چہرہ نہ دیکھ سکو۔"

"اس طرح یہ سلسلہ کافی عرصے تک جاری رہا' مگر ایک بار راجا دیوی کو دیکھنے

کے لیے پاگل ہو گیا اور اس نے یان کا پردہ ہٹا دیا' اور تب بھوانی دیوی کے بدصورت چہرے پر نظر پڑتے ہی راجا کے دل میں ایک پل کے لیے عقیدت کے بجائے نفرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی' اور پھر دوسرے ہی لمحے دیوی اس کی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گئی۔ اس کے بعد راجا نے روٹھی ہوئی دیوی کو منانے کی بہت کوشش کی اور سچے دل سے اپنے گناہ کی معافی مانگی تب دیوی نے اسے معاف کر دیا اور کہا کہ تمہارے بعد بھی تخت پر بیٹھنے والے راجاؤں کو یہ جرات نہیں ہو گی کہ وہ دیوی کو دیکھنے کی ہمت کر کے اس کی پاکیزگی کو میلا کریں۔ اس لیے اب میں جوانی کی بجائے ایک بچی کے روپ میں تمہارے اور تمہارے بعد آنے والے راجاؤں کے سامنے آؤں گی اور مجھے زندہ اپنے سامنے دیکھنے کے لیے تمہیں کوئی معصوم کنواری بچی کو تلاش کرنا ہو گا اور اسے دیوی سمجھ کر پوجنا ہو گا۔"

بھوانی دیوی کے اس فیصلے کے بعد سے ہی ہمارے مذہب میں یہ سلسلہ چل پڑا ہے اور ہر سال نیپال کا راجا ایک بار خود یہاں چل کر آتا ہے اور کنواری دیوی کی پوجا کرنے کے بعد اس کا آشیرواد لے جاتا ہے۔" اتنا کہہ کر وجے سانس لینے کے لیے رکا ہی تھا کہ سیاحوں میں سے ایک بوڑھے جاپانی سیاح نے پوچھا۔ "تمہاری یہ کنواری دیوی کیا کوئی معجزہ بھی دکھا سکتی ہے؟"

کنواری دیوی کی طاقت بھوانی دیوی جتنی نہیں ہے۔ ہم اسے بھوانی دیوی کے بچپن کا روپ سمجھ کر پوجتے ہیں اور اس کا یہ معجزہ ہی کیا کم ہے کہ کسی آدمی کے آگے نہ جھکنے والے نیپال کے راجا اس کنواری دیوی کی پوجا کرتے ہیں اور اس کے آگے سر جھکاتے ہیں؟"

"پھر تو آپ ہمیں یہ بھی بتائیں کہ اس زندہ دیوی کا انتخاب کیسے کیا جاتا ہے؟" ایک دوسرے سیاح نے پوچھا۔ تو وجے نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دھیرے سے بولا۔ "وہ بھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے گردن اٹھا کر کھلی ہوئی کھڑکی کی جانب دیکھا لیکن جب وہاں کسی کا چہرہ نظر نہیں آیا تو آگے کہنا شروع کیا۔ "ابھی جو کنواری دیوی کہلاتی ہے اس کا بچپن جب گزرنے لگے گا اور جب اس کے جسم میں جوانی کے آثار نمایاں ہونے لگیں گے تو اس سے پہلے ہی نئی دیوی کی تلاش شروع ہو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جائے گی۔ اونچی ذات کے بہت سارے والدین کی جانب سے پیش کش آنا شروع ہو جائیں گی اور تب دیوی کی امیدوار بچیوں کو خوب اچھی طرح جانچا اور پرکھا جائے گا۔ اس کی جنم پتری دیکھی جائے گی اور پھر سینکڑوں میں سے دو چار بچیوں کو آخری انتخاب کے لیے رکھ لیا جائے گا اور یہ آخری امتحان کبھی کبھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"

وجے نے رک کر ایک بار پھر اوپر کی کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر آگے بولا۔ "ہمارے یہاں سال میں ایک بار دیوی دیوتاؤں کے سامنے جانوروں کا خون بہایا جاتا ہے اور اس دن ان بچیوں کو مندر میں موجود رکھ کر ان کے سامنے بھینسوں کو گرا کر ان کی گردن کاٹی جاتی ہے۔ ایک کے بعد دوسرے بھینسے کو گرایا جاتا ہے اور ان کی گردنوں سے خون کے فوارے اڑتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بھینسوں کی گردنیں دھڑ سے الگ ہو جاتی ہیں اور ان کے دھڑ تڑپنے لگتے ہیں۔ ان بچیوں کو جان بوجھ کر یہ خوفناک منظر دکھایا جاتا ہے تاکہ ان کے دل کی مضبوطی کا اندازہ لگایا جا سکے۔"

"بس بس اب اس خون خرابے کی بات چھوڑو۔" ایک سیاح نے کہا۔ "آگے بتاؤ۔"

"بتاتا ہوں جناب۔" وجے نے مسکرا کر کہا۔ "بچیاں اس کڑے امتحان سے گزرتی ہیں کہ اس کے ساتھ دوسرے امتحان سے انہیں گزرنا پڑتا ہے یعنی اسی رات ان تمام بچیوں کو مندر کے الگ الگ کمروں میں تنہا بند کر دیا جاتا ہے۔ پھر جب رات گہری ہو جاتی ہے تو بہت سارے لوگ ان کے کمروں کے باہر کھڑے ہو کر طرح طرح کی بھیانک آوازیں اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ یہ آوازیں اس قدر ڈراؤنی ہوتی ہیں کہ سخت سے سخت دل رکھنے والا شخص بھی دہل جائے۔ لیکن ان خوفناک چیخوں سے بھی جو بچی خوفزدہ نہ ہو جس کے منہ سے آواز تک نہ نکلے اور جسے مارے ڈر کے بخار نہ چڑھے اس بچی کو دیوی کے لیے منتخب کر لیا جاتا ہے۔

وجے نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ہر شخص کی آنکھیں کھڑکی کی جانب اٹھ گئیں پھر اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی وجے سے سوال کرتا یکایک ہی کھڑکی میں ایک

چہرہ نمودار ہوا۔ تمام سیاحوں کی گردنیں ایک جھٹکے سے اوپر کی طرف اٹھی رہ گئیں' مگر ان سب کی آنکھیں حیرت سے پھیلی جا رہی تھیں کیونکہ کھڑکی میں جو چہرہ نظر آ رہا تھا وہ ایک بوڑھی عورت کا چہرہ تھا جس کی عمر اسی سال سے کم نہیں ہو گی۔ اس بڑھیا نے وجے کو اس کا نام لے کر پکارا اور پھر نیپالی زبان میں اس سے کچھ کہا۔

"ماں جی یہ کہہ رہی ہیں کہ تھوڑی دیر میں ہی کنواری دیوی کھڑکی میں آ کر سب کو درشن دے گی۔"

"یہ بڑھیا دیوی کی دادی لگتی ہے۔" ایک سیاح نے کہا تو وجے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "نہیں یہ تو دیوی کو پالنے والی عورت ہے کوئی بچی اگر ایک بار کنواری دیوی کے لیے منتخب ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنے خاندان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس کے ماں باپ کو راجا کی طرف سے نزدیک ہی کوئی مکان رہنے کے لیے دے دیا جاتا ہے اور ان کے کھانے پینے کا سارا خرچ راجا کی طرف سے ملتا ہے۔ دیوی کے ماں باپ یا کوئی اور بزرگ اس سے ملنے کے لیے آتے ہیں تو انہیں بھی دیوی کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔"

ابھی وجے نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک کھڑکی میں ایک بچی کا چہرہ دیکھ کر تمام سیاح پھر اس جانب متوجہ ہو گئے اور دیوی کو دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

ایک جاپانی سیاح نے دوسرے سے کہا۔ "کتنی کم سن بچی ہے اگر یہ راستے میں جا رہی ہو تو کوئی اسے ایک نظر بھی نہیں دیکھے گا۔"

دیوی کو دیکھنے کے بعد بہت سے سیاحوں کا خیال تھا کہ دیوی کی شکل و صورت سے زیادہ خوبصورت تو وہ کہانی تھی جو وجے نے انہیں سنائی تھی۔ کسی کو دیوی کے چہرے کی معصومیت نے متاثر کیا اور کوئی اس کی معصومیت دیکھ کر یہ کہنے لگا۔ "اتنی چھوٹی عمر میں بے چاری کو دیوی بنا کر لوگوں نے اس کا بچپن اس سے چھین لیا ہے۔"

"چلئے اب میں آپ سب کو اوپر لے جاؤں۔" یکایک وجے نے اپنے ساتھ آئے ہوئے سیاحوں سے کہا۔ "آپ لوگ نذرانے کے طور پر جتنی رقم چاہیں دے سکتے ہیں' اور اگر آپ چاہیں تو دیوی کے چرن بھی چھو سکتے ہیں اور اگر دیوی سے آپ کو کوئی سوال پوچھنا ہو تو وہ سوال آپ بوڑھی ماں جی کی معرفت پوچھ سکتے ہیں۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"چلتے چلتے نزدیک سے دیوی کے درشن تو کر لیں۔" سیاحوں نے ایک دوسرے سے کہا اور جلدی جلدی وجے کے پیچھے چلنے لگے۔ سیڑھی چڑھنے سے پہلے سب لوگ اپنے اپنے جوتے اور چپلیں اتارنے کے لیے ٹھہر گئے' اور ٹھیک اسی وقت وجے کو جولی کا خیال آ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو جولی وہیں کی وہیں کھڑی تھی اس کی آنکھوں میں مجبوری کے سائے مچل رہے تھے۔ وجے کو لگا جیسے جولی کی مجبور آنکھیں اس سے کہہ رہی ہوں۔ "فکر مت کرو کل جس طرح میں مندر میں گھس گئی تھی اس طرح کی کوئی حرکت آج نہیں کروں گی۔"

"جولی۔" اوپر چڑھنے سے قبل وجے اس کے قریب جا کر دھیرے سے بولا۔ "تم یہیں رہنا رگھوپتی بھی تمہارے ساتھ ہے۔"

جولی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ان جاپانی سیاحوں کو دیکھ رہی تھی جو اپنے اپنے کیمروں سے کنواری دیوی کی تصویریں اتارنے میں مصروف تھے' مگر کنواری دیوی زیادہ دیر کھڑکی پر نہیں ٹھہری۔ جب وہ کھڑکی سے ہٹ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو کئی نیپالی لڑکے دوڑتے ہوئے آ گئے اور جاپانی سیاحوں کے ہاتھ کنواری دیوی کی تصویریں فروخت کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ سب سیاحوں کو سمجھاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "صاحب آپ لوگوں نے دیوی کی جو تصویریں اتاری ہیں وہ روزمرہ کے چالو لباس میں ہیں جبکہ ہماری تصویریں اس موقع کی ہیں جب سال میں ایک بار دیوی سچ مچ دیوی کا روپ اختیار کرتی ہے۔"

ایک لڑکے سے دیوی کی ایک تصویر خرید کر ایک جاپانی سیاح سرک کر جولی کے پاس کھڑے ہوئے رگھوپتی کے پاس آ گیا اور بولا۔ "مسٹر کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ کنواری دیوی کیا زندگی بھر کنواری ہی رہتی ہے؟"

"جی نہیں۔" رگھوپتی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اپنے دیوی کا زمانہ گزار لینے کے بعد وہ دوسری عام لڑکیوں کی طرح سکول میں پڑھنے بھی جایا کرتی ہے اور ہمارے راجا اس کا تمام خرچ برداشت کرتے ہیں۔ پڑھ لکھ لینے کے بعد وہ کسی سے بھی شادی کر سکتی ہے۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" کہہ کر وہ جاپانی سیاح سر ہلاتا ہوا اپنے دوسرے ساتھیوں

کے پاس چلا گیا۔ لیکن جولی کے دل میں ایک سوال مچلنے لگا۔ یہ [illegible] پہلے وجے سے پوچھنا بھول گئی تھی' مگر اب اس نے رگھوپتی سے پوچھ لیا۔ "رگھوپتی ماضی میں دیوی کی حیثیت سے عزت اور شہرت حاصل کرنے والی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے تمہارے یہ نیپالی لوگ تو ٹوٹ پڑتے ہوں گے نا؟"

اس کا یہ سوال سن کر رگھوپتی ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ "نہیں مس جولی ایسی بات نہیں ہے اچھے گھرانوں کے لڑکے اس سے شادی کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔"

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟" جولی نے حیرت سے پوچھا۔

"انہیں اپنی موت کا ڈر ہوتا ہے۔" رگھوپتی نے جولی کو چونکاتے ہوئے کہا۔ "پہلے ہمارے مذہب میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جو لڑکی ایک بار بچپن میں کنواری رہ چکی ہو اس کے ساتھ اگر کوئی مرد محبت کرے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔"

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" جولی نے پوچھا۔ "کیا ایسا کوئی واقعہ ہوا ہے؟"

"نہیں بار بار ایسا تو نہیں ہوا ہے۔" رگھوپتی بولا۔ "لیکن ایک دو بار ایسا ہو چکا ہے۔ میری چچی کی عمر اس وقت پینسٹھ سال ہے لیکن جب وہ صرف پانچ سال کی تھی تو یہاں کی کنواری دیوی رہ چکی تھی۔ میرے چچا سے جب اس کی شادی ہوئی تو دوسری صبح کو ہی میرے چچا کی موت واقع ہو گئی تھی۔"

"سچ؟" جولی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ "تمہارے سگے چچا؟"

"ہاں۔"

جولی نے آگے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ گردن اٹھا کر اس مکان کی کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے وجے کا چہرہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ یکایک وہ اس طرف دیکھتی ہوئی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑانے لگی۔ "یہ آج وجے اس قدر اداس کیوں ہے؟"

"اداس؟" رگھوپتی چونک پڑا۔ وہ جولی کی طرف دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ یہ غیر ملکی لڑکی اس کے دوست وجے میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگی ہے۔ وہ اس سے کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ اچانک اس کی سماعت سے وجے کی آواز ٹکرا گئی۔ "کیوں رگھوپتی کیا ہو رہا ہے؟ لگتا ہے تم نے ابھی سے اپنے جوئے خانے کا پرچار شروع کر دیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

جولی نے پلٹ کر دیکھا وجے ان کے قریب آ گیا تھا۔ اس کی پیشانی پر سرخ رنگ کا ایک ٹیکہ لگا ہوا تھا۔ جو شاید کنواری دیوی نے اس کے ماتھے پر لگا دیا تھا۔ وجے کا چہرہ اس ٹیکے میں بڑا دلکش دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ رگھوپتی کوئی جواب دیتا وہ خود ہی بول پڑی۔ "ہاں ہم دونوں جوئے خانے کی ہی بات کر رہے تھے اور ہم دونوں نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ رات کھانے کے بعد تمہیں بھی کھینچ کر جوئے خانے میں لے جائیں گے۔"

یہ سن کر وجے مسکرایا اور بولا۔ "شاید تمہیں نہیں معلوم جولی کہ یہاں کے جوئے خانوں میں مقامی لوگوں کو جوا کھیلنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"کھیلنے کی اجازت نہیں ہے لیکن جوئے خانے کے اندر جانے کی اجازت تو ہے نا؟" رگھوپتی نے جولی کی وکالت کرتے ہوئے کہا تو اس کی بات سن کر وجے کو یقین ہو گیا کہ واقعی ان دونوں نے مل کر اس کے خلاف سازش کی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے تمام سیاحوں کو باہر کھڑے ہوئے ہوٹل کی ویگن میں بیٹھا دیا اور پھر رگھوپتی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "موٹر سائیکل کی چابی مجھے دے دو میں آج بھی تمہاری موٹر سائیکل لے جاؤں گا۔"

لیکن رگھوپتی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی جولی بول اٹھی۔ "کیا بھول گئے وجے؟ آج تو تمہیں ہم لوگوں کے ساتھ ڈنر کرنا ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔" کہہ کر وجے نے رگھوپتی کے ہاتھ سے موٹر سائیکل کی چابی لے لی اور جولی سے بولا۔ "پشپتی ناتھ کے مندر سے ہو کر میں کھانے کے لیے سیدھا ہوٹل آ جاؤں گا۔"

جولی کہنا چاہتی تھی کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں' لیکن وجے کی آنکھوں میں اچانک چھا جانے والی اداسی کو دیکھ کر وہ چپ ہو گئی۔

کھٹمنڈو کے بازار سے گزرتے وقت ویگن میں رگھوپتی کے ساتھ بیٹھی ہوئی جولی تھوڑی دیر کے لیے گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وجے آج کچھ اچھے موڈ میں نہیں ہے اس لیے اسے شادی کی بات نہیں چھیڑنی چاہیے۔ لیکن یکایک ہی

ایک خیال تیزی سے اس کے ذہن میں ابھرا اور اس نے رگھوپتی سے پوچھا۔ "رگھوپتی کیا تمہارے ملک میں جوان اور شادی کی لائق لڑکیوں کی کمی ہے؟"

یہ عجیب سا سوال سن کر رگھوپتی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' لیکن جولی کو بدستور سنجیدہ دیکھ کر وہ کچھ نہیں بولا۔ چند لمحوں کے بعد جولی نے پھر کہا۔ "یہ سوال میں تمہارے دوست وجے کو دیکھ کر رہی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ابھی تک کنوارا کیوں ہے؟"

"یوں تو میں خود بھی ابھی تک کنوارا ہوں مس جولی۔" رگھوپتی نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "لیکن میرے اور وجے کے حالات مختلف ہیں۔ وجے نے ابھی تک کسی لڑکی کو پسند نہیں کیا ہے جبکہ میں کسی سے محبت کرنے کے باوجود کنوارا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" جولی نے ایک جھٹکے سے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرنے سے تمہیں روکا گیا ہے؟"

لیکن رگھوپتی کی جانب سے اس سوال کا فوری جواب نہیں ملا۔ اس کی خاموشی جولی کو کھٹک رہی تھی' مگر وہ خاموش رہ کر اس کے جواب کا انتظار کرنے لگی' اور ٹھیک اسی وقت ویگن ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں آ کر رک گئی۔ تمام سیاح اترنے کے لیے اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے ان کے پیچھے وہ دونوں بھی ویگن سے باہر آ گئے۔ جب بھیڑ کم ہو گئی تو جولی نے دھیرے سے پوچھا۔ "رگھوپتی جسے تم نے پسند کیا ہے وہ لڑکی کون ہے؟"

"وہ ہے نہیں---- تھی۔" رگھوپتی کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔ "مس جولی تم اس کے بارے میں تھوڑا بہت جانتی ہو کیونکہ کل ہی وجے نے تم سے روکھی کی بات کی تھی۔"

"تو کیا تم اسی روکھی سے؟"

"ہاں ہم دل ہی دل میں ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔" رگھوپتی نے ایک سرد آہ بھری اور آگے بولا۔ "وجے بھی ہماری اس محبت سے واقف تھا کہ اچانک ایک دن وہ کہیں غائب ہو گئی۔"

یکایک جولی کو وجے کا اداس چہرہ یاد آ گیا۔ کل اس نے اپنی بہن روکھی کا تذکرہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس سے کیا تھا' مگر کل ایک اداس بھائی کا چہرہ اس کے سامنے تھا اور آج جو اداس چہرہ اس کے سامنے تھا وہ روکھی کے محبوب کا چہرہ تھا۔ جولی تھوڑی دیر تک ہمدردانہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر پوچھ بیٹھی۔ "کیا تم ساری زندگی روکھی کی یاد میں بیٹھے رہو گے؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔" رگھوپتی نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔ "لیکن جب تک میں یہ نہیں جان لوں گا کہ روکھی کس کا شکار ہوئی ہے؟ اور جب تک میں اس درندے سے اس کا انتقام نہیں لوں گا اس وقت تک تو کچھ اور نہیں سوچوں گا۔"

اتنا کہہ کر رگھوپتی مڑا اور کاسینو کی جانب چل پڑا۔ جولی اس وقت تک کھڑی اسے دیکھتی رہی جب تک وہ جوئے خانے کے دروازے میں داخل ہو کر اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ اس کے کانوں میں اب بھی رگھوپتی کی آواز گونج رہی تھی۔ "جب تک میں اس درندے سے اس کا انتقام نہیں لے لوں گا اس وقت تک کچھ اور نہیں سوچوں گا۔"

اچانک ٹھنڈی ہوا کے ایک تیز جھونکے نے جولی کو چونکا دیا اور اس نے اپنے جسم میں ایک کپکپاہٹ سی محسوس کی۔ اسے لگا کہ اگر اس نے وجے کو شادی کی پیش کش کی تو کہیں وہ بھی اسے کوئی ایسا ہی جواب نہ دے دے--- اور اگر اس نے بھی ایسا ہی جواب دے دیا تو وہ کیا کرے گی؟"

○

جولی کے خاندان کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد وجے ان سے رخصت ہونے کی تیاری کر رہا تھا' لیکن ان سب لوگوں نے اسے زبردستی یہ کہہ کر روک لیا کہ آج اسے ان لوگوں کے ساتھ کاسینو میں جانا ہو گا۔ وجے ان کی ضد کے آگے مجبور ہو گیا۔ خاص کر کے جولی کے ڈیڈی اینڈرسن نے اس سے کہا تھا۔ "مسٹر وجے میں پچھلی تین راتوں سے مسلسل ہار رہا ہوں۔ اس عرصے میں میری جیب کافی ہلکی ہو چکی ہے اور میرا خیال ہے کہ میں تم جیسے خوش نصیب شخص کے ساتھ مل کر کھیلوں گا تو کم سے کم اپنی ہاری ہوئی رقم ضرور واپس لا سکتا ہوں۔ اس لیے امید ہے

تم میرا خیال کرو گے۔"

وجے سوچنے لگا کہ آج کے دن کی ابتداء کچھ اور ہی ڈھنگ سے ہوئی تھی صبح اس کی سوتیلی ماں نے اس کے پاس آکر اس سے بن باس پر چلے جانے کا عہد لیا تھا' اور شام کے وقت کنواری دیوی کے درشن کرتے وقت اسے چھ سالہ کنواری دیوی کے چہرے میں اپنی گمشدہ بہن کا چہرہ نظر آیا تھا اور اس وقت جولی اور اس کے خاندان والوں کے ساتھ ڈنر کرتے وقت وہ یہ محسوس کر رہا تھا جیسے بہت سارے اجنبی لوگ اس کے اپنے ہوتے جا رہے ہیں اور اب کیا خبر کہ باقی کی یہ رات کس طرح بسر ہو گی؟"

وجے کو رات کے وقت موٹر سائیکل پر ہی گھر واپس جانا تھا' اور اسی لیے وہ گرم شال اوڑھ کر ان کی دعوت پر آیا تھا تاکہ واپسی میں ٹھنڈی ہوا نہ لگ جائے۔ اس لیے جب وہ جولی اور اس کے ڈیڈی وغیرہ کے ساتھ کاسینو میں داخل ہوا تو بھی گرم شال اس کے جسم پر لپٹی ہوئی تھی۔ دروازے کے اندر داخل ہونے کے بعد جب وہ زیر زمین بنے ہوئے جوئے خانے میں جانے کے لیے زینے اترنے لگا تو جولی اس کے برابر آ گئی اور طنزیہ لہجے میں وجے سے بولی۔ "تمہارے مذہب میں تو پاتال کی دنیا کا بھی ذکر ہے تو کیا وہ پاتال کی دنیا کہیں اس کاسینو جیسی تو نہیں ہو گی؟"

جولی کی یہ بات سن کر وجے ہنس پڑا اور بولا۔ "لگتا ہے ہمارے مذہب کا تم نے بہت گہرا مطالعہ کر ڈالا ہے۔"

"ہاں۔" جولی نے کہا دراصل وہ یہ بھی کہنا چاہتی تھی کہ اس کی وجہ بھی تم آج رات کو جان جاؤ گے' لیکن نہ جانے کیوں وہ یہ بات اس سے کہہ نہ سکی۔

وہ زینے اتر کر ایک روشن ہال روم میں آ چکے تھے جہاں ایک جانب ایک بڑے سے کاؤنٹر کے پیچھے دو تین کیشیر بیٹھے ہوئے لوگوں کو رقمیں دے رہے تھے۔ ان کے پیچھے ایک چوٹا سا نوٹس بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا۔ "یہاں صرف بھاری کرنسی میں ہی جوا کھیلا جا سکتا ہے۔"

وجے کو اس بات پر حیرت بھی ہوئی کہ سیاحوں کو جوئے کی لالچ دے کر انہیں لوٹنے کا یہ ایک اچھا طریقہ تھا' مگر ان کاسینو والوں اور نیپال کی حکومت نے اس بات

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا خیال رکھا تھا کہ کوئی بھی نیپالی باشندہ جوئے کی لت میں گرفتار ہو کر اپنی زندگی تباہ نہ کرنے پائے۔

اچانک ہال کی داہنی جانب سے پیتل کی چھوٹی چھوٹی گھنٹیوں جیسی آواز سن کر سب لوگ چونک پڑے وجے نے بھی گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔ وہ ایک وزن بتانے والی مشین جیسی ہی ایک مشین تھی جس کے قریب ایک بارہ تیرہ سال کی لڑکی کھڑی تھی۔ جو مشین کے اندر سے کھنکتے ہوئے سکوں کی بارش دیکھ کر اپنی خوش قسمتی پر مسکرا رہی تھی گھنٹیوں جیسی آواز انہی برستے ہوئے سکوں کی آواز تھی۔ یکایک کہیں سے ایک آواز سنائی دی۔ "لگتا ہے بے بی کا جیک پاٹ لگ گیا۔"

"چلو وجے ہم بھی اسی مشین سے ابتدا کرتے ہیں۔" جولی کاؤنٹر پر سے پلاسٹک کے ٹوکن خرید کر ایک کٹورے میں رکھتی ہوئی بولی۔ "اپنی قسمت آزمانے کے لیے سب سے آسان مشین یہی ہے۔"

"آسان اور مشکل تو نہ کھیلنے والوں کے لیے ایک جیسی ہی ہوتی ہیں۔" وجے کو اس ماحول میں گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔ "میں تو ان سب کھیلوں سے نا آشنا ہوں۔"

اتنی دیر میں جولی کے ڈیڈی اینڈرسن اور انکل مائیکل بھی نوٹوں کے بدلے پلاسٹک ٹوکن خرید کر رولٹ مشین کے پاس آ گئے۔ جولی کے ڈیڈی اینڈرسن "رولٹ" کے شوقین تھے لیکن انکل مائیکل کو تاش کے تین پتوں سے دلچسپی تھی۔ اس لیے وہ اپنی بیوی اور اینڈرسن اپنی بیوی کے ساتھ کاسینو کے اندرونی حصے میں چلے گئے۔ شاید ان لوگوں نے پہلے سے ہی پروگرام بنا رکھا تھا کہ جولی اور وجے کو تھوڑی دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیا جائے۔

جولی پلاسٹک ٹوکن کے بھرے ہوئے کٹورے کے ساتھ اب ایک مشین کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی مجبوراً وجے کو بھی اس کے پیچھے وہاں تک آنا پڑا۔ شاید اس نے اپنے دل کو یہ کہہ کر منا لیا تھا کہ اگر ساتھ دینے کے لیے وہ یہاں تک آ ہی گیا ہے تو اب دور دور رہنا بھی مناسب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی کاسینو کے تماشوں کو اپنی آنکھوں سے ایک بار دیکھ لینا چاہتا تھا۔ ویسے بھی اسے یہاں اب زیادہ

دنوں تک تو رہنا نہیں تھا۔

مشین کے اندر ایک سکہ ڈالنے کے بعد جولی نے وجے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اس شیشے کے اندر مختلف رنگوں کی چرخیاں گھومتی ہیں۔" اتنا کہہ کر اس نے دوسرا سکہ ڈال دیا اور آگے بولی۔ "اگر ان میں سے ایک لائن میں ایک ساتھ تین مختلف نشانوں والی چرخیاں آ گئیں تو یہ مشین سکوں کی بارش کر دے گی۔"

وجے اس مشین کی کارکردگی سے اچھی طرح واقف تھا' لیکن اس کے باوجود وہ انجان بن کر جولی کی باتیں سن رہا تھا۔ جولی کے آس پاس دوسری مشینوں پر پہلے لوگ اپنی اپنی قسمت آزما رہے تھے۔ کسی کی مشین تھوڑے بہت سکے اگل دیتی اور کسی کی مشین کسی دیو کی طرح ان کے سکے ہضم کر جاتی تھی۔ جوا کھیلنے والے یہ لوگ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مشین بدلتے رہتے تھے۔ وجے باری باری ان لوگوں کی حرکات کو دیکھ رہا تھا۔

"وجے ذرا ادھر تو دیکھو۔" اچانک جولی نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتے ہوئے کہا۔ "اب اگر یہاں تیرا ستارہ آ گیا تو پورے تین سو کی بارش برسنے لگے گی۔" کہہ کر اس نے ہینڈل گھمایا تو سچ مچ گھنٹیوں کی آواز اور رنگ برنگی روشنی کی چمک نے سب کو چونکا دیا۔ جولی کی مشین نے سکے اگلنے شروع کر دیے۔ بہت سے لوگ یہ منظر دیکھنے کے لیے وہاں دوڑے آئے' جولی خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ وجے بھی اس کی خوشی میں اس کا شریک تھا۔ کوئی دور کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

"اس لڑکی کو اسپیشل ایوارڈ ملا ہے۔"

مشین نے سکے اگلنے بند کر دیے اور جولی مٹھی بھر کر سکے سمیٹتی ہوئی خوشی سے بول اٹھی۔ "وجے یہ سب تمہاری کمپنی کا پھل ہے۔ واقعی تم ایک لکی آدمی ہو۔"

وجے مسکرا دیا اور بولا۔ "یہ بات مت کہو مس جولی۔ دراصل یہ مشین کسی کی طرف داری نہیں کرتی۔ بہت کچھ لے لینے کے بعد تھوڑا بہت واپس کرنا ہی اس کی چالاکی ہوتی ہے۔"

"اے مسٹر۔" پیچھے اس کی بات سن کر کسی نے کہا۔ "تم ہمارے کاسینو کی ایمانداری پر الزام لگا رہے ہو۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رگھوپتی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"اینڈرسن صاحب نے کہا ہے کہ تم دونوں ہمارے کاسینو کو لوٹنے کی کوشش کر رہے ہو اس لیے میں تم لوگوں کو خوش آمدید اور گڈلک کہنے کے لیے آیا ہوں' لیکن مجھ سے پہلے ہماری اس مشین نے یہ فرض ادا کر دیا ہے۔ تم لوگوں کی یہ بہترین ابتداء دیکھ کر لگتا ہے کہ صبح تک تم دونوں جیتتے رہو گے۔"

"اگر ایسا ہو گیا تو شاید تم لوگ آئندہ مجھے کاسینو میں آنے نہیں دو گے۔" جولی نے ہنستے ہوئے کہا تو رگھوپتی بھی ہنس پڑا پھر بولا۔ "نہیں مس جولی ہم دوبارہ بھی آپ کو آنے دیں گے' لیکن اس آدمی کو ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہو گی۔"

"تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے اس دوست کی وجہ سے جیت رہی ہوں؟"

"میں ہی نہیں آپ خود بھی یہی سمجھ رہی ہیں۔" رگھوپتی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور تب رگھوپتی وجے کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "چلو میں تمہیں اندر لے جاتا ہوں۔ تم چونکہ پہلی بار میرے اڈے پر آئے ہو اس لیے میں نے خاص طور پر مینجر سے آدھے گھنٹے کی چھٹی لی ہے۔ یہاں طرح طرح کے لوگ آتے ہیں انہیں دیکھ کر یقیناً تمہیں بڑا مزا آئے گا۔"

"اس کا مطلب ہے آپ انہیں مجھ سے جدا کر رہے ہیں؟" جولی نے دوسری مشین پر قسمت آزماتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے آپ انہیں لے جائیں مگر میں ان کے بغیر بھی جیتنا جاری رکھوں گی۔ میرا خیال ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا آپ بھی دیکھیے گا۔"

بناوٹی غصے کا اظہار کرتے ہوئے جولی پر ایک نظر ڈالنے کے بعد وجے رگھوپتی کے ساتھ کاسینو کے اندرونی حصے میں چلا گیا' اور وہاں کا منظر دیکھنے کے بعد اسے رگھوپتی کی بات بالکل سچی محسوس ہوئی۔ یہ بڑا سا ہال جواریوں سے بھرا ہوا تھا۔ زیادہ تر لوگ اپنے اپنے کھیل میں پوری طرح مصروف تھے اور کاسینو کے ویٹرز' بیئر' وہسکی اور کولڈ ڈرنک کے گلاس ٹرے میں اٹھائے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ دھندلی دھندلی روشنی میں سگریٹ کے دھوئیں نے اندر کے ماحول کو اور زیادہ دھندلا دھندلا بنا

رکھا تھا۔

"بڑا عجیب ہے انسانوں کا یہ میلہ۔" وجے نے تھوڑی دیر تک چاروں طرف دیکھنے کے بعد کہا۔

"تمہیں کیسا لگ رہا ہے یہ میلہ؟" رگھوپتی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ہر چہرہ دھندلاہٹ کی چادر میں لپٹا ہوا ہے۔" وجے نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "رگھوپتی یہاں آنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ یہاں سے کوئی کوئی آدمی ہی جیت کر جاتا ہے اس کے باوجود گھوم پھر کر یہ لوگ بار بار یہاں کیوں آتے ہیں؟"

"یہ ایک نشہ ہے وجے' ہر آدمی یہی سوچ کر آتا ہے کہ جیتنے والا شخص وہ خود بھی تو ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس کی ہار جیت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے' اور پھر یہ نشہ گہرا ہو جاتا ہے۔" رگھوپتی نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

اتنے میں کاسینو کے ایک کارندے نے آکر رگھوپتی کے کان میں کچھ کہا۔ جسے سن کر رگھوپتی کی آنکھیں سکڑ گئیں پھر تھوڑی دیر بعد وہ اس سے بولا۔ "ٹھیک ہے تھوڑی دیر تک تو چلنے دو پھر میں آکر سنبھال لوں گا۔"

"کیا بات ہے رگھو؟" اس کے کارندے کے جانے کے بعد وجے نے پوچھا۔

"اگر میری وجہ سے تمہاری ڈیوٹی میں کوئی خلل پڑ رہا ہے تو۔۔۔۔"

"نہیں۔۔۔۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اپنے دائیں بائیں نگاہیں ڈالنے کے بعد رگھوپتی نے دھیرے سے کہا۔ "وہ مجھے یہ بتانے آیا تھا کہ دو ایک مقامی آدمی یعنی کہ نیپالی جوا کھیلنے بیٹھ گئے ہیں۔"

"تو اب؟" وجے نے پوچھا۔

"اب کیا تھوڑی دیر بعد میں انہیں پہچان لوں گا' پھر دھیرے سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں باہر چلے جانے کا اشاروں کروں گا' اور وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے چپ چاپ چلے جائیں گے۔" اتنا کہہ کر رگھوپتی ایک لمحے کے لیے رکا پھر آگے بولا۔ "یہاں نیپالی لوگوں کو کھیلنے کی اجازت نہیں ہے' لیکن بینک آفیسروں اور سفارت خانے کے صاحب لوگوں کو اجازت ہے اس لیے صرف نیپالی چہروں کو دیکھ کر انہیں نہیں اٹھانا چاہیے۔ میری ڈیوٹی میں یہ بھی شامل ہے کہ میں ایسے لوگوں کو

پہلے پہچانوں پھر کوئی کارروائی کروں تاکہ کاسینو میں ہنگامہ نہ پھیل جائے۔"

یہ سن کر وجے بے اختیار ہال میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا کہ شاید کوئی ایسا نیپالی شخص نظر آ جائے لیکن اس کے بجائے اسے "رولٹ" مشین پر جولی کے ڈیڈی' ممی اور آنٹی نظر آ گئے' اور فلش کی میز پر انکل مائیکل تین پتوں پر چال چلتے دکھائی دیئے۔ رمی کی میز پر ایک مارواڑی سیٹھ بھی نظر آیا جسے شام کے وقت دوسرے سیاحوں کے ساتھ وہ کنواری دیوی کے درشن کرانے لے گیا تھا' مگر وہ ایک بھی نیپالی چہرہ نہ ڈھونڈ سکا اور تب اس کی ناکام کوشش پر رگھوپتی کو ہنسی آ گئی اور وہ اس سے بڑے دھیمے لہجے میں بولا۔ "وجے ایسے لوگوں کو تمہاری نگاہیں آسانی سے ڈھونڈ نہیں سکتیں۔ کیونکہ چھپ کر کھیلنے والے تو حلیہ بدل کر آتے ہیں آؤ! ہم ذرا آگے چلتے ہیں---"

ہال کی دھندلی دھندلی روشنی میں وجے رگھوپتی کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا آگے سرکنے لگا' پھر اچانک ہی اس نے رگھوپتی کا کندھا دبایا اور "رولٹ مشین" پر داؤ کھیلنے والے ایک ادھیڑ عمر شخص کی جانب اشارہ کر کے دھیرے سے بولا۔ "دیکھو رگھوپتی مجھے تو یہ شخص نیپالی لگتا ہے اس نے اپنا چہرہ مفلر میں چھپا رکھا ہے۔"

رگھوپتی نے اس شخص کی جانب دیکھا تو اسے ہنسی آ گئی اور وہ بولا۔ "تمہارا اندازہ غلط ہے وجے' یہ نیپالی نہیں ہے۔ اس کا چہرہ اور اس کا حلیہ دیکھ کر تم یقین نہیں کرو گے کہ یہ ہمارے اڈے کا بہت پرانا کھلاڑی ہے۔ سوتی کپڑے کی قمیص جس کے کالر بھی پھٹے ہوئے ہوتے ہیں' پرانی دھوتی اور پھٹی ہوئی چپل کو دیکھ کر اس پر کسی غریب مزدور کا گمان ہوتا ہے۔ اگر یہ کاسینو کے گیٹ پر کھڑا دکھائی دے تو لوگ اسے بھکاری سمجھ بیٹھیں گے لیکن حیدر آباد کے نظام جیسا یہ کنجوس نظر آنے والا شخص ایک جھٹکے میں بیس پچیس ہزار کی ہیرا پھیری کر دیتا ہے۔"

"یہ آدمی؟" وجے کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ "دیکھنے میں تو واقعی یہ کوئی مزدور لگتا ہے۔"

"اب اس کے ساتھ کھڑے ہوئے اس کشمیری کو دیکھو۔" رگھوپتی نے اسے ایک دوسرے کھلاڑی کو دکھاتے ہوئے کہا۔ جو عمر میں کافی بڑا تھا لباس معمولی تھا لیکن

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس کے سامنے پلاسٹک ٹوکن کے دو تین ڈھیر دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ بہت مالدار آدمی ہے۔

"اس شخص کی نوجوان اور خوبصورت بیوی نیپال کے ایک ہوٹل میں صفائی وغیرہ کرتی ہے۔ ہوٹل کی تنخواہ سے تو شاید گھر کا خرچ چل جاتا ہے لیکن ہوٹل کے مسافر جاتے وقت اسے بڑی بڑی بخشش دے جاتے ہیں اور وہ ساری بخشش اس کا یہ شوہر یہاں جوئے کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔"

وجے نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ ہماری دیوتاؤں کی اس سرزمین پر یہ جوئے خانے کھول کر گناہ کا کاروبار کیوں شروع کیا گیا ہے؟ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا فلش کی میز پر تین پتوں کا کھیل کھیلنے والا ایک داڑھی والا ادھیڑ عمر شخص رگھوپتی کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اشارے سے اسے اپنے پاس بلانے لگا۔ رگھوپتی کے ساتھ ساتھ وجے کو بھی اس کے قریب جانا پڑا۔ اس میز پر فلش کے چھ کھلاڑی بیٹھے تھے' جن میں سے دو نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک کے ہاتھ میں سگریٹ تھا اور دوسری کے ہاتھ میں وہسکی کا گلاس تھا۔ وجے جانتا تھا کہ یہ دونوں لڑکیاں کاسینو کی تنخواہ دار ملازم تھیں۔ جو دوسرے کھلاڑیوں کا ساتھ دینے کے لیے کھیلا کرتی تھیں۔ جولی کے انکل مائیکل بھی اسی میز پر کھیل رہے تھے' لیکن وہ تین پتوں کی دنیا میں اس قدر کھوئے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے وجے کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

"بھائی رگھوپتی میں اس وقت چار پانچ ہزار کی جیت میں ہوں۔" اس داڑھی والے ادھیڑ عمر شخص نے رگھوتی کے کان میں دھیرے سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں آئندہ دو گھنٹے میں میں اور چار پانچ ہزار جیت لوں' پھر یہاں سے چلا جاؤں۔ بس تم سے یہی کہنا ہے کہ دو گھنٹے بعد تم کسی طرح مجھے یہاں سے اٹھا دینا۔"

اس کی یہ بات سن کر رگھوپتی نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔ "اس وقت سوا گیارہ بجے ہیں۔ میں ایک بج کر پندرہ منٹ پر آپ کو یاد دلانے آؤں گا۔ اس وقت یہاں سے اٹھنا اور نہ اٹھنا یہ آپ کی مرضی پر ہو گا۔"

"دس ہزار ہو گئے تو میں بالکل اٹھ جاؤں گا۔" داڑھی والے شخص نے کہا اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر سے پتے بانٹنے میں مصروف ہو گیا۔

"یہ شخص بھی ایک نمونہ ہے۔" رگھوپتی نے مسکراتے ہوئے وجے کو اس کے بارے میں بتایا۔ "مین بازار میں اس شخص کی ایک بڑی دکان ہے اور ہفتے میں دو تین راتیں وہ یہاں ضرور کھیلنے کے لیے آتا ہے۔ چند روز قبل یہ اس طرح یہاں جیت رہا تھا۔ نو بجے سے اس نے کھیلنا شروع کیا تھا' پھر دو تین گھنٹے کے اندر اس نے کئی میزیں بدلیں اور اس کی جیت ایک لاکھ تیس ہزار تک پہنچ گئی۔"

"اور پھر وہ ہارنے لگا یہی نا؟" وجے نے کہا۔

"تم پوری بات تو سنو۔" رگھوپتی نے اسے ٹوک دیا۔ "میں نے اس سے کہا بہت جیت چکے ہو اب گھر جاؤ اور ساری رقم کو تجوری میں رکھ دو' لیکن اس نے جواب دیا کہ آج تو میں تمہارا یہ کاسینو خرید لوں گا۔ پھر میرے بہت سمجھانے پر وہ چلا گیا' لیکن یہ کہتا گیا کہ میری جیت سے تم لوگ خوش نہیں ہو' لیکن میں کل پھر آؤں گا۔"

"پھر؟"

"وہ جیت کر گھر چلا گیا تو میں دل ہی دل میں خوش ہوا۔" رگھوپتی نے کہا۔ "کیونکہ کافی عرصے بعد اس کی قسمت نے یاوری کی تھی لیکن ابھی رات کے ساڑھے تین ہی بجے تھے کہ وہ واپس آ گیا۔ آتے ہی کہنے لگا کہ مجھے گھر میں نیند نہیں آئی۔ اس لیے میں صبح تک کھیلوں گا اور جیت کر گھر واپس جاؤں گا۔"

"پھر؟"

"پھر صبح تک وہ ایک لاکھ تیس ہزار ہار گیا اور جاتے وقت دس ہزار کا قرض بھی چڑھا گیا۔" اتنا کہہ کر رگھوپتی نے آگے کہا۔ "اور آج پھر کہہ رہا ہے کہ دس ہزار جیت لوں تو مجھے یہاں سے اٹھا دینا۔"

وجے نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "کہاں ہو تم؟"

وجے نے گردن گھما کر دیکھا تو جولی کے ڈیڈی مسٹر اینڈرسن کٹورے میں پلاسٹک کے تھوڑے سے ٹوکن لیے کھڑے تھے۔ انہوں نے وہ کٹورا وجے کے سامنے

بڑھا دیا اور ہنستے ہوئے بولے۔ "اب یہی چپس ہیں لیکن تم اگر تھوڑی دیر میرے پاس کھڑے رہو گے تو دو چار داؤ لگ ہی جائیں گے۔"

رگھوپتی نے بھی ان کی تائید کی اور کہا۔ "وجے اینڈرسن صاحب ٹھیک کہتے ہیں۔ تم ذرا انہیں کمپنی دو تب تک میں اس نیپالی جواری کو ڈھونڈ لوں۔" یہ کہہ کر رگھوپتی اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد اینڈرسن نے وجے کا ہاتھ تھام لیا اور اسے رولٹ مشین کی جانب لے گئے۔ سب سے زیادہ رش اسی کھیل پر لگا ہوا تھا۔ کرسیاں کم تھیں اور کھلاڑی زیادہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض کھلاڑی کرسیوں کے پیچھے کھڑے کھڑے ہی داؤ لگا رہے تھے۔ مخملی میز پر ایک نمبر سے لے کر چھتیس نمبر کا ہندسہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے علاوہ زیرو کے بھی دو خانے بنے ہوئے تھے۔ اس طرح کل اڑتیس خانوں پر پلاسٹک کے چپس رکھ کر داؤ لگایا جا سکتا تھا۔ میز پر رکھی ہوئی مشین کی چرخی جب گھومنے لگتی تو کھلاڑی اپنی پسند کے نمبر پر پلاسٹک چپس رکھ دیتے تھے' پھر جب چرخی کسی نمبر پر رک جاتی تھی تو اس نمبر پر رقم لگانے والے کو ایک کے بدلے پینتیس گنا رقم مل جاتی تھی اور باقی خانوں پر لگائی ہوئی ساری رقم کاسینو والے سمیٹ لیتے تھے۔

وجے نے دیکھا بہت سے کھلاڑی پہلے کاغذ پر نمبر نوٹ کر لیتے تھے۔ پھر حساب لگاتے تھے کہ انہیں اب کس نمبر پر رقم لگانی ہے۔

اچانک بھیڑ میں کھڑے ہوئے وجے کو پیچھے سے کسی کا دھکا لگا تو اسے ذرا ہٹ جانا پڑا لیکن ایسا کرتے وقت بے خیالی میں اس کا پاؤں کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک ایسے شخص کے پاؤں سے ٹکرا گیا جس نے سر پر اونی ٹوپی پہن رکھی تھی جسکی وجہ سے اس کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا' لیکن پاؤں پر وجے کا پاؤں پڑا تو اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔ "مسٹر ذرا دیکھو تو سہی۔"

مگر وجے نے جب اس کی طرف دیکھا تو دونوں ہی سکتے میں رہ گئے۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی آنکھیں ملیں پھر اس اونی ٹوپی والے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وجے کی آنکھوں میں درد کی جھلک سی نظر آنے لگی اور وہ دھیرے سے بولا۔ "کپل---

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تم؟"

"بڑے بھائی۔" کپل نے وجے کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنی کرسی پر اسے ساتھ بٹھاتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "پلیز کسی کو معلوم نہ ہونے پائے نہیں تو بے عزتی بھی ہو گی اور مجھے گھر سے بھی نکال دیا جائے گا۔"

"لیکن تم یہاں؟"

"کبھی کبھی آتا ہوں۔" کپل نے اپنی اونی ٹوپی کو کھینچ کر اپنی آنکھیں بھی چھپا لیں اور سر جھکا کر کہا۔ "اور ابھی چپ چاپ یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"تم نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ تم شاہی پجاری کے بیٹے ہو۔" وجے دھیمی مگر کرخت آواز میں بولا۔ "تم نے یہ خیال بھی نہیں کیا کہ مستقبل میں ان کی جگہ سنبھالنی ہے؟"

"اس کے لیے تو آپ ہیں بڑے بھائی۔" کپل کی آواز میں خوف کی کپکپاہٹ تھی۔ گرم ٹوپی کی وجہ سے اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ "مجھ میں تو راج پروہت بننے کی لیاقت بھی نہیں ہے۔"

"لیاقت پیدا کرنا پڑتی ہے کپل۔" وجے اپنے چھوٹے بھائی کو نصیحت کرنا چاہتا تھا' لیکن نہ تو اس کا موقع تھا اور نہ ہی ماحول اس قسم کی گفتگو کے لیے سازگار تھا۔

کپل نے پلاسٹک کے بچے ہوئے چپس کو اپنے ہاتھوں سے مختلف نمبروں پر رکھ دیا اور تب وجے نے اس سے کہا۔ "تمہاری قسمت میں راج گدی لکھی جا چکی ہے بھائی جوئے کی اس چرخی سے زیادہ اہم تمہارے لیے زندگی کی چرخی ہے۔"

لیکن کپل کی آنکھیں تو رولٹ مشین کی گھومتی ہوئی چرخی پر جمی ہوئی تھیں۔ اپنی چوری پکڑی جانے کے باوجود وہ آخری بازی جیت لینے کی خواہش میں بیٹھا تھا۔

"جوا کھیلنے کے لیے تم روپیا کہاں سے لاتے ہو کپل؟" یکایک وجے نے پوچھا۔

لیکن جب کپل نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا تو وجے نے پھر کہا۔ "کاسینو والوں کو علم ہو چکا ہے کہ تمہاری طرح ایک دو نیپالی جوا کھیلنے بیٹھ گئے ہیں وہ سپروائزر بھی تمہیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔"

یہ سن کر کپل کے تن بدن میں کپکپاہٹ سی دوڑ گئی۔ رولٹ مشین کی چرخی تین چکر کے ہندسے پر رک گئی اور تب بازی ہار جانے والے کپل نے رحم طلب نظروں سے اپنے بڑے بھائی کی طرف دیکھا اور پھر پسینہ پونچھنے کے بہانے منہ پر رومال رکھ کر وہ بھیڑ میں سے راستہ بناتا ہوا تیزی سے کاسینو سے باہر نکل گیا۔ وجے اسے باہر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر ایک گہرا سانس لے کر دل ہی دل میں بولا۔ "یقیناً اس نے گھر میں سے ہی روپے چرائے ہوں گے۔"

"ارے مسٹر آپ کہاں کھو گئے تھے؟" یکایک پیچھے سے جولی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "وہ ساری مشینیں تو بڑی ہی مطلبی ہیں۔ میرے سارے پیسے ہضم کر گئی ہیں۔"

وجے نے اس کے لیے بیٹھنے کی جگہ کر دی لیکن جولی تو کھڑے کھڑے ہی رولٹ کھیلنے کے موڈ میں تھی۔ "اب دیکھنا ہے تمہارا ساتھ میرے لیے کتنا فائدے مند ثابت ہوتا ہے؟"

یہ کہہ کر اس نے سو روپے کے پلاسٹک چپس لے لیے پھر اپنے ڈیڈی کے چپس کی جانب دیکھ کر بولی۔ "ڈیڈی لگتا ہے آپ بھی میری طرح ہارتے رہتے ہیں؟"

"کوئی بات نہیں بیٹی۔" اینڈرسن نے ہنس کر کہا۔ "جوئے میں ہارنے والا شخص محبت کی بازی جیت لیتا ہے۔"

یہ سن کر جولی مسکرا کر وجے کی جانب دیکھنے لگی لیکن وجے کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں تھے۔ "تم نصیب کو تو مانتے ہو نا وجے؟" جولی نے اس کی خاموشی توڑنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ وجے نے صرف گردن ہلا کر اثبات میں جواب دے دیا تھا اور تب جولی نے کہا۔ "تو پھر جوا بھی نصیب کا ہی کھیل ہے۔ بتاؤ میں کس نمبر پر کھیلوں؟"

"جس نمبر پر تمہارا دل کہے اس پر کھیل جاؤ۔" وجے کا یہ جواب سن کر جولی نے بغیر سوچے سمجھے کئی نمبروں پر پلاسٹک چپس رکھ دیے۔ رولٹ مشین کا چکر گھومتا رہا۔ لوگ داؤ لگاتے رہے اور وجے چپ چاپ ہار جیت کا یہ کھیل دیکھتا رہا۔

"شاید تم بور ہو رہے ہو۔" جولی نے پھر کہا۔ "مگر دس روپے کا یہ آخری چپس ہی باقی رہ گیا ہے۔ اب بتاؤ تمہارا فیورٹ نمبر کون سا ہے؟"

"گنتی میں تو ہر ہندسے کی اہمیت ہوتی ہے۔" وجے نے ہنس کر جواب دیا۔

"جس پر دل کہے کھیل جاؤ؟"

"لیکن جولی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھی۔ اچانک اس کے ذہن نے قلابازی کھائی اور گلابی گالوں میں گڑھے سے پڑ گئے۔ اس نے دھیرے سے اپنا چہرہ وجے کے کان کے پاس لے جا کر پوچھ لیا۔ "بائی دا وے--- تمہاری عمر کتنی ہو گی؟"

"چھبیس۔" بے اختیار وجے بول گیا۔

"بس بس۔" جولی ہنس پڑی اور پھر اس نے دس روپے کا آخری چپس چھبیس نمبر کے ہندسے پر رکھ دیا۔ جولی کی اس چالاکی پر وجے کو ہنسی آ گئی اور وہ سوچنے لگا کہ جوا کھیلنے والے لوگ کس قدر توہم پرست ہوتے ہیں؟ لیکن رولٹ مشین کی گھومتی ہوئی چرخی نے اس کا یہ اندازہ غلط ثابت کر دیا۔ "نمبر ٹوینٹی سیکس۔" سن کر جولی نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے اور خوشی سے چلاتی ہوئی بولی۔ "میں جیت گئی وجے۔ تمہارا دیا ہوا نمبر لکی ثابت ہوا ہے۔"

اس کی آواز سن کر سب لوگوں کی توجہ اس کی جانب کھنچ گئی اور وجے سوچنے لگا کہ ایک بازی جیت کر یہ لڑکی اس قدر خوش کیوں ہو رہی ہے؟ صرف ساڑھے تین سو کی رقم جیت کر اتنی بڑی خوشی تو نہیں ہو سکتی؟"

لیکن جولی نے ایک بار پھر اسے حیران کر دیا' کیونکہ جولی نے جیتے ہوئے ساڑھے تین سو روپے رگھوپتی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "میری طرف سے کاسینو کے سٹاف کو مٹھائی کھلا دینا میں جیت تو گئی ہوں لیکن پھر بھی میں جیت کر جانا نہیں چاہتی۔"

آس پاس کھڑے ہوئے تمام لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ ساڑھے تین سو کی رقم بہت زیادہ نہیں تھی لیکن جیت کر نہ جانے والی بات جو جولی نے کہی تھی وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی' مگر اس سے پہلے کہ کوئی اس بارے میں اس سے پوچھتا اس نے اس طرح وجے کی کلائی پکڑ لی جیسے جلد سے جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔ "چلو ہم یہاں سے کھلی ہوا میں چلے جائیں۔"

وجے نہ تو اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑا سکا اور نہ ہی اس کے ساتھ جانے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے انکار کر سکا۔ جولی کے ڈیڈی اینڈرسن ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرانے لگے۔ "گڈ لک مائی ڈیر۔" وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائے اور جولی کے لیے خوش حالی کی دعائیں کرنے لگے۔

○

"تشریف رکھیے۔" جولی نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ کر اسے پلنگ پر بٹھا دیا' اور خود ہانپتی کانپتی سی اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ وجے کو زبردستی کھینچتی ہوئی اپنے ہوٹل میں لے آئی تھی۔ نیچے کاؤنٹر سے چابی لے کر اس نے لفٹ کا بٹن دبایا اور اسے کمرے میں لا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔ ہنستی مسکراتی اور شرارتی سی یہ جولی اس وقت بڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بہتی ندی میں اچانک تیز بہاؤ آ گیا اور اس کا پانی اس کی سطح سے اوپر اٹھنے لگا ہو۔

"وجے اس وقت شاید میں تمہیں کوئی پاگل سی لگ رہی ہوں ہے نا؟" جولی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بھی ضرور سوچ رہے ہو گے کہ میں اس طرح اور اس وقت تمہیں یہاں کوئی کھینچ لائی ہوں؟"

وجے اسے حیرت اور شک کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو جولی ایک گہرا سانس لینے کے بعد پھر بولی۔ "کیا تمہیں کبھی یہ خیال بھی آیا ہے وجے کہ دو سال قبل یہاں سے آ کر جانے والی لڑکی دوبارہ کیوں آئی ہے؟ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں بھی ایسے پہاڑ ہیں' ایسا ہی حسن ہے اور ایسے ہی قدرتی مناظر ہمیں اپنے گھر کے آنگن سے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ دو سال سے میں خط و کتابت کے ذریعہ تمہارے قریب رہی ہوں اور تمہارے مذہب کا مشاہدہ کرتی رہی ہوں اور تمہاری زندگی میں دلچسپی لیتی رہی ہوں۔ اور اب دو سال بعد میں اپنے ماں باپ کو یہاں لے آئی ہوں کس لیے؟" ایک ساتھ اور ایک ہی سانس میں بولتی ہوئی جولی کے چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی۔ "تم جانتے ہو سب سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود مجھ سے ہی کیوں پہل کرا رہے ہو؟ میں تو دو سال قبل ہی تمہیں اپنے من مندر کا دیوتا سمجھ چکی ہوں۔"

"جو---لی۔" وجے نے اسے آگے بولنے سے روکنے کی کوشش کی' لیکن جولی اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"مجھے اپنی بات کہہ لینے دو وجے۔ میں نے ہر بات پر اچھی طرح سوچ لیا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو اس راہ سے واپس لانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ مجھے تمہارے مذہب سے' تمہاری اس دھرتی سے اور تم سے محبت سی ہو گئی ہے وجے۔" بولتے بولتے جولی اور زیادہ جذباتی ہو گئی۔ "میں اپنا ملک' اپنا مذہب' اپنا لباس اور اپنے سماج کو چھوڑ دینے کا عہد کر کے یہاں آئی ہوں۔ وجے مجھے صرف تم سے ہی نہیں بلکہ تمہارے ان پہاڑوں اور تمہارے دیوی دیوتاؤں سے بھی محبت ہو گئی ہے۔ میں اس دھرتی پر زندہ رہنا چاہتی ہوں۔" یہ آخری فقرہ جولی بہ مشکل بول سکی۔ "میں جیسی بھی ہوں جو بھی ہوں مجھے قبول کر لو۔ میرے وجے۔"

وجے اچانک ہی لرز گیا۔ اس کے سامنے کھڑی ہوئی ایک غیر ملکی لڑکی اسے اپنانے کے لیے تیار کھڑی ہے اور وہ نہ سمجھنے والی نظروں سے اسے دیکھ رہا ہے۔ صبح کے وقت اس طرح اس کی سوتیلی ماں اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس نے اس دھرتی کو چھوڑ کر بن باس پر چلے جانے کے لیے اس سے عہد لیا تھا' اور اس وقت یہ دوسری عورت اس سے اس دھرتی پر اس کے ساتھ جینے کی بھیک مانگ رہی ہے۔ صبح کو ایک عورت نے اس کے دل کے سارے ارمان لوٹ لیے تھے اور اس وقت یہ دوسری عورت اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ صبح اپنی سوتیلی ماں کے سامنے اس نے بہ مشکل اپنے آنسو روک لیے تھے' لیکن اس وقت وہ ان آنسوؤں کو نہ روک سکا۔ اس کی آنکھیں گیلی ہو گئیں اور دو بوندیں اس کے گالوں پر آکر تھم گئیں۔

یکایک دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی باہر سے گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "جولی--- جولی--- جلدی سے دروازہ کھولو۔"

یہ آواز سن کر دونوں نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں ہی بری طرح گھبرا گئے تھے۔ یہ مسٹر اور مسز اینڈرسن کی آوازیں تھیں۔ مجبوراً جولی کو دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھنا پڑا اور وجے کو اپنے آنسو پونچھنے پڑے۔ جولی نے دروازہ کھولا تو اندر داخل ہوتے ہی اینڈرسن نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا "تم نے کچھ سنا؟" وجے نیپال کے مہاراجا کا انتقال ہو گیا ہے۔

"اوہ---" وجے چونک کر کھڑا ہوا اور وہ کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اینڈرسن کی نظر اس کی بھیگی آنکھوں پر پڑ گئی اور وہ بولے۔ "اوہ تو تمہیں پہلے ہی پتا چل گیا ہے۔"

"ہاں جولی۔" اب اس کی ممی نے کہا۔ "مہاراجا کے ہارٹ فیل کی خبر سن کر ہم نے نیچے کئی لوگوں کو اسی طرح آنسو بہاتے دیکھا تھا' اور مجھے تو بڑی حیرت ہوئی تھی کہ اس زمانے میں بھی لوگ اپنے راجا سے اتنی محبت کرتے ہیں؟"

"لیکن تم لوگوں کو اس کی خبر کیسے ہوئی جولی؟" اینڈرسن نے پوچھا تو جولی نے جواب دینا چاہا ہی تھا کہ وجے درمیان میں بول پڑا۔ "ہم جب ہوٹل پر آئے تو کاؤنٹر پر کسی کا فون آیا تھا اور ہمیں یہ خبر مل گئی' لیکن میں سب کے سامنے رو نہیں سکا۔"

اس کی بات سن کر جولی گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ وجے کو یہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟

"اب جولی بیٹی۔" اینڈرسن کی آواز میں اس بار خوشی کی جھلک تھی۔ "ہمیں اپنا پروگرام تبدیل کرنا پڑے گا۔ ہوٹل کا مالک بتا رہا تھا کہ پندرہ دنوں کے سوگ کے بعد نئے راجا کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جائے گی۔ دنیا بھر کے بڑے بڑے لوگ اس پروقار تقریب میں شرکت کے لیے آئیں گے۔ ایسی شاندار تقریب ہم جیسے غیر ملکیوں کو قسمت سے ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ لہٰذا ہم نے تو یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ بھارت کی سیر و تفریح کے پروگرام کو مختصر کر کے ہم پندرہ دن کے اندر ہی یہاں واپس آئیں گے۔ میں ہوٹل کی ایڈوانس بکنگ بھی کر لیتا ہوں۔" اتنا کہہ کر انہوں نے وجے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے مسٹر وجے؟"

"آپ لوگ ضرور واپس آئیں۔" وجے کو ایک گائیڈ کی حیثیت سے اینڈرسن کے سوال کا جواب دینا پڑا۔ "لیکن نئے راجا کی رسم تاجپوشی کب ادا کی جائے گی۔ یہ بات ابھی سے کہنا مشکل ہے۔ کل مرحوم راجا کی آخری رسومات ادا کی جائیں گی۔ اس کے بعد اس وقت کے یوراج کو عارضی طور پر تخت پر بٹھایا جائے گا اور کبھی کبھی یہ مہورت چھ مہینے یا سال بھر کے بعد بھی ہوتا ہے۔"

یہ سن کر اینڈرسن کی خوشی اداسی میں بدلنے لگی۔ "تب تو راجا کی آخری رسومات کی کارروائی دیکھ کر ہی ہمیں صبر کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد تو بھارت کا دورہ مختصر کر کے واپس آنے کا فائدہ ہی نہیں ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"بالکل ایسی بات بھی نہیں ہے اینڈرسن صاحب۔" وجے نے اس طرح اچانک کہا جیسے اسے کوئی بات یاد آ گئی ہے۔ "راجا کے انتقال کے تیرہویں روز آپ کو یہاں بہت ہی عجیب و غریب رسم دیکھنے کو ملے گی۔"

"کیا مطلب؟" اینڈرسن کے ساتھ ساتھ جولی اور اس کی ممی نے بھی چونک کر دیکھا' پھر جولی نے پوچھا۔ "اس رسم میں کیا ایسی عجیب بات ہوتی ہے؟"

"اس رسم میں یہ ہوتا ہے کہ مرنے والے راجا کے سارے گناہ کوئی ایک شخص اپنے اوپر لے لیتا ہے۔" وجے نے کہا۔

"لیکن وہ کس طرح؟" اینڈرسن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اس کا مزا سننے سے زیادہ دیکھنے میں ہی آئے گا۔" کہہ کر وجے نے آگے کہا۔ "راجا کے گناہوں کو اپنے سر لینے والے شخص کو لاکھوں کی رقم ملے گی۔"

"کمال ہے۔" اینڈرسن' جولی اور مسز اینڈرسن تعجب سے اس کی طرف دیکھتے رہے اور اینڈرسن کا تجسس اور زیادہ بڑھنے لگا' اور وہ بے تابی سے پوچھ بیٹھے۔ "مگر راجا کے گناہوں کو خریدنے والا شخص کون ہو گا؟"

"کوئی بھی ایک برہمن۔" وجے نے کہا اور پھر یکایک ہی وہ ایک جھٹکے سے اس طرح رک گیا جیسے اس کے دماغ میں کوئی زوردار دھماکا ہوا ہو۔ اس کے چہرے کے تاثرات اچانک ہی بدل گئے۔ وہ تینوں اس کے بولنے کی راہ دیکھ رہے تھے' لیکن دیر تک خیالوں میں کھوئے رہنے والے وجے نے کچھ کہنے کے بجائے ان سے اجازت لیتے ہوئے کہا۔ "اب میں جاؤں گا مجھے فوراً ہی راج محل پہنچنا چاہیے کیوں کہ اس موقع پر مجھے اپنے راج پروہت باپ کے پاس ہی رہنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اس نے جولی کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

○

"راجا کو مرنے کے لیے کوئی دوسرا دن نہیں ملا تھا کہ اس نے جمعے کی رات کو ہی مرنا پسند کیا؟" چائنیز ہوٹل کی دھندلی روشنی میں ایک کونے کی میز پر کہنی ٹیک کر بیٹھے ہوئے شرما نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے اپنے غصے کا اظہار کیا اور آگے بولا۔ "رانا اگر راجا نے اس رات اپنے مرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہوتا تو آج پچپن لاکھ کی ڈیکتی کو پانچواں روز ہو گیا ہوتا۔" اتنا کہہ کر اس نے بیئر کے گلاس میں سے ایک گھونٹ لیا اور پھر بولا۔ "سالے نے مر کر سارا منصوبہ ہی چوپٹ کر دیا۔"

لیکن پھر بھی اس کا ساتھی رانا کچھ نہیں بولا۔ وہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ستائیس سالہ شرما کی بھوری آنکھوں کو دیکھتا ہوا اپنی مونچھوں کو بل دیتا رہا۔ رانا بھی تقریباً شرما کا ہی ہم عمر تھا' مگر وہ زیادہ بولنے کا عادی نہیں تھا۔ صرف کام کی باتیں ہی کرتا تھا۔ "یار تمہارا اس طرح چپ چاپ بیٹھنا نہیں چلے گا۔" ایش ٹرے میں سگریٹ کو مسلتے ہوئے شرما نے پھر کہنا شروع کیا۔ "مشورہ کرنے کے لیے یہ ایک بہترین جگہ ہے پھر بھی یہاں آ کر خاموش بیٹھ جانے کا کیا مطلب؟"

اس کے جواب میں رانا نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی اور دھیمی آواز میں بولا۔ "وہ دونوں ابھی تک کیوں نہیں آئے؟ پانچ بجے کا وقت طے ہوا تھا اور اب سوا پانچ ہو رہے ہیں۔"

شرما سمجھ گیا کہ ان دونوں کے آئے بغیر رانا کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں کرے گا۔ بہت زیادہ بولنے والا آدمی ہر وقت یہی سمجھتا ہے کہ اس کے سامنے بیٹھا ہوا خاموش آدمی کیا سوچ رہا ہے؟ بوتل میں بچی ہوئی بیئر کو اپنے گلاس میں انڈیل کر شرما کو تھوڑی دیر کے لیے چپ رہنے کے بارے میں سوچنا پڑا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نیپال رائل بینک کے کھٹمنڈو ہیڈ آفس سے ہر سنیچر کے دن ویراٹ نگر کی برانچ میں پچیس سے پچاس لاکھ روپے کا کیش ٹرانسفر ہوتا تھا۔ رائل ایئر لائینز کے ڈکوٹا سپنجر جہاز میں نوٹوں سے بھرے ہوئے اسٹیل کے ایک ٹرنک کو سامان کی طرح ویراٹ نگر روانہ کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ پسنجروں کی حیثیت سے بندوقوں سے لیس دو پولیس کے سپاہی بھی ہوتے تھے۔ پندرہ بیس غیر ملکیوں کے علاوہ پانچ دس نیپالی لوگ اس میں سفر کرتے تھے۔ جب ویراٹ نگر کے ایئر رپورٹ پر ڈکوٹا لینڈ کرتا تھا تو سب سے پہلے بینک کا ٹرنک ہی اتارا جاتا تھا۔ پھر کیش لے کر آنے والے دونوں بندوق بردار سپاہی نیچے اترتے تھے۔ جب کیش سے بھرا ہوا ٹرنک بینک کی وین میں رکھ کر روانہ کر دیا جاتا تھا تو اس کے بعد بقیہ پسنجروں کو جہاز سے اترنے کی اجازت دے دی جاتی تھی۔ برسوں کا یہ معمول صرف ایک ہی بار ٹوٹا تھا جب ایک امریکن پسنجر کو جہاز کے اندر ہی ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا۔ تب ویراٹ نگر کے ایئرپورٹ پر بینک کیش کے ٹرنک کی بجائے اسے اسٹریچر کے ذریعہ نیچے اتارا گیا تھا اور ٹرنک کی باری اس کے اسپتال جانے کے بعد آئی تھی۔

ہمیشہ کے اس معمول میں دوسری بار خلل گزشتہ سنیچر کے روز پڑنے والا تھا۔ جب ڈاکوؤں نے کیش ٹرنک سمیت ڈکوٹا کو اغوا کر لینے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔

"رانا تمہیں معلوم ہے کہ جمعے کی آدھی رات میں نے کس طرح گزاری تھی؟" خاموشی سے تنگ آ کر شرما نے پھر کہا۔ "کھا پی کر میں ٹھیک نو بجے بستر پر لیٹ گیا۔ نیند تو آنے والی ہی نہیں تھی' پھر آنکھیں بند کر کے پڑا رہا۔ سوچتے سوچتے کبھی کبھی یوں لگنے لگتا تھا کہ میں چارپائی کی بجائے جہاز میں لیٹا ہوا ہوں۔ پھر اچانک خیال آیا کہ کیوں نہ ہائی جیکنگ کی تھوڑی سی ریہرسل کر لوں۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے تکیے کے نیچے سے اپنا ریوالور نکالا اور اٹھ کھڑا ہو گیا' پھر اس طرح ریوالور تان کر کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا جیسے پائلٹ کے کیبن کے دروازے پر جا رہا ہوں۔ ابھی شرما نے اتنا ہی کہا تھا کہ رانا جلدی سے بول پڑا۔ "بے وقوف تمہیں تو پائلٹ کے کیبن کی طرف جانا ہی نہیں تھا۔ تمہیں تو ان دونوں بندوق بردار سپاہیوں پر نظر رکھنے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔

"اچھا ہوا کم از کم یہ کہنے کے لیے تم بولے تو سہی۔" شرما کے بڑھے ہوئے شیو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "جب میں بستر سے اٹھا تھا تو جانتے ہو کیا ہوا؟" رانا نے تجسس کا اظہار کیے بغیر اس کی بہت ہی سنجیدہ نظر آنے لگا اور وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔ "ریہرسل کر چوتھی بار کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا تو اچانک دروازہ دھڑ دھڑانے اس طرح چونک پڑا کہ ریوالور میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ مجھے یوں لگا کہ میری چوری پکڑ لی ہے اور سارا منصوبہ بے نقاب ہو گیا ہے۔ میں پسینے پسینے ہو گیا پھر سنبھل کر دروازہ کھولا تو میرے سامنے میری بھابی کھڑی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "تمہیں خبر ہوئی؟ مہاراجا کا ہارٹ فیل ہو گیا ہے۔" یہ سن کر میں نے فوراً اپنے دل پر ہاتھ رکھ دیا تو یہ محسوس ہوا کہ وہ بہت ہی زور سے دھڑک رہا ہے۔"

ڈرپوک شرما کی بات سن کر رانا کو غصہ آ گیا' اور اسے لگا کہ اس کی تیزی سے چلتی ہوئی زبان ان سب کو جیل بھیج دے گی۔ سازش کی بھنک اگر کسی کے بھی کانوں میں پڑ گئی تو پولیس ایک ہی جھٹکے میں شرما سے سب کے نام اگلوا لے گی مگر کیا کیا جائے؟ شرما کو تو گوپی ناتھ نے اپنے ساتھ شامل کیا تھا۔ اس لیے اسے نکالا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ دراصل شرما کا باپ رام چندر شرما نیپال سے بادشاہی حکومت کو ختم کرنے کی کوشش میں شہید ہوا تھا۔ بس اس کے علاوہ نائیک شرما میں اور کوئی خاصیت نہیں تھی۔ "رانا تم نے ایک بات پر غور کیا ہے؟" نائیک شرما نے بیئر کے گلاس سے ایک گھونٹ بھرنے کے بعد کہا۔ "فرض کر لو کہ مہاراجا اگر صرف بارہ گھنٹے پہلے مر جاتا تو ہم بھی بینک کی پچپن لاکھ رقم لوٹ چکے ہوتے اور پھر شام کے سب سے زیادہ تعداد میں شائع ہونے والے اخبار "نیپالی ٹائمز" میں لوگوں کو دو بڑی بڑی سرخیاں چمکتی ہوئی نظر آتیں۔ مہاراجا سری پنچ اندر بھوشن کا اچانک انتقال اور دوسری سنسنی خیز سرخی یہ ہوتی۔ رائل نیپال بینک کے لاکھوں روپے لوٹ لیے گئے۔ کیش لے کر جانے والے ڈکوٹا جہاز کو اغوا کر لیا گیا۔"

نائیک شرما کی یہ بات سن کر رانا کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرا گئی اور پہلی بار اسے لگا کہ اسے اب کچھ بولنا چاہیے اس لیے وہ بولا۔ "اگر ایسا ہو جاتا تو واقعی یہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کمال ہوتا۔ دونوں سنسنی خیز خبریں ایک ساتھ پڑھ کر نیپال کے عوام اور دنیا بھر کے ملک یہ مان لیتے کہ بغاوت کے ایک ہی جھٹکے سے مہاراجا کا ہارٹ فیل ہو گیا ہے۔ آج مہاراجا کی موت پر سوگ منانے کے بجائے نیپال کے لوگ اس ڈکیتی کا چرچا کر رہے ہوتے۔"

"اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں کہ مہاراجا نے مرنے کے لیے غلط دن کا اور غلط وقت کا انتخاب کیا تھا۔" نائیک شرما دانت پیس کر بولا۔ لیکن اس سے آگے وہ کچھ اور نہ بول سکا کیونکہ ٹھیک اسی وقت گوپی ناتھ اپنی موٹرسائیکل کی چابی اچھالتا ہوا چائنیز ریسٹورنٹ کے دروازے میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے پستہ قد شپرا بھی تھا جو اپنی آنکھوں پر سے سیاہ چشمہ اتارتا ہوا آ رہا تھا۔ دونوں اس میز کے پاس آ کر خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ انہیں دیکھ کر رانا نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا' لیکن ان دونوں نے تاخیر سے آنے کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ ریسٹورنٹ کا ایک تبتی ویٹر ان کے لیے نیپالی بیئر کی چار بوتلیں اور دو گلاس میز پر رکھ گیا۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں چاروں گلاس بھر گئے۔ گوپی ناتھ نے ان سب کے ساتھ بیئر کے دو چار گھونٹ لیے اور پھر سگار سلگا کر چوکنا نگاہوں سے اپنے آس پاس کا جائزہ لیا۔ پھر موٹرسائیکل کی چابی سے کھیلتا ہوا دھیرے سے بولا۔ "آئندہ سنیچر کے روز بھی کام نہیں ہو سکے گا۔ بینک سے یہ اطلاع ملی ہے کہ صرف دس بارہ لاکھ کی رقم ہی جائے گی۔ مہاراجا کی موت پر چند دنوں کے لیے بینک کا لین دین ٹھنڈا رہے گا۔"

نائیک شرما۔ رانا اور شپرا اسے تکتے رہ گئے۔ انہوں نے دو مہینے تک باہم صلاح و مشورہ کرنے کے بعد یہ منصوبہ بنایا تھا' لیکن جب اس منصوبے کے عمل کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو عین آخری گھڑی میں اسے ملتوی کرنا پڑ گیا تھا۔ اس کا افسوس ان چاروں کے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ خطرے سے کھیلنے کا وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا اور آئندہ سنیچر کو بھی یہ پروگرام کینسل ہونے والا تھا۔ وہ چاروں یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس کام میں زیادہ تاخیر بھی مناسب نہیں ہے' کیوں کہ اگر بات پھوٹ گئی تو ہمیشہ کے لیے یہ منصوبہ چوپٹ ہو جائے گا۔ "تو پھر آئندہ کے بعد والے آئندہ سنیچر کو۔۔۔۔؟" رانا نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تو

مہاراجا کے سوگ کو چودہ روز ہو چکے ہوں گے۔"

"ہمارے بینک کے مخبر کا بھی یہی کہنا ہے۔" گوپی ناتھ نے بجھا ہوا سگار پھر سے جلایا اور آگے بولا۔ "اس وقت شاید رقم بھی بڑی ہو گی۔ پچپن لاکھ کے بجائے شاید پون کروڑ۔" ان تینوں کے چہروں پر چمک سی لہرا گئی۔ صرف پندرہ دنوں کے بعد بیس پچیس لاکھ کے ہونے والے فائدے نے ان کے اندر ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔

"لیکن بیس پچیس لاکھ کے فائدے میں ایک خطرہ بھی ہے۔" گوپی ناتھ بڑے گھمبیر لہجے میں بولا۔ "شاید بینک کے کیش کی حفاظت کے لیے بندوق بردار سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے۔ اس لیے ہمیں ہائی جیکنگ کے لیے اور ایک ساتھی کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"میری نظر میں ایک آدمی ہے۔" رانا اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا تو اس کے تینوں ساتھی سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ رانا چند لمحوں کی تاخیر کے بعد اور بیئر کے دو چار گھونٹ حلق سے اتار کر بولا۔ "اس کا نام ہے۔۔۔۔ رگھوپتی۔۔۔۔"

"کون وہ کاسینو والا سپروائزر؟" نائیک شرما نے جلدی سے کہا۔ "مگر وہ تو مہاراجا کا ملازم ہے اور ان کی شراکت میں چلنے والے کاسینو میں کام کرتا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے لیکن اس کی آنکھ میں ہمیشہ نفرت اور بغاوت کی آگ دہکتی نظر آتی تھی۔" گوپی ناتھ رانا کی طرف داری کرتے ہوئے بولا۔ "رانا کیا تمہیں اس پر پورا بھروسا ہے؟"

"ہاں۔" رانا نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔ "اس کی آنکھ میں انتقام کی چنگاری جل رہی ہے۔ وہ راج پروہت کی بیٹی رکمنی عرف روکھی سے محبت کرتا تھا اور روکھی اچانک ہی غائب ہو گئی جس کی وجہ سے رگھوپتی کی راتوں کی نیند اڑ گئی اور بعد میں اس نے کاسینو میں ملازمت کر لی۔"

رانا کے تینوں ساتھی اس کی بات پر سوچنے لگے اور دیر تک کوئی کچھ نہیں بولا۔ "لیکن رانا۔" تھوڑی دیر بعد گوپی ناتھ نے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "کاسینو سے اس کی اچانک غیر حاضری شک نہیں پیدا کرے گی؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گوپی ناتھ کا یہ سوال ایک اہم سوال تھا' لیکن رانا کے پاس اس کا جواب موجود تھا۔ اس لیے وہ فوراً ہی بولا۔ "اس کے بارے میں میں نے سوچ لیا ہے۔ راج پروہت کی بیٹی روکھی دھولٹی کے تہوار کے موقع پر ہی غائب ہوئی تھی اور آنے والے جمعے کے دن بھی "دھولٹی" ہے۔ اس طرح ہر سال اس موقعے پر رگھوپتی کاسینو سے پندرہ روز کی چھٹی لے لیا کرتا ہے اور اپنی محبوبہ کی یاد میں بھٹکتا رہتا ہے۔ برسوں سے یہ اس کے معمولات میں شامل ہے اس لیے کاسینو سے اس کی غیر حاضری پر کسی کو شک نہیں ہو گا۔"

"پھر بھی وہ ہمارے اس منصوبے میں شامل ہو گا اس کی کیا ضمانت ہے؟" شپرا نے پوچھا تو شرما کو اس کی تائید میں بولنے کا موقع مل گیا اور اس نے کہا۔ "شپرا نے ٹھیک سوچا ہے ہم لوگ اگر اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیتے ہیں اور اگر ساری بات سننے کے بعد اس نے انکار کر دیا تو ہمارے لیے خطرہ اور بھی بڑھ جائے گا۔"

"نہیں ایسا نہیں ہو گا۔" رانا نے پر یقین لہجے میں کہا۔ "اگر وہ ہمارے ساتھ شامل نہیں بھی ہوا تو بھی وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا اور ہمارا راز نہیں کھولے گا۔"

تھوڑی دیر کے لیے پھر خاموشی چھا گئی اور سب رگھوپتی کی جگہ کوئی اور نام سوچنے لگے لیکن رانا رگھوپتی کے حق میں ہی تھا اس لیے وہ انہیں سمجھاتے ہوئے بولا۔ "اب رگھوپتی وہ پہلے جیسا ٹھنڈا رگھوپتی نہیں ہے اس کے دل میں اب شاہی راج کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکنے لگی ہے۔ ایک بار میرے سامنے ہی اس نے اپنے غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔ "بھلا یہ کیسا شاہی راج ہے کہ کسی کی جوان بہن اور بیٹی غائب ہو جائے اور حکومت کو کوئی احساس ہی نہ ہو---- یہ کیسا شاہی راج ہے؟"

"لیکن اس کی محبوبہ روکھی شاہی پنڈت کی بیٹی تھی۔" نائیک شرما نے پھر اپنے شک کا اظہار کیا۔ "اور رگھوپتی شاہی پنڈت کے بیٹے وجے کا جگری دوست ہے۔ اس لیے وہ اگر راجا کے خلاف ہونے والی سازش میں ہمارے ساتھ شریک بھی ہو گیا تو بھی مجھے اس سے خطرہ نظر آتا ہے۔"

"نہیں شرما۔ گوپی ناتھ نے اس طرح کہا جیسے اس نے کوئی فیصلہ کر لیا ہو۔" "محبت میں چوٹ کھایا ہوا آدمی اگر ایک بار بغاوت کے راستے پر چل نکلے تو پھر اس کا پیچھے ہٹنا ممکن نہیں ہوتا۔" یہ کہہ کر اس نے رانا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اس وقت وہ کہاں ہے رانا؟"

رانا نے اپنی گھڑی کی جانب دیکھا شام کے سوا چھ بجے تھے۔ اس لیے وہ گوپی ناتھ سے بولا۔ "آٹھ بجے رات کو اس کی کاسینو میں ڈیوٹی شروع ہو گی اور اس وقت اسے گھر پر ہی ہونا چاہیے۔ وہاں فون بھی ہے۔"

رانا نے جیب سے ڈائری نکال کر رگھوپتی کا نمبر ڈھونڈا جسے اس نے بال پین سے اپنی ہتھیلی پر لکھ لیا اور چھوٹی سی ڈائری واپس اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ "میں اس سے یہی کہوں گا کہ تم سے ایک ضروری کام آپڑا ہے فوراً آ جاؤ۔"

تینوں ایک بار پھر خاموش ہو گئے اور بچی ہوئی بیئر تھوڑی تھوڑی ہر گلاس میں ڈال کر پینے لگے' لیکن شرما سے زیادہ خاموش نہیں رہا گیا۔ چپ رہنے سے شاید وہ نروس ہو جاتا تھا اس لیے بول پڑا۔ "گوپی ناتھ فرض کر لو کہ رگھوپتی ہمارے ساتھ شامل نہ ہو سکا تو؟"

شرما کا یہ سوال گوپی ناتھ کو کھٹکا پھر بھی اس نے جواب کے لیے اپنا سر کھجایا اور سگار جلا کر دھواں اڑانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کی آنکھوں میں چمک سی لہرانے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے اس اہم سوال کا جواب مل گیا ہو۔ وہ سگار کا ایک گہرا کش لگا کر بولا۔ "مجھے اگر یہاں سے پانچواں آدمی نہیں ملا تو میں بھارت سے کسی ایک کو بلا لوں گا دراصل ہائی جیک کرنے کے بعد جہاز کو بھارت کی سرحد میں اتارنا ہے اس لیے وہاں کا ایک آدمی ساتھ ہو گا تو ہمارے لیے زیادہ بہتر ہو گا۔"

شپرا کو تو گوپی ناتھ کی یہ بات اچھی لگی تھی لیکن اس نے کچھ کہا نہیں' مگر نائیک شرما نے فوراً ہی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں--- ہاں--- یہی بہتر رہے گا اب ہمیں رگھوپتی کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔"

اس سے پہلے کہ گوپی ناتھ کوئی جواب دیتا رانا توقع کے خلاف جلد ہی واپس آ گیا اور بولا۔ "وہ فوراً ہی نہیں آ سکے گا۔ فون پر تو وہ مجھے بے حد اپ سٹ محسوس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوا تھا۔"

"کام جانے بغیر اپ سٹ ہو گیا؟" شرما نے طنزیہ لہجے میں کہا تو رانا نے دانت پیس کر اس کی طرف دیکھا اور ذرا اونچی آواز میں بولا۔ "چپ رہو شرما۔ آدمی کی زندگی میں کچھ واقعات اچانک ہی ہو جاتے ہیں۔"

"کیا بات ہو گئی رانا؟" گوپی ناتھ اسے ٹھنڈا کرنے کی غرض سے بولا۔ "اس کی گمشدہ محبوبہ کے بارے میں کوئی بری خبر تو نہیں ہے نا؟"

"نہیں بری خبر اس کے جگری دوست اور اس کی محبوبہ کے بھائی وجے کے بارے میں ہے۔" رانا کی اتنی سی بات سن کر ہی وہ تینوں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ رانا میز پر نظریں جھکائے کہہ رہا تھا۔ "مہاراجا کے انتقال کے تیرہویں روز ہزاروں لوگوں کے سامنے "کوٹا کھانا" کی جو رسم ادا کی جائے گی وہ "کوٹا کھانا" وجے کھائے گا۔"

کیا؟" وہ تینوں حیرت سے اچھل پڑے۔

"ہاں۔" رانا نے کہا۔ "اور یہ بات رگھوپتی کو ابھی ایک گھنٹے پہلے ہی معلوم ہوئی ہے۔ اس کو اس خبر سے اتنا صدمہ پہنچا ہے کہ اس نے بہ مشکل ٹیلی فون پر مجھ سے بات کی ہے۔"

"لیکن اتنے صاف ستھرے خیالات رکھنے والا وجے بالکل آخری تختے پر جا کر کیسے بیٹھ گیا؟" نائیک شرما نے حیرت کا اظہار کیا۔ "اس کے ذہن میں یہ خیال آیا ہی کیسے؟"

"دو سال قبل جب وہ کالج میں لکچر دیا کرتا تھا تو اس کی قابلیت دیکھ کر یہی لگتا تھا کہ یہ شخص ایک دن بہت اونچے آدرش کا انسان بنے گا--- لیکن---" شپرا کا لہجہ حد درجہ افسوس ناک ہو گیا۔ "لیکن اس کے بجائے تو وہ راجا کے گناہ خریدنے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔"

"چار پانچ لاکھ کے عوض وجے اپنی ذات پات کو بیچنے والا آدمی تو نہیں ہے۔" گوپی ناتھ کو جیسے اس بات پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ "اور تو اور راج پروہت کا بیٹا ہو کر وہ ایسا کام تو کر ہی نہیں سکتا۔ میں تو یقین نہیں کرتا۔ مجھے تو اس خبر سے بڑی

حیرت ہو رہی ہے۔ اب خود ہی سوچو۔" رانا نے کہا۔ "جب یہ خبر سن کر ہی ہم لوگوں کا یہ حال ہے تو اس کے عزیزوں اور قریب کے دوستوں کا کیا حال ہوا ہو گا؟ میرا تو خیال ہے کہ رگھوپتی اب ہمارا پانچواں ساتھی نہیں بن سکے گا۔"

پانچواں ساتھی تو انہیں بھارت کے شہر پٹنہ سے ملنے ہی والا تھا' لیکن اس کے بارے میں سوچنے کے بجائے وہ چاروں وجے کی باتوں میں زیادہ دلچسپی لینے لگے۔

○

"کہاں ہے وجے؟" تانگے پر سے اترتے ہی راج پروہت نے تیزی سے دروازے کی چوکھٹ کو پار کیا اور اتنی زور سے چیخے کے مکان کی دیواریں بھی لرز گئیں۔ "کہاں ہے وہ انسانوں کا دیوتا؟"

برآمدے میں بیٹھا ہوا بوڑھا مان سنگھ تو ان کی آواز سن کر ہی کانپ اٹھا اور باورچی خانے میں سے وجے کی سوتیلی ماں اندرانی بھی بھاگتی ہوئی وہاں پہنچ گئی اور ہانپتی ہوئی بولی۔ "کیا ہو گیا پروہت جی؟"

"وہ گھر میں ہے یا نہیں؟" غصے سے لرزتے ہوئے جسم کو اپنی لاٹھی کا سہارا دیتے ہوئے راج پروہت اپنے بیٹے وجے کے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے بولے۔ "اندر کمرے میں بند ہو کر کیا کر رہا ہے وہ؟" پھر دروازے کی چوکھٹ پار کرتے ہوئے وہ ایک پل کے لیے ٹھہر گئے کیوں کہ وجے شام کی پوجا میں بیٹھا ہوا تھا' لیکن پروہت جی کے لیے اس وقت اپنے غصے کو قابو میں رکھنا دشوار ہو گیا تھا ان میں پوجا ہو جانے تک صبر کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ وجے نے گردن گھما کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ ان کا غصے سے بھنایا ہوا چہرہ انگارے برساتی ہوئی آنکھیں کانپتے ہونٹ اور لاٹھی کے ساتھ لرزتے ہوئے ہاتھ--- باپ بیٹے کی نظریں ملیں تو راج پروہت پھٹ پڑے۔

"میں راج دربار میں جو سن کر آ رہا ہوں کیا وہ سچ ہے؟"

"ہاں پتا جی۔" وجے نے جواب دیا اور اس کی گردن مجرم کی طرح جھک گئی اور کسی بھاری بوجھ سے اس کی پلکیں نیچے جھک گئیں۔ پروہت جی نے ایک قدم آگے بڑھایا اور گرج کر بولے۔ "ہاں کہہ رہا ہے کم بخت---"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی لاٹھی "سٹاک" سے اس کی پیٹھ پر دے ماری پھر گرج کر بولے۔ "کم بخت ہاں بولتے وقت تجھے شرم بھی نہیں آتی؟"

پیٹھ پر لگنے والی لاٹھی کی چوٹ بڑی سخت تھی۔ لیکن پھر بھی وجے نے "اف" تک نہیں کیا۔ اس نے اپنے پتا جی کی لاٹھی کی جانب نظر اٹھائی جو ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔ وہ اس لاٹھی کو اٹھا کر دوبارہ پتا جی کے ہاتھوں میں دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا پھر اس نے آگے بڑھ کر لاٹھی اٹھا لی اور اسے اپنے پتا جی کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میرے جرم کی آپ جتنی چاہے سزا دے دیں میں ایک لفظ بھی نہیں نکالوں گا۔"

لیکن غصے سے کانپتے ہوئے باپ کے جسم میں نہ تو اتنی طاقت تھی اور نہ ہی بازو میں اتنا زور تھا جو ان کے سینے میں ظلم کا طوفان کھڑا کر دیتا' پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتے یا کچھ کہتے دروازے پر وجے کی سوتیلی ماں اندرانی آکر کھڑی ہو گئی اور راج پروہت جی سے بولی۔ "یہ آج آپ کو ہو کیا گیا ہے؟ میرے وجے پر آپ کیوں ٹوٹ پڑے ہیں آج؟"

"یہ تمہارا وجے نہیں--- میرا لاڈلا ہے۔" بولتے بولتے راج پروہت گوری شنکر بالکل نڈھال سے ہو گئے پھر بھی لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولے۔ "راج پروہت گوری شنکر کا یہ بیٹا آج مہاراجا سری پنچ کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ یہ میری اجازت کے بغیر راج دربار میں جا کر "کوٹا کھانا" کھانے کی درخواست دے آیا ہے۔"

"ہائے---ہائے۔" اندرانی کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ "برہمن ہو کر اس نے ایسا نیچ کام کیا ہے؟"

وجے اب خاموش نہ رہ سکا وہ اپنی سوتیلی ماں اندرانی کو گھورتے ہوئے بولا۔ "ماں برہمن کے سوا کسی اور کو کوٹا کھانا کا فائدہ نہیں ملتا۔ راجاؤں کے گناہوں کے بوجھ کو صرف ایک برہمن ہی اپنے سر لے سکتا ہے۔"

"ارے مگر نیپال میں نچلے درجے کے برہمنوں کی کمی کہاں ہے کہ گناہوں کی گٹھڑی کو تم اپنے سر پر اٹھانے کے لیے تیار ہوئے؟" اتنا کہہ کر راج پروہت جی

ایک اور لاٹھی اس کی پیٹھ پر مارنا چاہتے تھے لیکن ان کے کمزور ہاتھوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور وہ وہیں کھڑے کھڑے بولے۔ "برہمن ہونے کے باوجود جسے لکشمی دیوی کی لالچ ہوتی ہے وہی نچلے درجے کا شخص راجا کے گناہوں سے ملا ہوا کھانا کھانے کے لیے تیار ہوتا ہے جبکہ تم تو---"

"نہیں پتا جی---" وجے بول پڑا۔ "ہماری مذہبی کتاب میں یہ بات بالکل صاف لکھی ہوئی ہے کہ----"

"کیا؟" راج پروہت نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ دی اور کہا۔ "اب مجھے تم سے شاشتر کی تعلیم لینا ہو گی؟ بتاؤ کیا لکھا ہے شاشتر میں؟"

"یہی کہ اگر کوئی اونچی ذات کا برہمن راجا کے پاپ کو اپنے سر لے لے تو مرنے والے راجا کے تمام گناہ دھل جاتے ہیں۔" وجے نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔ "لالچی---جھوٹا اور بدکردار شخص خالص برہمن ہونے کے باوجود برہمن نہیں کہلاتا۔"

راج پروہت گوری شنکر اس طرح کھاٹ پر بیٹھ گئے جیسے بیٹے کی دلیل سے انہیں سخت دھچکا لگا ہو۔ انہیں کسی بھی طرح بیٹے کو اس راستے سے واپس لانا تھا۔ غصے میں ان کے ہوش اڑے ہوئے تھے اور دماغ کچھ سوچ نہیں پا رہا تھا۔ اس لیے اپنے دل و دماغ کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے انہوں نے کچھ وقت لیا پھر درمیان میں کھڑی ہوئی اپنی بیوی پر نظر ڈالی۔ ان کا جی چاہا کہ وہ اپنی بیوی کو وہاں سے ہٹ جانے کے لیے کہہ دیں لیکن اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا کیوں کہ جسے سننا ہے وہ نظروں سے دور رہ کر بھی سن سکتا ہے۔

"وجے تمہیں کس نے ایسا کرنے کا مشورہ دیا ہے؟" ایک گہرا سانس لے کر راج پروہت جی نے پوچھا۔ "پشتوں سے سنبھال کر رکھا ہوا ہمارا یہ راج پروہت کا عہدہ ہمارے نیک نام خاندان کی عظمت اور گناہوں سے دور رہنے کا ہمارا یہ چلن--- ان سب کا تمہیں ذرا بھی خیال نہیں آیا؟" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر ہوشیار اور عقل مند ہونے کے باوجود تم راجا کے گناہوں کو اپنے سر لینے کے لیے کیسے تیار ہو گئے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"نہیں پتا جی مجھے کسی نے راجا کے گناہ اٹھانے کا مشورہ نہیں دیا ہے۔" وجے نے باپ کی بات سن کر ان کی طرف دیکھا اور گردن جھکا کر بولا۔ "نہ تو میں نے کسی سے کچھ پوچھا ہے اور نہ ہی کسی نے مجھے کچھ کہا ہے۔"

"اگر مجھے معلوم ہوتا بیٹے تو تمہیں روکنے کے لیے میں یہ لاٹھی نہیں بلکہ آنگن میں پڑی ہوئی کلہاڑی اٹھا لیتا۔" راج پروہت نے گھمبیر لہجے میں کہا لیکن ان کی بات سن کر نہ تو وجے کو کوئی جھٹکا لگا اور نہ ہی اس نے جواب میں کچھ کہا۔ وہ چپ چاپ اپنے پتا جی کو دیکھ رہا تھا جو کہہ رہے تھے۔ "تمہیں پتا ہے راجا کے گناہ کا بوجھ اٹھانے والے کو لوگ کتنی نفرت سے دیکھتے ہیں؟ اسے سب سے بڑا پاپی سمجھ کر اس پر تھوکتے ہیں۔ پتھر پھینکتے ہیں اور اس طرح وہ جیتے جی قتل ہو جاتا ہے۔" بولتے بولتے راج پروہت آبدیدہ ہو گئے اور "بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔" پاپ کی ساری دولت اس کے حوالے کر کے اسے ملک سے نکال دیا جاتا ہے اور پھر وہ نیپال کی دھرتی پر زندگی بھر قدم نہیں رکھ سکتا۔"

"میں جانتا ہوں پتا جی کہ مجھے اپنا یہ ملک چھوڑنا پڑے گا۔" اتنا کہہ کر وجے نے اپنی سوتیلی ماں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ماں جی آپ کو تو اس بات سے خوشی ہونی چاہیے---"

یکایک اندرانی نے اپنا چہرہ اس طرح پھیر لیا جیسے وہ وجے کی بات سن ہی نہ رہی ہو۔ لیکن راج پروہت کی تجربہ کار آنکھوں نے اس کی یہ چوری پکڑ لی اور دوسرے ہی لمحے انہیں لگا کہ کیا وجے اس گھر کے گھٹن آلود ماحول سے نکل جانے کے لیے ہی یہ راستہ اپنایا ہے؟ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے کہا۔ "بیٹے اپنا گھر اور ملک اگر تمہیں چھوڑنا ہی ہے تو کسی اچھے کام کی خاطر چھوڑتے۔ پاپ کی دولت تو تمہیں تباہی و بربادی کے راستے پر لے جائے گی اور تمہیں دیوتا سے درندہ بنا دے گی--- نہیں--- نہیں وجے میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

یہ سن کر وجے کی سوتیلی ماں چپ نہ رہ سکی اور راج پروہت جی سے بولی۔ "آپ جسے اپنا ہونہار پوت کہتے نہ تھکتے تھے اس کا اصل روپ آج آپ کے سامنے آ ہی گیا نا؟" آپ کے بیٹے کو مستقبل میں ملنے والے راج پروہت کے عہدے میں کوئی

فائدہ نظر نہیں آیا ہو گا اور اسے دولت سے کس قدر محبت ہے اس کا اندازہ بھی آج آپ کو ہو گیا ہو گا لیکن مجھے تو یہ بات پہلے ہی معلوم تھی کہ جو گوری چمڑی والی لڑکیوں کے ساتھ گائیڈ بن کر گھومتا پھرتا ہو اس کا کردار صاف کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہاں---" وجے کا جی چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر کہہ دے کہ تم ہی نے تو مجھ سے بن باس پر چلے جانے کا وعدہ لیا تھا اور اب الٹا مجھ پر ہی الزام لگا رہی ہو؟ لیکن یہ باتیں کرنے کے بجائے اس نے اپنے باپ سے کہا۔ "پتا جی آج تک میں صرف آپ کی وجہ سے ہی یہاں جکڑا ہوا پڑا ہوں۔ مگر میں اتنے بڑے کھٹمنڈو میں اپنی زندگی گزار دینا نہیں چاہتا۔ میں نے غیر ملکیوں کا گائیڈ بن کر دنیا بھر کی باتیں سنی ہیں اور اس کے بعد مجھے یہاں کی دنیا بڑی اندھیری اندھیری سی لگنے لگی تھی۔ مجھے ایک آزاد پرندے کی طرح اڑنا ہے اور اس کے لیے دولت کی ضرورت پڑتی ہے۔ چاہے وہ دولت نیک اور سیدھے راستے سے آئی ہو یا پاپ کے راستے سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پانچ روپے کا ایک نوٹ کسی پجاری کا ہو یا کسی طوائف کا بازار میں اس کی قیمت برابر کی ہی ہوتی ہے۔"

وجے کی زبان سے نکلا ہوا یہ آخری فقرہ کسی آتش فشاں پہاڑ کی طرح راج پروہت کے دماغ میں پھٹنے لگا۔ ان کی آنکھوں میں یکایک ہی سرخی سی دوڑنے لگی اور بولے۔ "تم--- تم--- یہ کیا کہہ رہے ہو؟" وہ اٹھے اور آگے بڑھ کر انہوں نے وجے کے سر کے لمبے بالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں جکڑ لیا پھر چیخ کر آگے بولے۔ "کھڑے ہو جاؤ--- اور نکل جاؤ میرے گھر سے میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ چلے جاؤ۔" انہوں نے وجے کو دھکیل دیا۔

اندرانی نے لپک کر اپنے شوہر کو وہاں سے ہٹایا راج پروہت جی پسینا پسینا ہو رہے تھے۔ اس دوران باہر سے مان سنگھ بھی بھاگتا ہوا آ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اس معاملے میں کچھ بول نہیں سکتا تھا' لیکن اندر ہی اندر وہ اس بات سے واقف تھا کہ سوتیلے اور سگے بیٹے کے درمیان کے بھید نے گھر کا سکون برباد کر رکھا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر وجے کو سہارا دیا اور فرش پر سے اٹھنے میں اس کی مدد کرتے ہوئے کہا۔ "بڑے بھائی--- اپنے باپ کا دل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دکھا کر دنیا سے ملنے والی بے شمار دولت کے باوجود تم کبھی بھی زندگی میں سکھی نہیں رہو گے۔"

وجے نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور چپ چاپ دروازے کی جانب قدم بڑھا دیے۔ پھر وہ جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچا اس کی گردن آپ ہی آپ راج پروہت گوری شنکر کی جانب گھوم گئی۔ وہ بری طرح ہانپ رہے تھے اور اپنی بیوی اندرانی کا سہارا لیے ہوئے کھڑے تھے۔ انہوں نے وجے کو اپنی جانب دیکھتے ہوئے پا تو غصے سے بولے۔ "میری طرف سے اپنا چہرہ پھیر لو۔ اور کان کھول کر سن لو کہ اس گھر میں اپنے ناپاک قدم مت رکھنا۔ میرا اب ایک ہی بیٹا ہے--- میرا کپیل---"

وجے نے خاموشی سے اپنے باپ کی بات سنی اور پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر انہیں آخری پرنام کیا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

"سنتے جاؤ۔" اپنی پیٹھ پر اس نے پھر پتا جی کی آواز کی گرمی محسوس کی۔ "شاید اپنے دل میں یہی سمجھ رہے ہو کہ میں تمہیں باپ کی وہ دولت حاصل کرنے دوں گا؟ لیکن راج دربار میں ابھی بھی میری بات کا بہت وزن ہے۔ کوٹا کھانے کے لیے تمہیں ناموزوں قرار دے دوں گا پھر دیکھنا تمہاری کیسی بری گت بنتی ہے نہ تم گھر کے رہو گے اور نہ ہی گھاٹ کے تم در در کی بھیک مانگ کر بھٹکتے رہو گے اور ٹھوکریں کھاتے رہو گے۔ جاؤ اب باپ کی یہ بددعا لے کر نکل جاؤ گھر سے۔"

باہر سے مضبوط اور اٹل لیکن اندر سے ٹوٹا پھوٹا ہوا وجے باپ کی اس بددعا پر بھی چپ رہا۔ وہ کچھ کہے بغیر دھیرے سے دروازے سے باہر نکل گیا۔

○

پشپتی ناتھ مندر کی آرتی ختم ہو گئی۔ گھنٹیوں کی آوازیں بھی دھیرے دھیرے بند ہو گئیں۔ لوگ آہستہ آہستہ بکھرنے لگے لیکن پھر بھی مہادیو کے دروازے کے سامنے سے اس نے اپنا جھکا ہوا سر نہیں اٹھایا۔ زمین کی ٹھنڈک سے اس کے سلگتے ہوئے ماتھے کو کچھ تسکین سی مل رہی تھی۔ دیوتا کے قدموں میں اس کے تڑپتے ہوئے دل

سکون سا مل رہا تھا۔ بند پلکوں کے اندر سمائی ہوئی بھگوان شنکر کی مورتی سے وہ جیسے کہہ رہا ہو۔ "بھگوان شنکر آپ تو مہادیو نیل کنٹھ کہلاتے ہیں لیکن میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔ جو مہاراجا کے گناہوں کا زہر پینے کے لیے تیار ہوا ہوں۔ کھانے میں ملایا ہوا پاپ کا وہ زہر میرے جسم میں داخل ہو کر میرے خون' میرے گوشت اور میری کھال میں بھی سرایت کر جائے گا' مگر آپ جانتے ہیں کہ اس زہر سے میرا جسم اور میری روح ناپاک نہیں ہوگی۔ بس میں آپ سے یہی بھیک مانگ رہا ہوں کہ میری روح غلیظ نہ ہونے پائے۔"

ٹھیک اسی وقت اسے اپنی پیٹھ پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا اور تب اسے یوں لگا جیسے بھگوان شنکر نے اس کی دعا قبول کر لی ہو۔ اس نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھا کر دیکھا تو اس کے سامنے مندر کا پجاری رنگا اچاریہ کھڑا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں آرتی کے جلتے ہوئے دیئے کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس نے وجے کو بانہوں سے پکڑ کر اٹھایا اور بڑے پیار سے پوچھا۔ "تم بھولے ناتھ سے کیا مانگ رہے تھے وجے؟"

سوال سن کر وجے کی پلکیں پھڑک اٹھیں۔ "میں معافی مانگ رہا تھا پنڈت جی۔ آپ نہیں جانتے کہ میں---"

"میں جان چکا ہوں وجے۔" پنڈت رنگا اچاریہ نے اسے چونکا دیا۔ "کہ تم سورگباشی مہاراجا کا پاپ کھانے کے لیے تیار ہو گئے ہو۔"

وجے کی گردن جھک گئی مگر پھر پجاری نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "راج دربار میں سے میں اور تمہارا پتا جی ساتھ ہی باہر نکلے تھے لیکن اس سے پہلے میں نے انہیں اس قدر پریشان کبھی نہیں دیکھا تھا۔" اتنا کہہ کر پجاری رک گیا تو وجے نے گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ نفرت کے بجائے اس کی آنکھوں میں ہمدردی دیکھ کر اسے ذرا حیرت سی ہوئی۔

"شاید آپ کو مجھ پر رحم آ رہا ہے پنڈت جی؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"رحم اور نفرت کرنے والا میں کون ہوتا ہوں؟" پنڈت جی نے ہمدردی سے کہا۔ "لیکن میں نہیں جانتا کہ ایسا فیصلہ تم نے کیوں کیا ہے اور پوچھوں گا بھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں۔۔۔"

"شاید آپ اس لیے نہیں پوچھ رہے کہ میں پرایا ہوں؟"

"نہیں میں اس لیے نہیں پوچھ رہا ہوں کہ تم ایک نیک آدمی ہو۔" پنڈت جی نے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو بھی چند دنوں کے بعد میں پاپی ہو جاؤں گا۔" وجے نے کہا۔ "اور لوگ مجھے ایک برہمن کی بجائے کچھ اور سمجھنے لگیں گے۔"

پجاری اس کی بات سن کر خاموش رہا۔ اس کی یہ خاموشی وجے کو بڑی پراسرار لگ رہی تھی اور وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا اس کے پتا جی کی طرح یہ پنڈت جی بھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ کوٹا کھانے کے لیے مجھے ناموزوں قرار دے دیا جائے گا۔ اچانک مندر کے ایک دروازے کو بند ہوتے دیکھ کر اسے یاد آگیا اور وہ جلدی سے بولا۔ "پنڈت جی پانچ روز بعد مجھے راج دربار میں حاضر ہونا ہے اس وقت تک اگر میں مندر میں آسرا مل جائے تو۔۔۔"

"یہ تو بھگوان کا گھر ہے بھائی تم خوشی سے رہو۔" پنڈت جی نے کہا۔ "پچھواڑے مسافروں کے لیے کمرہ خالی ہی پڑا ہے۔ صبح شام تمہیں کھانا بھی پہنچ جائے گا۔"

"کھانے کی تکلیف۔۔۔" وجے کہتے کہتے رک گیا پھر چند لمحوں بعد آگے بولا۔ "بہتر ہے پنڈت جی۔ اب تو مجھے ہمیشہ کے لیے ہی رخصت ہونا ہے اس لیے جاتے مہادیو شنکر بھگوان کا پرشاد پیٹ بھر کر کھا لوں گا۔"

پنڈت جی ایک ٹک اسے دیکھتا رہا یوں لگ رہا تھا کہ ہمیشہ کے لیے رخصت جانے والی بات اس کے دل کو نہ لگ رہی ہو۔

○

شام کے پرسکون ماحول میں وجے مندر کے پچھواڑے بہنے والی ندی کنارے بڑی دیر سے بیٹھا نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔ دھندلے دھندلے سے اجالے میں اس وقت باغپتی ندی کا پھیلاؤ بھی بہت کم نظر آ رہا تھا۔ اس ندی کے اس

پر آج سے پانچ روز پہلے اسی شام کے وقت مہاراجا اندر بھوشن سری پنچ کی لاش کو جلایا گیا تھا۔ اس وقت یہاں لوگوں کا کس قدر ہجوم تھا۔ انسانی جسم کو آگ کے شعلوں میں جھلتا اور جلتا دیکھنے کے لیے غیر ملکی مہمانوں کے لیے سامنے والی پہاڑی پر ایک بہت بڑا شامیانہ لگا دیا گیا تھا۔ کئی لوگ تو دوپہر ہی سے دوربین اور کیمرے لے کر بیٹھ گئے تھے لیکن اس قدر بھیڑ میں بھی جولی نے اسے ڈھونڈ لیا تھا۔ اس وقت اس نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ "وجے تمہارے بغیر ہمیں کون اس رسم کے بارے میں بتائے گا؟" یہ کہہ کر وہ اسے کھینچ کر اس شامیانے میں لے گئی تھی۔ مہاراجا اندر بھوشن کی لاش کو جب سوکھی لکڑیوں کی چتا پر رکھ دیا گیا تھا تو اس وقت جولی کی ممی نے کہا تھا۔ "کتنی عجیب سی بات ہے؟ ساری زندگی مخمل کے بستروں پر سونے والے جسم کو سلگتی ہوئی لکڑیوں پر سلا کر رخصت کیا جاتا ہے۔۔۔"

پھر جب چتا کو آگ لگائی گئی تو بہت سارے غیر ملکیوں کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکل پڑیں تھیں اور کوئی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ جس شخص کی موت پر ہزاروں لوگ آنسو بہا رہے ہیں اس کے جسم کو اتنی بے دردی سے کس طرح جلایا جا رہا ہے؟" یہ سن کر وجے نے ان غیر ملکیوں کو اپنے ہندو دھرم کے رسم و رواج اور عقیدوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس نے غیر ملکیوں کو بتایا کہ ہمارے عقیدے کے مطابق جسم فانی ہے جس میں سے اگر روح نکل جائے تو یہ بے کار ہو جاتا ہے، مگر روح امر ہو جاتی ہے۔ وہ ابھی اپنے مذہب کے بارے میں لوگوں کو بتا ہی رہا تھا کہ اچانک جولی نے اسے روک دیا اور اس کی توجہ راجا کی جلتی ہوئی چتا کی جانب مبذول کراتے ہوئے بولی۔ "وہ دیکھو وہ تین چار آدمی مہاراجا کی کھوپڑی میں سلاخیں بھونک کر کیا کر رہے ہیں؟"

وجے نے اس طرف دیکھا لیکن اس طرح چپ رہا جیسے کسی نے اس کی دکھتی رگ دبا دی ہو لیکن اس وقت تک مہاراجا کی کھوپڑی میں سے نکالے ہوئے ہڈیوں کے ٹکڑوں کو ایک مٹی کے برتن میں رکھ دیا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر جولی نے پوچھا۔ "کیا اب مٹی کے اس برتن کو بھی ندی میں بہا دیا جائے گا؟"

"نہیں ان چھوٹی ہڈیوں کو کوٹا کھانا کی رسم ادا کرنے کے لیے محفوظ رکھا جائے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گا۔" وجے کو مجبوراً سمجھانا پڑا۔ "جو برہمن مہاراجا کے گناہ اپنے سر لینے کے لیے تیار ہو گا اس کے کھانے میں ان ہڈیوں کو پیس کر ملایا جائے گا۔"

"ہڈیاں؟" چونک کر جولی نے پوچھا تھا۔ "بھلا ہڈیوں کا مہاراجا کے پاپ سے کیا تعلق ہے؟"

"مس جولی اگر یہ سوال تم نے گزشتہ کل پوچھا ہوتا تو میں جواب نہ دے پاتا۔" وجے نے کہا۔ "لیکن آج صبح ہی میں نے اس رسم کے بارے میں تفصیل سے پڑھا ہے۔ پاپ دراصل انسان کے دماغ ہی سے نکلتا ہے--- ہوس' خودغرضی اور لالچ آدمی کے دل میں جنم لیتے ہیں۔ کھوپڑی کے اگلے حصے سے ہڈی کا ایک ٹکڑا نکال کر اسے خالص شہد میں پیس کر ڈال دیا جاتا ہے پھر اچھی طرح گھونٹ کر اسے اس برہمن کے کھانے میں ملا دیا جاتا ہے۔ اس طرح کھانے والے برہمن کے پیٹ میں مہاراجا کا سارا پاپ چلا جاتا ہے۔ اس طرح مرنے والا مہاراجا بالکل بے گناہ مرتا ہے۔"

اوہ--- حیرت انگیز--- جولی بول اٹھی۔ "مگر وہ کھانا کھانے والا کون ہے؟"

یہ سن کر اس نے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا تھا۔ کل جولی اپنے ڈیڈی ا ممی وغیرہ کے ساتھ بھارت جانے والی تھی اور وہ اسے یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ کھانے والا برہمن وہ خود ہو گا۔

مہاراجا کے چتا کی راکھ کو دریا میں بہا دیا گیا اور اس کی آخری رسم ادا ہو گئی سب لوگ دھیرے دھیرے بکھرنے لگے اور تب جولی نے موقعہ پا کر اس سے پوچھ لیا "وجے کل ایئرپورٹ پر سب لوگوں کے سامنے تو میں پوچھ نہیں سکوں گی۔ کل رات میری پیش کش اور تمہارے فیصلے کے درمیان مہاراجا کی موت کی خبر آ گئی تھی اس لیے اس وقت میں تمہارا جواب مانگ رہی ہوں۔"

یہ سن کر اچانک وجے کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا' مگر پھر بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر وہ بولا۔ "تم لوگ تو بارہ دن بعد واپس نیپال آ ہی رہے نا---" جان بوجھ کر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی وہ جولی کو دھوکے میں نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی کوئی بھید کھولنا چاہتا تھا اسی لیے تو دوسرے دن صبح اس ایئرپورٹ جانے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی۔

وہ انہی سب باتوں میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ چونک پڑا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو رگھوپتی اس کے قریب کھڑا تھا۔ نہ جانے وہ کتنی دیر سے وہاں کھڑا ہو۔ اندھیرے میں اس کے چہرے کے تاثرات صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔ لیکن اس کی چمکتی آنکھوں میں بہت سارے سوالات مچل رہے تھے اور وہ خود کو مجرم سمجھ رہا تھا کیوں کہ بچپن کے اس دوست سے اس نے شاید ہی کوئی بات کبھی چھپائی تھی' لیکن پچھلے پانچ دنوں میں پیش آنے والی دو اہم باتوں کو اس نے رگھوپتی سے چھپانے کا جرم کیا تھا۔ جس میں سے پہلی بات وہ تھی جس میں اس کی سوتیلی ماں نے اس سے بن باس پر چلے جانے کا وعدہ لیا تھا اور دوسری بات سورگیاشی مہاراجا کے گناہ کو اپنے سر لینے کا عہد تھا۔

"تم کب آ گئے رگھوپتی؟" وجے نے پوچھا مگر فوراً ہی اسے خیال آ گیا کہ اس نے غلط ابتدا کی ہے۔ اسے تو رگھوپتی سے یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ تمہیں میری یہاں موجودگی کا پتا کیسے چلا؟ اسے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ خود رگھوپتی کی چمکتی ہوئی آنکھیں اس سے پوچھ رہی ہیں بتاؤ وجے تم نے یہ راستہ کیوں اپنایا ہے؟ مجھے پہلے سے کیوں نہیں آگاہ کیا؟

"تم آج کاسینو میں نہیں گئے؟" کافی دیر بعد وجے نے دوسرا سوال کیا' لیکن پھر اسے لگا کہ آدمی جب خود ہی ٹھیک طور پر جواب نہ دے سکتا ہو تو وہ سوالات بھی غلط پوچھ بیٹھتا ہے۔

"کاسینو؟" رگھوپتی کے لہجے میں جوش نہیں تھا۔ وہ بہت ہی بجھی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "جسے اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھا تھا وہی دوست اگر اپنی زندگی کا جوا کھیلنے کے لیے تیار ہو جائے تو پھر کاسینو میں جا کر پرائے لوگوں کو جوا کھلانے کا دل کیسے چاہے گا؟"

رگھوپتی کا جواب سن کر وجے نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔ "جانتا ہوں کہ زندگی کے جوئے خانے کا میں ایک اناڑی کھلاڑی ہوں لیکن دوست اب جبکہ داؤ کھیل ڈالا ہے تو مجھے روکنا مت اور ٹوکنا بھی مت۔"

"ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دوں کہ جوا کھیلنے کی وجہ بھی مت پوچھنا۔" رگھوپتی طنز

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے بولا۔

"چلو ہم اندر بیٹھتے ہیں۔" وجے نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور اسے کمرے میں لے گیا۔ دونوں کمرے میں بتی جلائے بغیر اس طرح زمین پر بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گئے جیسے روشنی دونوں کو ہی ناپسند ہو۔

"پچھلے ایک ہفتے میں اتنی بہت ساری باتیں بنتی گئیں کہ میں بالکل گھبرا گیا تھا رگھوپتی۔" اتنا کہنے کے بعد وجے نے بنارس سے آئے ہوئے ماما کے خط سے لے کر سوتیلی ماں اندرانی سے کیے ہوئے وعدے اور جولی کی شادی کی پیش کش کی ساری تفصیل اسے بتا دی۔ جسے سن کر رگھوپتی صرف چند لمحوں کے لیے چپ رہا۔

"ان تین باتوں سے کوٹا کھانا کا کیا تعلق ہے وجے؟" رگھوپتی نے کہا۔ "ماں سے کیے ہوئے وعدے نے تو خودبخود تمہارے لیے دو دروازے کھول دیئے تھے۔ تم بنارس جا کر ماموں کی پسند کی ہوئی لڑکی سے شادی کر سکتے تھے یا جولی کو اپنا کر اس کے ساتھ اس کے ملک میں جا کر بس سکتے تھے' لیکن ان دونوں باتوں کے بجائے تم نے تو گناہ کے اس ڈھیر کو۔۔۔۔"

"رگھوپتی۔" وجے نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔ "ان دونوں صورتوں میں بات تو شادی پر ہی ختم ہوتی تھی۔ فرض کرو کہ میرے بجائے یہ صورت حال تمہیں پیش آتی ہو؟"

"میری بات مت کرو وجے۔" رگھوپتی گھمبیر لہجے میں بولا۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ روکھی کی جدائی کا زخم ابھی میرے دل میں تازہ ہے۔"

"روکھی کا زخم۔۔۔؟" وجے کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ "جسے تم نے اپنے دل سے اپنا مان لیا تھا اس روکھی کا زخم تمہارے لیے تازہ ہے اور جس کی وہ ماں جائی بہن تھی۔ مرتے وقت جسے میری ماں نے میری گود میں ڈالا تھا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے دل کا زخم بھر گیا ہے؟"

جواب میں رگھوپتی چپ رہا وہ وجے سے یہ نہیں کہہ سکا کہ بہن اور محبوبہ کی جدائی کا دکھ الگ الگ ہوتا ہے۔ بہن کی جدائی میں کوئی بھائی زندگی بھر کنوارا رہ جائے تو ایسا دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا جب کہ محبوبہ کی جدائی میں زندگی بھر کنوارے رہنے

والے بہت مل جاتے ہیں۔

"اور دوسری ایک بات۔" وجے نے پھر کہا۔ "شاید تم میری اس بات پر یقین نہ کرو لیکن میرے دل میں آئی ہے اس لیے کہہ رہا ہوں۔" اتنا کہہ کر وجے نے باہر اندھیرے میں جھانکا پھر انتہائی جذباتی ہو کر بولا۔ "اس شام جب میں کنواری دیوی کے درشن کے لیے گیا تھا تب پہلی بار مجھے کنواری دیوی کے چہرے میں روکھی کے چہرے کی جھلک نظر آئی تھی۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی۔۔۔ بھائی مجھے بچاؤ۔۔۔ مجھے اس جنم میں سے باہر نکالو۔"

رگھوپتی کانپ اٹھا۔ "جنم میں سے؟"

"شاید یہ میرا وہم بھی ہو رگھوپتی۔" وجے نے کہا۔ "لیکن اگر کسی کنواری لڑکی کو اغوا کر کے غائب کر دیا جائے تو یا تو وہ مر کر جنت کو سدھار چکی ہوتی ہے یا جیتے جی جہنم میں پہنچ جاتی ہے۔ اس کے سوا اس کے پاس تیسرا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔"

اس گفتگو کے بعد دونوں دیر تک خاموش رہے۔ آسمان پر نکلنے والا چاند دھیرے دھیرے اندھیرے کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا' اور رگھوپتی اندر سے پگھلتا جا رہا تھا۔ راجا کے پاپ کی گٹھری اٹھائے وجے تو اپنی بہن روکھی کی کھوج میں جا رہا تھا اور وہ اس کا ساتھ بھی نہیں دے سکتا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو رگھوپتی؟" وجے نے اس کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"جو تم سوچ رہے ہو وہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" رگھوپتی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔ "ایک وعدہ کرو کہ روکھی کی تلاش میں تم مجھے بھی ساتھ رکھو گے۔"

وجے نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لینا چاہا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا۔ وہ رگھوپتی کی ضدی طبیعت سے خوب اچھی طرح واقف تھا' اور وعدہ لینے کا اسے حق بھی حاصل تھا۔

ٹھیک ہے دوست ایک بار مجھے ملک بدر ہو جانے دو وجے نے کہا۔ "پھر پاپ کی اس دولت سے ہی ہم پاپیوں کو مل کر تلاش کریں گے۔"

اس کے بعد رگھوپتی کو کچھ پوچھنے اور کچھ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وجے کے ساتھ اس جگہ رات گزارنے کی خواہش نے اس کے دل میں بہت زور مارا لیکن وہ رانا کو اپنے گھر میں بیٹھا کر آیا تھا۔ اس لیے وہ وجے سے صبح آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

○

چٹائی پر لیٹنے کے بعد وجے نے ہاتھ کا سرہانہ بنایا اور سو جانے کی کوششیں کرنے لگا' مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ابھی اس کی آنکھ پوری طرح لگی بھی نہیں تھی کہ اچانک اس کی سماعت سے کسی عورت کی چیخ سنائی دی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ "کون ہے؟" وہ چیخ کر پوچھنے ہی والا تھا کہ اسے خیال آگیا کہ وہ اپنے گھر میں نہیں بلکہ مندر کے پچھواڑے والے کمرے میں لیٹا ہوا ہے۔ کمرے کے کھلتے ہوئے دروازے سے چاند کی روشنی داخل ہو کر اس کی چٹائی پر پھیلی ہوئی تھی اور باہر گہرا سناٹا طاری تھا--- تو پھر چیخ کس کی تھی؟ اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر اس نے خود سے پوچھا--- کیا واقعی وہ کسی لڑکی کی چیخ تھی یا یہ اس کا وہم تھا؟ کہیں اس نے خواب میں کسی کی چیخ تو نہیں سنی تھی؟ ممکن ہے نیند میں روکھی کو یاد کرتے کرتے اس کی چیخ سنائی دی ہو؟

سوچتے سوچتے اسے یاد آگیا کہ روکھی بھی ایک بار اسی طرح چیخ پڑی تھی۔ وہ اسے سائیکل پر بیٹھا کر اسکول چھوڑنے جا رہا تھا کہ سامنے سے ٹورسٹ بس پوری رفتار سے دوڑتی ہوئی آ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں ڈرائیور بس پر قابو نہیں رکھ سکا تھ اور بس سیدھی اس کی سائیکل پر چڑھی آ رہی تھی' لیکن بالکل آخری لمحے میں اس نے ہنڈل کو موڑ کر خود کو اور روکھی کو بچا لیا تھا' مگر اس سے پہلے روکھی کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی تھی۔ اور پھر چوبیس گھنٹے تک روکھی اس خوف سے ایک لفظ نہیں بول سکی تھی اور تب اس نے روکھی کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔ "ارے پگلی تو تو سائیکل کے پیچھے بیٹھی تھی اس وقت میں اگر تنہا ہوتا تب بھی یہی ہوتا۔"

"نہیں بھیا۔" روکھی نے جواب میں کہا۔ "میں تو ہوں ہی بدنصیب اور منحوس میری پیدائش کے دو سال بعد ہی ماں ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔" پھر ایک سرد آہ بھر کر

اس نے آگے کہا تھا۔ "تمہیں معلوم ہے بھیا کہ بابا نے میری جنم کنڈلی بنا کر پیٹی میں رکھ دی ہے اس جنم کنڈلی میں میری بدنصیبی لکھی ہوئی ہے۔"

"یہ تم سے کس نے کہا؟" اس نے چونک کر روکھی سے پوچھا تھا۔

لیکن روکھی کے جواب سے پہلے ہی پتا جی وہاں آ گئے تھے اور یہ بات چیت ادھوری رہ گئی تھی۔ وجے نے ان تمام خیالوں کو ذہن سے جھٹک دیا اور سونے کے لیے پھر چٹائی پر لیٹ گیا لیکن دل کی بے چینی نے اس کو اس کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ آدمی کو جب اپنے ناپسندیدہ خیالات سے چھٹکارا پانا ہوتا ہے تو وہ اپنی کسی پسندیدہ شخصیت کے بارے میں سوچنے لگتا ہے' مگر اس بدلے ہوئے ماحول اور کروٹ بدلتے ہوئے حالات نے اسے جولی کی سحر انگیز شخصیت سے بھی پرے ہی رکھا۔ تنگ آکر وہ چٹائی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا گلا سوکھ رہا تھا۔ اس نے باہر آکر نل سے پانی پیا اور چاندنی رات میں ٹہلنے کی غرض سے ندی کنارے بڑھتا چلا گیا۔

آسمان پر پھیلے ہوئے بادلوں کے درمیان ستارے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ وجے بادلوں میں ڈھکے ہوئے آدھے چاند کو دیکھتا ہوا لکڑی کے چھوٹے سے پل پر آگیا اور باغیتی ندی کے پانی میں چاند کا عکس دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر تک چاروں طرف پھیلے ہوئے سناٹے کو دیکھنے کے بعد وہ واپس جانے کے لیے مڑا لیکن تب ہی---- اچانک ہی اس کی نظر شمشان گھاٹ پر جلتی ہوئی چتا پر رکی تو وہ بری طرح چونک گیا یوں لگ رہا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی یہ چتا جلائی گئی ہے۔ اس نے بہت غور سے اس جانب دیکھنے کی کوشش کی تو چتا کے آس پاس اسے دو چار انسانی سائے دکھائی دیئے جو چتا کی آگ کو بجھانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے چتا کی راکھ کو ٹھنڈی کر کے وہ لوگ جلد سے جلد وہاں سے چلے جانا چاہتے ہوں۔

وجے نے اپنے اندر بھی شمشان جیسی آگ محسوس کی اور پھر سر جھٹک کر واپسی کے لیے چل پڑا۔ کھلے ہوئے دروازے سے وہ کمرے میں داخل ہوا اور چٹائی پر لیٹ گیا۔ مہاراجا کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر لینے کے لیے ابھی چند دنوں کی دیر تھی اور اتنے دنوں تک اسے سماج کا سامنا کرنے کے لیے پوری طرح تیار رہنا تھا اور اس کے لیے اسے پرسکون نیند کی سخت ضرورت تھی--- شاید تھوڑی دیر میں ہی اسے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایسی پرسکون اور گہری نیند آ گئی ہوتی لیکن دور سے آنے والے گھنٹے کی آواز نے رات کی گہری خاموشی کو توڑ کر اسے پھر چونکا دیا۔ اس کے بدن میں ایک عجیب سی کپکپاہٹ دوڑ گئی--- وہ اچانک ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دروازے سے نکل کر بھاگتا ہوا لکڑی کے اس پل پر پہنچ گیا۔ اس کا اندازہ درست نکلا۔ دور شمشان گھاٹ پر چتا اب بھی جل رہی تھی لیکن اب اس کے آس پاس کوئی انسانی سایہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

پل کی ریلنگ پر مٹھیاں مارتے ہوئے وہ خود کو کوسنے لگا۔ آہ مجھے اس کا خیال پہلے ہی کیوں نہیں آ گیا؟ کلائی پر باندھنے والی گھڑی کے بغیر بھی تو میں وقت کا اندازہ لگا سکتا تھا؟ دور بجتے ہوئے گھنٹے کی آواز سن کر ہی یہ پتا چلا کہ رات کے دو بج چکے ہیں لیکن آدھی رات کے بعد شمشان گھاٹ پر کسی کی چتا کو آگ لگانے کی اجازت ہی کہاں ہے؟ یقیناً کچھ لوگوں نے رات کے اندھیرے میں کسی کو جلا دیا ہے--- دور بھڑکتی ہوئی چتا کی آگ کو وہ ایک ٹک دیکھتا رہا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے یہ چتا ہی چیخ رہی تھی۔ یکایک اس کے دل میں بھی دوڑ کر وہاں پہنچ جانے کی خواہش نے زور کیا لیکن اپنے جوش کو اسے اپنے قابو میں ہی رکھنا پڑا۔

وہ جلتی ہوئی چتا پر نظریں جمائے سوچ رہا تھا کہ کبھی کبھی جب غیر معمولی حالات ہوں تو چتا جلانے کے لیے رات کے بارہ بجے کے بعد بھی حکومت کی اجازت مل جاتی ہے اسے برسوں پہلے کی ایک بات یاد آ گئی۔ جب شاہی محل میں کسی کی پراسرار موت واقع ہو گئی تھی۔ تب اسی طرح اندھیرے میں لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر اس مرنے والے کی چتا کو خاموشی سے جلا دیا گیا تھا۔ یہ بات اسے اس کے پتا جی راج پروہت گوری شنکر نے بتائی تھی-- لیکن ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے جو دو چار انسانی سائے دیکھے تھے وہ شاہی محل کے آدمی نظر نہیں آ رہے تھے۔ تو کیا کسی نے بغیر اجازت کے ہی کسی کی لاش کو ٹھکانے لگا دیا ہے؟

وہ کسی کی لاش ہی تھی یا چتا میں کسی زندہ شخص کو جلایا گیا ہے؟

یہ خیال آتے ہی چتا کی آگ دور ہوتے ہوئے بھی اس کے جسم کو جلانے لگی--- تو کیا اس نے جس عورت کی چیخ سنی تھی وہ اس کا وہم نہیں تھا؟ لیکن وہ چیخ تو اس کے علاوہ بھی کچھ لوگوں نے سنی ہو گی؟ مندر کے اندر سے وہ چیخ سن کر کسی اور

کو بھی تو جاگ جانا چاہیے تھا؟

اپنے آپ سے سوال کرتا ہوا وجے چپ چاپ اس جلتی ہوئی چتا کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ آگ کے شعلے جب دھیرے دھیرے کم ہو کر ٹھنڈ پڑنے لگے تو اسے لگا جیسے کوئی غیبی قوت اسے کھینچ رہی ہے۔ پھر یکایک ہی اس کے قدم آپ ہی آپ آگے بڑھتے چلے گئے وہ لکڑی کے پل سے گزرتا ہوا اس کے دوسرے سرے تک پہنچ گیا اور نیچے کود گیا۔ ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور سناٹے میں ڈوبا ہوا ماحول ایک لمحے کے لیے کھلبلا گیا۔ وجے بھی کسی چالاک چور کی طرح ایک لمحے کے لیے بے حس و حرکت ہو گیا۔ اسے خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ چتا کی جانب دبے پاؤں کیوں بڑھتا چلا جا رہا ہے؟

جب وہ شمشان گھاٹ کے قریب چتا کے پاس پہنچا تو یکایک اس کے پاؤں تھم گئے۔ اس نے تھوڑی دیر تک چوکنا نظروں سے اپنے آس پاس کا جائزہ لیا۔ اسے ڈر تھا کہ کوئی اس کی حرکت کو دیکھ تو نہیں رہا ہے؟ وہ دو چار قدم اور آگے بڑھا تو اسے انگاروں کی گرمی اپنے جسم پر محسوس ہوئی۔ اچانک اس کی آنکھیں خوف سے تھرتھرا گئیں۔ چتا پر جلنے والی لاش کا ایک حصہ پوری طرح جل نہیں پایا تھا اور وہ چتا پر سے سرک کے نیچے ڈھلک پڑا تھا۔ لیکن جسم کے اس حصے سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ جلنے والا کوئی مرد ہے یا عورت؟

چتا کے گرد دو ایک چکر لگانے کے بعد وہ الجھن میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ ابھی اس نے واپس جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اسے یاد آ گیا کہ شمشان گھاٹ کا رکھوالا کہیں قریب میں ہی رہتا ہے۔ اسے یقیناً اس بات کا علم ہو گا کہ یہ چتا کس نے جلائی تھی اور مرنے والا کون تھا؟ اس بات کا خیال آتے ہی وہ جلدی سے چڑھائی پر چڑھ گیا جہاں ٹین کا ایک جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ وہ لپکتا ہوا اس جھونپڑے کے قریب پہنچا اور رکھوالے کو آواز دینے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ تب ہی اس کی نظر چارپائی پر سوئے ہوئے ایک آدمی پر پڑی۔ وہ اس کے کندھے کو ہلا کر اسے جگانے کی نیت سے جھکا ہی تھا کہ اس شخص کی سانسوں سے نکلنے والی بدبو نے اسے پیچھے سرکنے پر مجبور کر دیا۔ شاید یہ شخص چپکار کی کئی بوتلیں پی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر سویا ہوا تھا۔ چارپائی کے قریب زمین پر نیپال کی بنی ہوئی سب سے تیز شراب "چپکار" کی دو خالی بوتلوں پر اس کی نظر پڑی تو اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ یقیناً کسی نے شراب کی بوتلیں لا کر اسے خوب پلا دی تھی۔ اب ساری بات وجے کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ کسی نے شراب پلا کر رکھوالے کو نشے میں دھت کر دیا تھا اور پھر کسی لاش کو وہاں شمشان گھاٹ پر لا کر اس کی چتا کو آگ لگا دی تھی۔ اس رکھوالے کو شاید اس بات کی خبر بھی نہیں ہو گی کہ کب چتا جلائی گئی تھی اور کب وہ جل کر راکھ ہو گئی ہو گی؟

نشے میں چور شمشان گھاٹ کا رکھوالا آسانی سے اٹھ کر ہوش میں آنے والا نہیں تھا اس لیے وجے جھٹ واپس جانے کے لیے مڑ گیا۔ جب وہ چتا کے قریب سے گزرنے لگا تو یکایک اسے لگا کہ کوئی چیز اس کے پیروں کے نیچے آ کر ٹوٹ گئی ہے۔ "کڑکڑ" کی ہلکی سی آواز ہوئی تو وہ رک گیا۔ اس نے جھک کر دیکھا تو سفید رنگ کی چھوٹی چھوٹی کوڑیوں کی ایک مالا اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس کی دو چار کوڑیاں ابھی ابھی اس کے پیر کے نیچے آ کر ٹوٹ گئی تھیں۔ کوڑیوں کی مالا کو غور سے دیکھنے کے بعد اس نے بجھتی ہوئی چتا پر بھی ایک نظر ڈالی اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑانے لگا۔ "تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ کسی کنواری لڑکی کو اس چتا میں جلایا گیا ہے۔"

کوڑیوں کی مالا کو جیب میں ڈال کر وجے بڑی تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اسے اب پورا یقین ہو چکا تھا کہ اس نے لیٹے لیٹے جو چیخ سنی تھی وہ اس کا وہم نہیں تھا' بلکہ ایک زندہ لڑکی کی چتا کو آگ میں ڈال دیا گیا تھا۔ چلتے چلتے وہ سوچ رہا تھا کہ اغوا ہو جانے والی لڑکیوں کو اسی طرح ٹھکانے لگا دیا جاتا ہے؟ اس کے ساتھ ہی اسے اپنی بہن روکھی یاد آ گئی اور اس کے دماغ میں ایک جھلاہٹ سی مچ گئی۔ جس کو تلاش کرنے کے لیے اس نے مہاراجا کے باپ کو اپنے سر لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کی وہی بہن کیا اسی طرح راکھ بن کر نیپال کی دھرتی کی دھول بن چکی ہے؟ کیا اس کے گھر چھوڑنے اور ملک بدر ہونے کی قربانی رائیگاں جائے گی۔ تھوڑی دیر کے لیے بہن کے زندہ ہونے کی امید بھی دم توڑ گئی اور تب ہی اس کے دماغ میں اچانک بجلی سی کوند گئی--- اگر ایسی بات ہے تو پھر غائب ہو جانے والی دو ایک لڑکیاں کس طرح واپس آ

گئی تھیں؟ پاگل ہو کر واپس آنے والی ایک لڑکی کے جسم پر تو تشدد کے نشانات بھی تھے۔ اسے بھارت کی سرحد پار کر کے بھٹک بھٹک کر نیپال کی سرحد پر آتے دو آدمیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ پاگل خانے کے ڈاکٹروں نے اس کا علاج بھی کیا تھا۔ ان کی رپورٹ یہی تھی کہ زبردستی مجرمانہ حملہ کرنے کی وجہ سے اس کے دماغ کو سخت جھٹکا لگا ہے اور صدمے کی وجہ سے دماغی توازن خراب ہو گیا ہے۔

تو کیا اس وقت جو لڑکی چتا میں جل کر راکھ ہو گئی ہے اسے وہ درندے نیپال کی سرحد سے باہر بھجوانے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے؟ دھیرے دھیرے وجے پھر خود کو سمجھانے میں کامیاب ہو گیا کہ اس کی بہن روکھی زندہ ہے اور وہ اس کی تلاش میں پیچھے نہیں ہٹے گا۔ ماضی میں گم ہو جانے والی اور مستقبل میں اغوا ہونے والی ساری لڑکیاں اس کی بہن جیسی ہی تو ہیں۔ کسی کو تو ان کا بھائی بن کر آنا ہو گا اور اپنی قربانی دینی ہو گی---

وجے رات بھر کا جاگا ہوا تھا اور وہ صبح ہی صبح رگھوپتی کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ رگھوپتی بھی گہری نیند میں تھا۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے دروازے کو کھولا تو وجے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "وجے تم؟" وہ اس سے اچانک آنے کی وجہ پوچھنا چاہتا تھا لیکن دوست کے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کے بادل دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ ضرور کوئی انہونی سی بات ہو گئی ہے۔

"میرا خیال تھا کہ تم ابھی کاسینو سے واپس نہیں آئے ہو گے۔" کمرے میں آ کر وجے نے صوفے پر پڑے ہوئے کپڑوں کو ہٹا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ بات میں ٹیلیفون پر نہیں کہہ سکتا تھا اس لیے تمہارے گھر آنا پڑا۔"

رگھوپتی کی آنکھوں سے نیند تو اڑ چکی تھی اور اب وہ سوالیہ نظروں سے وجے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ خود اس کی رات بھی بڑی بری گزری تھی۔ رانا نے اسے بینک لوٹنے کے لیے اپنے گروہ میں شامل ہونے کی پیش کش کی تھی اور جاتے جاتے کہہ گیا تھا کہ صبح تک فیصلہ کر کے اسے آگاہ کر دینا۔ تمہارا دوست وجے تو راجا کے باپ اپنے سر لے کر ملک چھوڑ کر چلا جانے والا ہے اور ہم لوگ جہاز کو اغوا کر کے راجا کا خزانہ لوٹ لیں گے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"لگتا ہے ابھی تک تمہاری نیند اڑی نہیں ہے۔" وجے نے اسے ٹوکا اور جیب سے کوڑیوں کی مالا نکال کر اس کے سامنے رکھ دی اور کہا۔ "کل رات بڑا بھیانک واقعہ ہو گیا رگھوپتی' کسی نے ایک کنواری لڑکی کو آدھی رات کے وقت شمشان گھاٹ پر زندہ جلا دیا ہے۔"

رگھوپتی ایک جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ جیسے جیسے رات کی بات وجے کے منہ سے سنتا گیا ویسے ویسے اس کے جسم کے رونگٹے غصے سے کھڑے ہوتے گئے اور آنکھوں سے انگارے برسنے لگے۔ وجے نے رات کا سارا واقعہ اسے سنا دیا' لیکن رگھوپتی کو خاموش دیکھ کر بولا۔ "رگھوپتی میں بھی تمہاری طرح غصے سے کھول اٹھا تھا۔" وجے نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ لیکن اس سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ دربار کی اجازت سے واقعی کسی مرنے والے کی چتا تو نہیں جلائی گئی تھی؟ ممکن ہے میں نے جو چیخ سنی تھی وہ میرا وہم ہی ہو۔"

"نہیں۔" رگھوپتی دونوں ہاتھوں کو مسلتے ہوئے بولا۔ "وجے یہ مالا پہننے والی لڑکی کون تھی پتا ہے؟"

"ہاں کنواری لڑکیاں ہی ہمارے یہاں یہ مالائیں پہنتی ہیں۔" وجے بولا۔

رگھوپتی نے کوڑیوں کی مالا کو اپنی آنکھوں کے سامنے لٹکا رکھا تھا۔ یکایک اس نے دانت پیسے پھر آہستہ آہستہ اس کے جبڑے تنگ ہوتے چلے گئے۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہکنے لگیں اور سانس تیز تیز چلنے لگی۔ پھر وہ سانپ کی طرح پھنکار کر بولا۔

"وجے--- یہ مالا کسی کنواری لڑکی کی نہیں بلکہ کنواری دیوی کی مالا ہے۔"

"کنواری دیوی؟" وجے حیرت سے اچھل پڑا۔ "لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"رات کے بارہ بجے گیان چند یہاں آیا تھا۔" رگھوپتی نے کہا۔ "آج سے تیرہ سال پہلے اس کی اکلوتی بیٹی نندنی کو کنواری دیوی بنایا گیا تھا۔ پھر سات سال بعد وہ کنواری دیوی کے عہدے سے ہٹ گئی اور واپس اپنے ماں باپ کے ساتھ رہ کر لکھنے پڑھنے لگی اور ابھی چار روز قبل ہی اسے اغوا کر لیا گیا تھا۔ وہ یکایک ہی کہیں غائب ہو گئی تھی۔"

"چار روز پہلے؟" وجے کانپتی آواز میں بولا۔ "یعنی مہاراجا کی موت کے

دوسرے دن؟"

"ہاں۔" رگھوپتی بولا۔ "دو تین روز تک تو گھر والوں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ وہ چپ چاپ اسے تلاش کرتے رہے اور کل رات میرے پاس آکر گیان چند پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا تھا۔ اتنا کہہ کر خود رگھوپتی کی آنکھیں بھی گیلی ہو گئیں اور وہ گلوگیر آواز میں آگے بولا۔ "ایک بار کنواری دیوی کے عہدے پر رہنے والی لڑکی جسے کل تک ہم پوجتے تھے اس کے سامنے مہاراجا بھی اپنا سر جھکایا کرتے تھے۔ اسے اغوا کر کے لے جانے والے اس کی عصمت دری کرنے والے اور پھر اسے جیتے جی آگ میں جلا دینے والے درندے کیا ہمارے ہی دیش میں---" رگھوپتی کی آواز اس قدر کانپ رہی تھی کہ اس کے آخری الفاظ اس کے گلے میں ہی گھٹ کر رہ گئے تھے۔

وجے کے دل میں بھی عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی' اور وہ سوچ رہا تھا کہ اتنا مہاپاپ ہونے کے باوجود یہ دھرتی پھٹ کیوں نہ گئی؟ یہ سارے کلیسا اور یہ سارے مندر دھرتی میں غرق کیوں نہیں ہو گئے؟

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جمعے کی صبح کا سورج ہمالیہ کے پیچھے سے نکلنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ آسمان کا مشرقی حصہ سورج دیوتا کے استقبال کی تیاری میں سرخیاں بکھیر رہا تھا اور ایسے میں وجے اپنے وطن کی مٹی میں ننگے پاؤں چہل قدمی میں مصروف تھا۔ آج کا سورج شاید اس کے لیے اس کے وطن پر آخری سورج تھا۔ آج کے بعد وہ اپنی دھرتی سے سورج کو کبھی نہیں دیکھ سکے گا لیکن اس کے باوجود وہ سورج کے نکلنے کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سورج دیوتا کے آنے کے ساتھ ساتھ کوئی اور بھی آنے والا تھا۔

یہ ایک ہفتہ اس نے بڑی پریشانی اور شدید دباؤ میں گزارا تھا۔ مہاراجا کے باپ کو اپنے سر لینے والے اونچی ذات کے برہمن کو لوگ تجسس اور نفرت کی نگاہ سے دیکھنے آ رہے تھے۔ بہت سے لوگوں کو اس پر رحم بھی آتا تھا اور کئی لوگوں کو اس سے حسد بھی ہونے لگا تھا۔ اونچی ذات والے برہمن اسے نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کچھ لوگ ایک دوسرے سے یہ کہتے تھے کہ مہاراجا نے مر کر اس نوجوان کو لکھ پتی بنا دیا ہے۔

اور کتنے لوگ یہ کہتے تھے۔ "مہاراجا کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے بیٹے نے اپنا گھر بھی چھوڑ دیا ہے۔ اس صدمے سے اس کا باپ راج پروہت گوری شنکر راج پروہت کی گدی چھوڑ دے گا۔ ایک غیر ملکی حسینہ کی محبت میں گرفتار ہو کر یہ نوجوان اتنا لالچی ہو گیا ہے کہ باپ کی دولت کو قبول کرنے کے لیے بھی تیار ہو گیا ہے۔ لیکن جب وہ اس حسینہ کے ساتھ اس کے ملک میں جائے گا تو وہ غیر ملکی لڑکی اس کی ساری دولت ہتھیا کر اسے چلتا کر دے گی۔"

پیر کی شام تک تو ایک اور بھی افواہ پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ یہ کہتے پھر رہے تھے کہ "کوٹا کھانا" کے لیے وجے کی بجائے کسی اور برہمن کو نامزد کیا جائے گا اور خود راج پروہت جی نے ہی اس دوسرے برہمن کا نام تجویز کیا ہے۔ وہ بے چارہ بہت ہی غریب آدمی ہے۔

اس کے پاس ایک ہی جوڑا کپڑا ہے اور وہ مندروں میں سوتا ہے۔ اسے پروہت جی نے اب راجا کے پاپ کی دولت کا امیدوار بنا دیا ہے۔ اب اگر وجے کی بجائے اس نوجوان کو موزوں قرار دے دیا گیا تو بے چارہ اتنی ڈھیر ساری دولت پا کر پاگل ہو جائے گا اور وجے نہ اپنے گھر کا رہے گا اور نہ گھاٹ کا۔ وہ غیر ملکی لڑکی بھی اس کے ہاتھ نہیں آئے گی۔۔۔"

اسی لیے پیر کی شام کو دونوں امیدواروں کے بارے میں فیصلہ سننے کے لیے راج محل کے باہر ہزاروں لوگوں کی بھیڑ جم گئی تھی۔ وجے کو پشپتی ناتھ مندر کے مسافر خانے سے ایک بند گاڑی میں راج محل کے باہر لایا گیا تھا۔ پھر دو سپاہیوں کے نرغے میں وہ سر جھکائے راج دربار کے ہال میں داخل ہوا تھا۔ لوگ اس طرح اسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی ایسا مجرم ہو جسے موت کی سزا ملنے والی ہو۔ ہال روم کی چھت سے بڑے بڑے قیمتی فانوس لٹک رہے تھے۔ سامنے مہاراجا کا ہیرے جواہرات سے مزین تخت چمک رہا تھا۔ جو اس وقت بالکل خالی پڑا تھا۔ اس کے برابر ایک آرام دہ کرسی پر یوراج چندر بھوشن تشریف فرما تھے۔ دوسری جانب کی پہلی قطار میں پردھان صاحب موجود تھے لیکن ان کے برابر راج پروہت شنکر کی کرسی خالی پڑی تھی۔ اپنے پتا جی کی خالی کرسی کو دیکھ کر وجے کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی چلی گئی اور وہ دل میں سوچنے لگا کہ شاید انہیں کہیں اس کا منہ دیکھنا نہ پڑے اس لیے وہ دربار سے غیر حاضر ہو گئے ہیں یا شاید دوسروں کو اپنا چہرہ دکھانے میں انہیں شرم محسوس ہو رہی ہو۔

ہال میں موجود ہر شخص اپنے چہرے پر غم اور افسردگی کے تاثرات سجائے بیٹھا تھا۔ لیکن وجے کو وہ اپنا حریف جو ایک غریب برہمن تھا دنیا کا سب سے بڑا بدنصیب اور سب سے زیادہ دکھی آدمی نظر آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد یوراج اور راج گرو کی اجازت سے دونوں امیدواروں میں سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کسی ایک کو پسند کرنے کی کارروائی شروع ہوئی۔ دونوں کی درخواستوں کو باری باری پڑھ کر حاضرین کو سنایا گیا۔

پہلا امیدوار وجے کمار گوری شنکر اچاریہ عمر چھبیس سال بنارس میں تعلیم حاصل کی۔ کالج میں دو برس تک تاریخ کا لیکچرار رہا ہے۔ حال میں غیر ملکی سیاحوں کے لیے گائیڈ کے فرائض انجام دیتا ہے اور غیر شادی شدہ ہے۔

دوسرے امیدوار کا نام تلجا شنکر تریودی ہے۔ عمر اڑتیس سال۔ تعلیم ساتویں جماعت تک مندروں میں ہر بھوکے بھگت کی حیثیت سے رہتا ہے اور مسافروں کی خدمت کرکے پیٹ پالتا ہے۔ غیر شادی شدہ ہے اور خاندان میں بھی اپنا کوئی نہیں ہے۔

اپنے بارے میں پوری تفصیل سن کر تلجا شنکر تریودی نے اس طرح اپنی گردن جھکا لی جیسے اسے بڑی شرمندگی محسوس ہو رہی ہو۔ ہال میں تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی اس کے بعد پردھان نے اٹھ کر دوسرا اعلان کرتے ہوئے کہا۔ "اب دونوں برہمنوں سے راج گرو چند سوالات پوچھیں گے۔ دونوں امیدواروں کو ہر سوال کا جواب باری باری دینا ہو گا۔ عمر میں جو بڑا ہے اس کی باری پہلے ہو گی۔"

ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نگاہیں اس طرح راج گرو کی جانب اٹھی ہوئی تھیں جیسے امتحان کی ابتدا ہونے والی ہو اور راج گرو کے سوالوں پر ان دونوں امیدواروں کی زندگی اور موت کا فیصلہ کیا جانے والا ہو۔ دھیمی مگر گمبھیر آواز میں راج گرو نے دونوں کی جانب دیکھ کر پہلا سوال پوچھا۔ "کوٹا کھانا" کی رسم اور اس کے قوانین کے بارے میں تمہیں پوری واقفیت ہے؟"

جواب سننے کے لیے ہال میں موجود تمام لوگوں کی گردنیں دونوں امیدواروں کی طرف گھوم گئیں۔ تلجا شنکر "ہاں" میں جواب دینے کے لیے بے قرار تھا اس لیے اس نے فوراً ہی دو تین بار اثبات میں گردن ہلا دی۔ لیکن وجے بہت پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس نے انتہائی ٹھنڈے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں اس رسم اس کے قوانین سے اور اس کے بندھنوں سے میں پوری طرح واقف ہوں۔"

"سورگباشی مہاراجا سری پنج کے گناہ اپنے سر لینے کے لیے تم پر کسی کا دباؤ ہے یا تم نے اپنی خوشی سے فیصلہ کیا ہے؟" راج گرو نے دوسرا سوال پوچھا۔

تلجا شنکر کو جواب دینے میں ذرا دیر لگی پھر وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ "محترم مجھ پر دباؤ ڈالنے والا تو میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے میں تنہا آدمی ہوں اس لیے اپنی خوشی سے تیار ہوا ہوں۔"

تلجا شنکر کا یہ جواب نرم تھا۔ راج گرو نے وجے کی جانب دیکھا تو وجے نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ "میری اپنی مرضی اور اپنی خوشی تو شامل تھی ہی لیکن دوسرے لوگوں کو شاید میں نے اپنے اس فیصلہ سے ناراض کر دیا ہے کیوں کہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مہاراجا کا پاپ اٹھانے والا شخص لالچی ہوتا ہے۔"

ہال میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں کو وجے کا یہ طنز اچھا نہیں لگا لیکن کسی کو کچھ بولنے کی جرات نہیں ہوئی۔ لیکن شاید وہ سب اندر ہی اندر وجے کے اس جواب سے متفق تھے۔ "کوٹا کھانا" کھا لینے کے بعد مہاراجا سری پنج کا سارا پاپ تمہاری رگ رگ میں سرایت کر جائے گا اور تم پاپ کے راستے پر چل پڑو گے۔ تمہیں اس بات کا ڈر نہیں لگتا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

جواب میں تلجا شنکر نے صرف گردن ہلا کر انکار میں جواب دیا لیکن وجے نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ دھیرے دھیرے بولا۔ "محترم جنہیں اپنا سرپنچ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ جنہیں ہم پوجنے کے لائق سمجھتے ہیں ایسے مہاراجا کا پاپ ایسا بھیانک بھی تو نہیں ہو سکتا کہ اس کے اثر سے آدمی پاپ کے راستے پر چل پڑے؟" اس کا یہ جواب سن کر راج گرو کے علاوہ اور تمام لوگوں کے چہروں پر اطمینان کی لہر سی دوڑ گئی مگر یوراج چندر بھوشن ذرا غیر مطمئن سے نظر آ رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے پوچھا۔ "فرض کرو کہ مہاراجا کا پاپ اپنے سر لینے کے لیے تمہیں کوئی خیرات یا انعام نہ ملے تو کیا تم اس کے لیے تیار ہو گے؟"

" تلجا شنکر کے لیے یہ سوال غیر متوقع بھی تھا اور باعث تشویش بھی۔ اس لیے وہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکا اور بوکھلائی ہوئی نظروں سے لوگوں کی طرف دیکھنے لگا مگر وجے نے بھی اسے جواب دینے کی بندش سے آزاد کر دیا وہ خود ہی بول پڑا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"محترم--- آپ لوگ تو گیانی ہیں۔ مذہب کے پنڈت ہیں پھر بھی مجھ جیسے ادھورے گیانی دھیانی کے منہ سے بلوانا چاہتے ہیں کہ برہمن کی کوئی بھی رسم بغیر دان دیے پوری نہیں ہوتی۔ اس کی اس حاضر جوابی سے سارے لوگ دنگ رہ گئے لیکن جب راج گرو کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دکھائی دی تو ہر کسی کو اپنی رائے بدلنی پڑی۔ آخر کچھ بھی ہو وجے راج پروہت گوری شنکر کا ہی تو بیٹا تھا۔"

راج گرو نے اگلا سوال پوچھنے سے پہلے یوراج کی جانب دیکھا پھر یوراج کے اشارے سے وہ سمجھ گیا کہ امتحان پورا ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے ہال میں پھر خاموشی چھا گئی۔ لیکن پھر راج گرو اپنی جگہ سے اٹھا اور اونچی آواز میں بولا۔ "اب زیادہ سوالات کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ایک کے بجائے دو امیدواروں کے درمیان پاپ کے بوجھ کا فیصلہ کرنا آج سے پہلے کبھی ہوا بھی نہیں ہے۔ پہلے ہ حکومت کی جانب سے ایسے لائق شخص کی کھوج ہوتی تھی۔ پاپ لینے والا برہمن واقع اس لائق ہے یہ دیکھا جاتا تھا لیکن دھیرے دھیرے قوانین بدلتے گئے اور آج آپ کے سامنے ایک کے بجائے دو دو نوجوان مہاراجا کے پاپ کو قبول کرنے کے لیے یہا موجود ہیں۔ جن میں سے ایک نوجوان وجے کمار ایک پڑھا لکھا اور باعزت خاندان برہمن ہے۔ یہ کوٹا کھانا کی رسم اور اس کے مقصد سے واقف ہے۔ ہر قوانین اور پابندی کو سمجھتا ہے۔ اس لیے ہمارے فیصلے کے مطابق وجے کمار ہی اس کا حق دا ہے۔"

راج گرو کے خاموش ہوتے ہی راج دربار میں تھوڑی دیر کے لیے سناٹا گیا۔ وجے کو کوٹا کھانا کے لیے نامزدگی پر کسی کو اعتراض تو ہو ہی نہیں سکتا تھا لیک سب سوچ رہے تھے کہ اس بے چارے غریب آدمی کو اپنا پیٹ پالنے کے لیے مندروں میں بھٹکنا پڑے گا۔

"اور وجے کمار---" راج گرو نے اپنی کرسی پر بیٹھنے سے پہلے پھر کہا۔ "آ سے تم حکومت کے قبضے میں رہو گے۔ چار راتیں اور تین دن تمہیں مکمل تنہائی رہنا ہو گا۔ تمہاری ضرورت کی تمام چیزیں تمہیں مل جایا کریں گی لیکن تم کسی ملکی غیر ملکی سے مل نہیں سکو گے۔"

○

وجے نے گردن جھکا کر راج گرو کی شرائط تسلیم کر لیں تھیں اور اس طرح راج محل سے بہت دور راج باغ کے علاقے میں ایک اندھیرے دو منزلہ مکان کے اندر اس کی چار راتوں اور تین دنوں کی قید تنہائی اب ختم ہونے والی تھی۔ باغ کی ہریالی کے درمیان وہ سورج دیوتا کی کرنوں کو سلام کرنے کے لیے کھڑا تھا کہ پیچھے سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی' مگر اس نے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' کیونکہ صبح سویرے ہی اسے پیغام مل چکا تھا کہ یوراج کی خاص اجازت سے ایک غیر ملکی لڑکی اس سے ملنے کے لیے آ رہی ہے۔

آگے بڑھتی ہوئی قدموں کی آہٹ دھیرے دھیرے قریب آ کر رک گئی اور اس کے ساتھ ہی وجے کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اسے اس لڑکی سے ملنے کی شدید خواہش تھی لیکن اس کے باوجود وہ اندر ہی اندر اس ملن سے ایک تکلیف سی محسوس کر رہا تھا۔ "سورج دیوتا کی پوجا سے اگر فارغ ہو گئے ہو تو مہربانی کر کے ذرا اس طرف بھی دیکھ لو مسٹر وجے---" یہ الفاظ سن کر وجے چونک پڑا۔ اس کے پورے بدن میں ایک کپکپاہٹ سی دوڑنے لگی تھی۔ اس نے بہ مشکل اپنے شال میں لپٹے ہوئے جسم کو اس آواز کی جانب گھمایا دونوں کی نظریں ملیں اور چار آنکھوں میں ایک ساتھ ہی درد کی لہریں مچلتی ہوئیں نظر آنے لگیں۔ جولی کا سپاٹ اور جذبات سے عاری چہرہ دیکھ کر وجے کانپ اٹھا اور وجے کی اداس آنکھیں دیکھ کر جولی کے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔ جدائی سے پہلے کے آخری ملن کا لمحہ جیسے اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا۔ وقت کا چکر تھوڑی دیر کے لیے رک گیا تھا۔ "دروازے پر آئے ہوئے مہمان کو خوش آمدید بھی نہیں کہو گے؟" تھوڑی دیر بعد جولی نے پھر کہا۔ "مہمان کو بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہو گے۔"

"مہمان؟" وجے کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ مچل گئی۔ "یہاں تو میں ہی کسی کا مہمان ہوں۔ چار دنوں کی یہ مہمان نوازی اب چار گھنٹے میں ہی ختم ہونے والی ہے۔" اس سے پہلے کہ دونوں ایک بار پھر خاموش ہو جاتے۔ سفید لباس میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ملبوس ایک خدمت گار نے آکر کہا۔ "چائے ناشتا تیار ہے اندر چلیے۔"

جولی نے وجے کی طرف دیکھا اور وجے اس طرح مسکرانے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔ "تم جس کی خاص اجازت سے یہاں آئی ہو اس یوراج کے حکم سے تمہاری مہمان نوازی ہو رہی ہے اس کا کریڈٹ مجھے مت دینا۔"

دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے برآمدے میں پڑی ہوئی گول میز کی کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ چائے کا جگ' پیالے اور طشتریاں ناشتے کی ٹرے اور پانی کے کٹورے تک خالص چاندی کے دیکھ کر جولی کی آنکھیں چمک آئیں۔ وجے کے جسم سے لپٹی ہوئی سفید ریشمی شال بھی چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔

"اچھا ہوا تم لوگ کوٹا کھانے کی رسم دیکھنے کے لیے ٹھیک وقت پر کھٹمنڈو واپس آ گئے۔" یہ کہہ کر وجے نے چائے کی کیتلی میں سے چائے دونوں پیالوں میں انڈیل دی اور آگے بولا۔ "لیکن اس رسم کے بارے میں تم لوگوں کو بتانے کے لیے اس بار میں تم لوگوں کا گائیڈ نہیں بن سکوں گا۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔"

جولی نے اس طرح اسے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو بس اسی بات کا افسوس ہے تمہیں؟ میں تو تمہیں اپنی زندگی کا گائیڈ بنانے کا جواب سننے آئی تھی جبکہ تم تو۔۔۔۔

"اس ملاقات کی اجازت کے لیے تمہیں تو کافی تکلیف ہوئی ہو گی؟" وجے نے پوچھا اور چائے کی پیالی جولی کے ہاتھ میں تھما دی۔ جولی نے چائے کی پیالی اس کے ہاتھ سے لے لی اور ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "تکلیف تو کوئی خاص نہیں ہوئی لیکن جھوٹ بولنے کا گناہ ضرور کرنا پڑا ہے۔"

"وہ کیا؟" وجے نے کسی مجرم کی طرح اس کی جانب دیکھا۔

"یوراج شری سے مل کر میں نے انہیں بتایا کہ میں نیپال پر ایک کتاب لکھ رہی ہوں اور کوٹا کھانا کی رسم دیکھنے کے لیے خاص کر کے یہاں آئی ہوں۔" جولی نے کہا۔ "پھر میں نے انہیں سمجھایا کہ جو شخص مہاراجا کا پاپ اپنے سر لینے والا ہے۔ اگر مجھے اس سے ملنے کی اجازت مل جائے تو نہ صرف اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھنے میں آسانی ہو گی بلکہ کتاب لکھنے میں بھی بڑی مدد ملے گی۔" جولی کی یہ بات سن کر وجے کی پلکیں جھک گئیں۔ اسے لگا کہ اس کی موت کی گھڑی آ پہنچی ہے۔ جولی ابھی اس

پوچھ بیٹھے گی کہ وجے یہ تم کیا کر بیٹھے؟ کیوں ایسا بھیانک فیصلہ تم نے کر ڈالا؟ اگر تمہیں اپنے ملک کو ہی خیرباد کہنا تھا تو پھر مجھے اپنا جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کیوں نہیں کیا؟

"کیا کچھ ناشتا نہیں کرو گی؟" اس نے جولی کے سوالات سے بچنے کی کوشش کی اور آگے بولا۔ "آج سورج نکلنے کے بعد میرے لیے تو ناشتا کرنا ذرا مشکل ہے۔" یہ بات یکایک ہی اس کے منہ سے نکل گئی تھی۔ لیکن پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے سوچا کہ وہ خود ہی ساری بات جولی کو کیوں نہ بتا دے اس خیال کے آتے ہی اس نے جلدی جلدی چائے کے دو تین گھونٹ حلق سے اتارے اور جولی کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ "بولو کیا پوچھنا ہے تمہیں؟ کوٹا کھانا کی رسم پوری کرنے سے پہلے میرے دل کے اندر کیا کیا طوفان اٹھ رہے ہیں ان کی تفصیل لکھنے کے لیے ڈائری ساتھ لائی ہو نا؟"

وجے کے منہ سے نکلنے والا ایک ایک لفظ کانٹے کی طرح جولی کے دل میں چبھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جو دریا امنڈنے والا تھا اسے دیکھ کر وجے کو اپنے اس لہجے پر غصہ آ گیا کہ اسے جولی سے اس طرح نہیں پیش آنا چاہیے۔ اس نے اپنے آپ کو سمجھایا اور پھر دھیمی مگر گھمبیر آواز میں بولا۔ "جولی اس وقت شاید میں تمہیں ایک سنگدل آدمی نظر آ رہا ہوں گا کیونکہ تم میری زبان سے شادی کا اقرار سننے کے لیے خوش خوش نیپال واپس آئی ہو لیکن یہاں آ کر تم نے میرے بارے میں بڑی حیرت انگیز اور دکھ پہنچانے والی خبر سنی۔۔۔" اس فقرے کے آخری الفاظ اس کے حلق میں ہی اٹک گئے تو اسے چاندی کے جگ میں سے پانی انڈیل کر پینا پڑا اور جولی اس کے بولنے کے انتظار میں خاموش بیٹھی رہی۔

"جولی میں نے بہت سے لوگوں کو دکھ پہنچایا ہے اور بہت سوں کی نظروں سے میں گر چکا ہوں لیکن ان سب لوگوں کو میں کس طرح سمجھاؤں کہ گناہ کو ہضم کرنے کے لیے میں خود کو نہ ثواب کو کسوٹی پر چڑھا رہا ہوں۔ پرائے لوگوں کی بات اور ہے لیکن جب اپنے لوگ ہی نفرت سے دیکھنے لگیں تو آدمی اپنا ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔" اس کے آخری الفاظ سن کر جولی گھبرا گئی اور بڑی محبت سے بولی۔ "وجے میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سب کچھ جان چکی ہوں۔" جولی کے اس فقرے نے اسے چونکا دیا اور وہ حیرت بھری نظروں سے جولی کو تکنے لگا جو کہہ رہی تھی۔"میں اس وقت نہ تو تم سے کچھ پوچھنے آئی ہوں اور نہ کچھ کہنے آئی ہوں۔ میں تو اس وقت تمہیں صرف اپنی آنکھوں سے دیکھنے آئی ہوں جو کچھ جاننا چاہتی تھی وہ سب میں نے رگھوپتی سے جان لیا ہے۔ اب صرف تم مجھے یہ بتا دو کہ گناہ کا بوجھ اٹھا لینے کے بعد اپنی زندگی میں مجھے اپنا حصہ دار بنا سکو گے یا نہیں؟"

"جولی" وجے بری طرح گھبرا گیا اسے جولی سے اس پیش کش کی توقع ہی نہ تھی اس لیے اس کا جی چاہا کہ وہ جولی سے کہہ دے کہ میں تمہاری اس چاہت کو سہہ نہیں سکوں گا کیونکہ میری زندگی کا تو اب راستہ ہی بدل جانے والا ہے--- لیکن کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس وقت ان کے لیے چائے ناشتا لانے والا خدمت گار پھر ان کے سامنے آکر بولا۔ "کوٹا کھانا کی رسم کے لیے راج گرو نے آدمی بھیجے ہیں آپ کو تیاری بھی تو کرنا ہے۔"

"ان سے کہہ دو کہ میں تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں۔" خدمت گار کو رخصت کرنے کے بعد اس نے جولی کی طرف دیکھا جو اب بھی اس کے جواب کے انتظار میں تھی۔ "جولی آؤ میرے ساتھ۔ وجے اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا۔ "میں تمہیں کچھ عجیب و غریب چیزیں دکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اسے اس طرح ایک کمرے میں لے آیا جیسے وہ تھوڑی دیر کے لیے پھر سے اس کا گائیڈ بن گیا ہو یہ کمرا بہت بڑا تھا اور شاہی فرنیچر سے پوری طرح آراستہ تھا۔ اس کمرے کی دیواروں پر بڑی بڑی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ وجے نے ان تصویروں کی جانب اشارہ کر کے کہا۔ "جولی دیواروں کی ان تصویروں کو دیکھو پاپ کی دنیا میں مجھے داخل کرنے کی تیاری کے لیے چار راتوں تک مجھے اس کمرے میں رکھا گیا ہے۔"

جولی ان رنگین تصویروں کو ایک ایک کر کے دیکھتی گئی۔ پہلی تصویر میں شراب کے نشے میں چور ایک مرد نے ایک خوبصورت دوشیزہ کو اپنی بانہوں میں جکڑ رکھا تھا اور دوسری تصویر میں وہی مرد جنگل میں شکاری کے روپ میں نظر آ رہا تھا جس کا تیر ایک ہرنی کی پسلیوں میں پیوست تھا اور وہ زمین پر گر کر تڑپ رہی تھی اور وہ م

بڑے غرور سے قہقہہ لگا رہا تھا۔ تیسری دیوار پر بنی ہوئی تصویر کو دیکھتے ہی جولی نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ آٹھ دس مرد اور آٹھ دس عورتیں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو کر عیش و عشرت کا کھیل کھیل رہے تھے۔ اور آخری تصویر میں وہی مرد درندے کے روپ میں نظر آ رہا تھا جو ایک بے بس اور مجبور دوشیزہ پر کوڑے برسا رہا تھا۔ جولی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی اور پھر یکایک ہی وہ دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔ وجے بھی اس کے پیچھے لپکا اور کمرے سے باہر نکل کر اس سے بولا۔ "پہلی رات مجھ پر بھی بالکل ایسا ہی اثر ہوا تھا اور میں ساری رات سو نہیں سکا تھا۔ کمرے کی سب تصویریں میرے سینے میں نیزے بھونکتی رہیں۔ ایک آگ سی تھی جس نے میری آنکھوں کو جلا دیا تھا۔ میری نیند اڑ گئی تھی لیکن پھر میں عادی ہو گیا۔"

"اسی طرح جس طرح آدمی گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے؟" جولی کے منہ سے یہ فقرہ نکل تو گیا لیکن وہ فوراً ہی پچھتانے لگی اور اپنی بات کو سدھارتے ہوئے آگے بولی۔ "لیکن وجے مجھے یقین ہے کہ ان تصویروں کا اثر تمہاری پاک روح کو چھو بھی نہیں سکے گا۔"

"اس کی خبر کس کو ہے؟" وجے نے جواب دیا۔ "ایسا غرور بھی تو گناہ کا حصہ ہے۔" پھر دونوں اس طرح خاموش ہو گئے جیسے انہیں احساس ہو گیا ہو کہ جدائی کی گھڑی اب نزدیک سے نزدیک تر آ چکی ہے۔ وجے نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں کو نم نہیں ہونے دے گا اور جولی نے بھی دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ اب کبھی وجے سے جیون ساتھی بننے کی بات نہیں کہے گی۔

"بس---تو---" بولتے بولتے وجے کی آواز بھرا گئی۔ "چار گھنٹے بعد دو ندی کے سنگم پر مجھے پاپ کا کھانا کھاتے دیکھنے تم لوگ آؤ گے تو ہم دونوں مل تو نہیں سکیں گے لیکن مجھے امید ہے کہ تم نے کوئی اور گائیڈ ڈھونڈ لیا ہو گا؟"

وجے کے یہ آخری الفاظ سن کر جولی وہاں کھڑی نہ رہ سکی اور اس طرح دوڑ پڑی جیسے وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔ پل پل دور ہوتی ہوئی جولی کے قدموں کی آہٹ آہستہ آہستہ مدھم ہوتی گئی اور وہ اپنا سانس روکے اسے دور جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو کافی دیر بعد اسے خیال آیا کہ جانے سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پہلے میز پر جولی ایک بڑا سا موٹا لفافہ چھوڑ گئی ہے۔ اس بند لفافے کو پھاڑتے وقت اس کے دل کے اندر سے کئی اندازے گزرتے چلے گئے اور وہ سوچنے لگا کہ جولی نے اتنا زیادہ کیا لکھا ہو گا اس میں؟

اصل میں لفافے کے اندر وزن تو سو سو کے نوٹوں کا ہی تھا جبکہ خط انتہائی مختصر تھا جو انگریزی میں لکھا ہوا تھا۔ "مسٹر وجے کمار نیپال کے سفر کے دوران تم نے ہمارے لیے گائیڈ کے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیئے تھے۔ جس سے خوش ہو کر تمہیں یہ دو ہزار روپے بطور انعام دیئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اس چھوٹی سی رقم کی اب تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے پھر بھی یہ تمہارا حق ہے جسے تمہارے پاس بھیجے بغیر میں رہ بھی نہیں سکتا تھا۔ تمہاری شخصیت نے جولی پر ایسا اثر چھوڑا ہے کہ وہ تمہارے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی۔ تم لوگوں کی جو رسم دیکھنے کے لیے ہم بھارت سے واپس آئے تھے اس کو بغیر دیکھے ہی واپس جانے کی ضد جولی نے کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کی اس ضد کے پیچھے بھی کوئی ایسی ہی بات ہے، مگر تم مہاراجا کی دولت موج سے اڑانا گناہ اور ثواب یہ سب دل کے ماننے کی باتیں ہیں آخر تو پیسا ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ جس طرح پیسے کی خاطر دوسروں کا پاپ خریدا جا سکتا ہے اسی طرح پیسے میں ثواب بھی خریدا جا سکتا ہے۔"

گڈ بائی

جیک اینڈرسن

خط کی یہ تحریر بچھو کے ڈنک کا کام کر گئی پھر بھی وجے نے اف تک نہیں کیا۔ اس نے نوٹوں کی گڈی پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور دھیرے سے بولا۔ "تھینک یو اینڈرسن صاحب۔"

○

باغمتی اور وشن متی ندی کے سنگم پر جہاں پنچائیت گھاٹ بنا ہوا تھا۔ وہاں آج صبح ہی سے لوگوں کی بھیڑ جمی ہوئی تھی۔ بسیں، ٹرک، کاریں، رکشے اور اسکوٹروں کا جیسے سیلاب تھا جو اس گھاٹ کی جانب بڑھا چلا آ رہا تھا۔ کھٹمنڈو کے علاوہ ویراٹ نگر،

پاٹھن وغیرہ شہروں میں سے اور پہاڑوں پر سے بھی اتر کر لوگ کوٹا کھانا کی رسم دیکھنے کے لیے امنڈے چلے آ رہے تھے۔ لوگوں کو آج انیس سال کے بعد اس رسم کو دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ یہ موقع پھر کب ملے گا اس کے لیے کچھ کہنا مشکل تھا۔ عوام تو یہی چاہتے ہیں کہ ان کے راجا کو موت ہی نہ آئے--- اس لیے کہ وہ اپنے راجا سے بے انتہا پیار کرتے تھے--- گھاٹ پر سفید کپڑے کا ایک بہت بڑا شامیانہ لگا ہوا تھا۔ جس کے آس پاس چھ میل کے رقبے میں گھوڑ سوار پولیس پھیلی ہوئی تھی۔ شری یوراج اور شاہی خاندان کے افراد حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کے لئے ایک الگ راستہ بنایا گیا تھا۔ یہ سورگباشی مہاراجا کے سوگ کا آخری دن تھا۔ غیر ملکیوں کے لیے لگائے گئے ایک دوسرے شامیانے میں دوربین اور کیمرہ لیے ادھر سے ادھر گھومتے پھرتے والوں میں عورتیں اور مرد دونوں ہی شامل تھے اور اوپر آسمان پر اڑتا ہوا ہیلی کاپٹر بار بار لوگوں کو اپنی اپنی گردنیں اٹھانے پر مجبور کرتا رہتا تھا۔ اس ہیلی کوپٹر کو فضا میں چکر لگاتے دیکھ کر کچھ لوگ ایک دوسرے سے کہتے پھر رہے تھے۔ "بھارت سے فلم بنانے والی ٹیم اس رسم کی فلمبندی کرنے آئی ہے--- اور کوئی یہ اندازہ لگاتا کہ شاید مہاراجا کی حفاظت کے لیے ملٹری کا ہیلی کوپٹر اوپر سے نگرانی کر رہا ہے۔

تقریباً پونے گیارہ بجے شری یوراج کی چمکتی ہوئی کار آتی ہوئی دکھائی دی تو ایک لاکھ آدمیوں کے ہجوم کی دو لاکھ آنکھیں اس کار کی جانب اٹھ گئیں۔ ان کی کار جیسے ہی شامیانے کے قریب آئی ویسے ہی سوگ کے افسردہ سروں میں فوجی بینڈ بجنے لگا۔ اس کے بعد شاہی خاندان کے لوگوں کی کاریں ایک کے بعد ایک آتی گئیں۔ اور اعلیٰ عہدیدار پنڈت، افسران سب پرنام کر کے ان کا استقبال کرتے گئے--- چند لمحوں بعد یوراج چندر بھوشن اپنے تخت پر بیٹھ گئے تو بینڈ بجنا بھی بند ہو گیا اور ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پر چلا گیا۔

منڈپ کے بیچوں بیچ ایک دائرے کی شکل میں نو پنڈت بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے ایک اونچے تخت پر راج گرو بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے اشارہ کیا تو ایک پنڈت اٹھ کر سنکھ پھونکنے لگا۔ سنکھ کی آواز سن کر تمام جاننے والے لوگ یہ سمجھ گئے کہ اب "کھوٹا کھانا" کے مرکزی کردار کی آمد آمد ہے۔ اس کے ساتھ ہی تمام

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لوگوں کی آنکھیں مشرقی جانب کے راستے پر مرکوز ہو گئیں۔

تھوڑے فاصلے پر ایک سفید کپڑے کا بہت بڑا پردہ لگا ہوا تھا۔ جس کے پیچھے سے دو فوجی ہاتھ میں ننگی تلواریں لیے باہر نکلتے دکھائی دیئے۔ ان سے چار قدم پیچھے وہ شخص چل رہا تھا جسے دیکھنے کے لیے دو لاکھ سے زیادہ آنکھیں بے قرار تھیں اور وہ شخص وجے کمار تھا۔ اس نے زرد رنگ کا ریشمی کرتا اور سفید دھوتی پہن رکھی تھی۔ اس کی پیشانی لال رنگ کے سیندور سے اٹی ہوئی تھی۔ اس کے پیروں میں جوتے نہیں تھے۔ وہ ننگے پاؤں آہستہ آہستہ منڈپ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے جھومتا اور ڈولتا ہوا ایک مست ہاتھی چل رہا تھا۔ اس کی سونڈ لال اور زرد رنگوں میں رنگی ہوئی تھی اور پیروں میں بھی یہی رنگ لگایا گیا تھا۔ اس ہاتھی کے پیچھے دو قوی ہیکل آدمی اپنے سروں پر موٹے ٹین کے دو بڑے بڑے ٹرنک اٹھائے ہوئے تھے اور ان دونوں کے پیچھے چار داسیاں تھیں جو اپنا چہرہ چھپائے کھانوں کے تھال اٹھائے چلی آ رہی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت چکراتا ہوا ہیلی کاپٹر اوپر سے گزرا۔ لیکن اس بار شاید ہی کسی نے اوپر کی جانب دیکھا ہو ہر شخص کی آنکھیں کوٹا کھانا کے آتے ہوئے جلوس کو دیکھ رہی تھیں۔ سنکھ بجتا رہا۔ بے شمار آنکھیں دوربینوں سے چپکی ہوئی تھیں۔ پنڈت زور زور سے اشلوک پڑھتے جا رہے تھے اور منڈپ کی جلتی ہوئی آگ میں گھی ڈالتے جاتے تھے۔ منڈپ میں داخل ہوتے ہی وجے نے سامنے تخت پر بیٹھے ہوئے شری یوراج کی جانب سے اپنا منہ پھیر لیا۔ اسے صبح ایک گھنٹے تک شری یوراج کے سامنے تخت پر اس رسم کی ریہرسل کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ اس کو بتایا گیا تھا کہ شاہی خاندان کے کسی بھی فرد نے اگر کوٹا کھانا کرنے کے برہمن کا منہ دیکھ لیا تو اسے پاپ لگ جاتا ہے۔ اس لیے اسے بھولے سے بھی اس طرف نہیں دیکھنا ہو گا جہاں شاہی افراد بیٹھے ہوئے ہوں۔ لہٰذا اس تخت کی جانب اپنی پیٹھ کر کے وہ منڈپ کے درمیانی حصے کی جانب بڑھ گیا اور جلتی ہوئی آگ کے قریب بیٹھنے سے پہلے اس نے راج گرو اور وہاں موجود دوسرے پروہتوں کو پرنام کیا۔ اور ایسا کرتے وقت اچانک اسے اپنے پتا جی کی یاد آ گئی۔ صبح ہی اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے پتا جی راج پروہت گورو

شنکر نے خود کو اس رسم سے الگ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے لیے انہوں نے شری یوراج سے خاص درخواست کی تھی جو شری یوراج نے منظور کر لی تھی ان کی جگہ پر اس وقت پنڈت جگن ناتھ شاشتری بیٹھا تھا۔ جو اونچی آواز میں اشلوک پڑھ کر اس رسم کو شروع کرنے کا اعلان کر رہا تھا۔ اس کے حکم کے مطابق وجے اپنے سامنے جلتی ہوئی آگ میں گھی' چاول' چھالیہ اور پوجا کی دوسری چیزیں ڈالتا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب پوجا کی یہ رسم ختم ہو گئی تو اس کے سامنے کھانوں کے تھال سجا دیئے گئے۔ مختلف پکوان کی ہر ڈش میں سورگباشی مہاراجا کی کھوپڑی کی ہڈیوں کا پاؤڈر کوٹ کر پہلے ہی سے ملا دیا گیا تھا۔ بقیہ چند ڈشوں میں ہڈیوں کا وہی پاؤڈر سب لوگوں کے سامنے ملایا گیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے لوگوں نے عجیب عجیب سا منہ بنایا اور کتوں کو تو جیسے قے سی محسوس ہونے لگی۔ طرح طرح کے پکوان دیکھ کر منہ میں پانی آنے کی بجائے سینکڑوں لوگوں کی تو بھوک ہی اڑ گئی۔

ساڑھے گیارہ بجے منڈپ سے پھر ایک سنکھ بجایا گیا اور اس کے ساتھ وجے نے بھگوان شنکر کی یاد میں ہاتھ جوڑ کر اپنی دونوں آنکھیں تھوڑی دیر کے لیے موند لیں۔ اس منڈپ سے غیر حاضر رہنے والے باپ اور اپنی سورگباشی ماں اور گم ہو جانے والی بہن کے لیے دعا کرنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں پھر اپنی جانب تکتی ہوئی ہزاروں آنکھوں کی طرف دیکھ کر اس نے کھانوں کے تھال کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

کھانے کے ہر نوالے کے ساتھ ساتھ منڈپ پر بیٹھے ہوئے نو پنڈت اونچی آواز میں بیک وقت اشلوک پڑھتے جاتے تھے اور رننگ کمنٹری کی طرح ان کی آواز لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعہ شہر کے کونے کونے میں سنائی دے رہی تھی۔ کھانے کا ہر نوالہ سورگباشی مہاراجا کے پاپ کو لے کر وجے کے گلے سے نیچے اتر جاتا تھا۔ جاگتے میں سوتے میں جانے اور انجانے میں جتنے بھی گناہ مہاراجا سے سرزد ہوئے تھے وہ سب گناہ وجے اپنے پیٹ میں اتارتا جا رہا تھا' کھٹا' میٹھا' کھارا اور تیکھا کھانا بڑی خوشی سے کھا رہا تھا اور سورگباشی مہاراجا کو اس کے ہر گناہ سے آزاد کرتا جا رہا تھا۔ اس کے آخری نوالے کے ساتھ ہی یہ رسم بھی پوری ہو گئی۔ پھر تمام پنڈتوں نے سورگباشی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مہاراجا کو ہر گناہ سے بالکل پاک قرار دے دیا اور اس کے ساتھ ہی میدان میں جمع لاکھوں لوگ وجے سے اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے چلانے لگے۔ "پاپی--- پاپی ہے--- پاپی--- پی ہے--- اسے باہر نکالو---" لیکن وجے لوگوں کی اس نفرت سے بے پرواہ ہو کر پانی کے گھونٹ کے ساتھ اپنے حلق میں پھنسا ہوا آخری نوالہ بھی نگل گیا اور تب راج گرو نے دان بخشش اور دیگر انعامات کی رسم شروع کرنے کا اشارہ کیا۔ کھانے کے تھال وجے کے سامنے سے ہٹا لئے گئے اور اس کی جگہ انعام و اکرام کی چیزیں سامنے رکھ دی گئیں۔ ٹین کے دونوں صندوقوں کے تالے کھول دیئے گئے اور مائیک کے سامنے کھڑے ہوئے اناؤنسر نے کاغذ پر لکھی ہوئی فہرست کو پڑھ کر لوگوں کو سمجھایا کہ سورگباشی مہاراجا اندر بھوشن سری پنچ کی تمام نجی چیزیں خیرات کے طور پر کوٹا کھانے والے برہمن کو دی جائیں گی اور پہلے سے طے کیے جانے والے فیصلے کے مطابق کئی چیزوں کے بدلے میں اس کی نقد قیمت برہمن کو دی جائے گی۔

یہ ساری باتیں سمجھانے کے بعد اس نے اعلان کیا۔ "پہلی چیز مہاراجا سری پنچ کا ہیرے جڑا ہوا گلدر ہے۔"

گلدر کا نام سن کر ہر شخص کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن اصلی گلدر کی بجائے ٹین کے صندوق میں سے ایک سفید چھوٹا سا مٹھی بھر نقلی گلدر لوگوں کو دکھایا گیا اور اس کے ساتھ ہی اناؤنسر نے کہا۔ "اب دستور کے مطابق شری یوراج اس پر اپنا ہاتھ رکھیں گے۔" یہ سنتے ہی ایک پنڈت نے ایک چھوٹے سے گلدر کو ایک ٹرے میں رکھ کر شری یوراج کی طرف بڑھایا۔ شری یوراج نے اس پر ایک پل کے لیے اپنا ہاتھ رکھ کر ہٹا لیا۔ تب پروہت نے وہ گلدر وجے کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں رکھ دیا اور اس کے ساتھ ہی اناؤنسر کی آواز مائیک پر ابھری۔ "گلدر کے بدلے میں سوا لاکھ روپے دیئے جائیں گے۔"

"سوا لاکھ۔" کئی لوگوں کی آنکھوں میں بجلیاں کوند گئیں اور کئی ایک کے منہ میں پانی بھر آیا۔ تھوڑی دیر پہلے جو لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اب ان کے دل میں وجے کے لیے حسد کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی حسد کا یہ اثر ان کے دل سے زائل ہوا بھی نہیں تھا کہ انہیں دوسرا اعلان سنائی دیا۔ "مہاراجا سری

کی سونے کی تلوار---" ایک بار پھر دوسرے پروہت نے ایک ڈمی تلوار شری یوراج کے سامنے کر دی۔ جس پر انہوں نے اپنا ہاتھ پھیرا پھر وہ ڈمی تلوار وجے کو دے دی گئی اور اس کے ساتھ ہی اناؤنسر نے مائیک پر کہا۔ "تلوار کے بدلے پچھتر ہزار روپے دیئے جا رہے ہیں----"

لوگ دل ہی دل میں جلدی جلدی دونوں چیزوں کی قیمتوں کو جمع کرنے لگے--- پورے دو لاکھ کی نقد رقم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد سونے کی مٹھ والی چھتری' سونے کی گھڑی' سونے کے بٹن' سونے کی زنجیر' سونے کی انگوٹھیاں ایک ایک کر کے ان سب چیزوں کی قیمت دینے کا اعلان بھی کیا گیا۔ سورگباشی مہاراجا کے استعمال میں آنے والی قیمتی چیزوں کے بعد ان کے ہاتھی اور اس کے مہاوت کی باری آئی۔ دونوں منڈپ کے سامنے آکر کھڑے تھے۔ لوگ اپنے اپنے دلوں میں ہاتھی کی قیمت کا اندازہ لگا رہے تھے کہ تب ہی اناؤنسر نے اعلان کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہاتھی جس کا نام گج راج ہے۔ اس کی قیمت پچیس ہزار لگائی جاتی ہے۔ اس لیے اس کے بدلے پچیس ہزار روپے دیئے جائیں گے اور یہ ہاتھی اپنے مہاوت کے ساتھ کوٹا کھانا کے برہمن کو نیپال کی سرحد تک چھوڑ کر واپس آ جائے گا۔"

فہرست پوری ہو گئی اور وجے کو تقریباً ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ رقم مل گئی۔ ساڑھے چار لاکھ روپے کوئی معمولی رقم نہیں تھی کئی ایک لوگوں کی آنکھیں تو پھٹی کی پھٹی رہ گئیں لیکن وجے کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے خالی تھا۔ ایک غیر ملکی نے اسے مبارکباد دینے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھا کر اس سے کہا۔ "گڈ لک ینگ رینچ مین---"

"ساڑھے چار لاکھ کی رقم وجے کمار کو نقد نہیں دی جائے گی۔" یکایک مائیک پر ابھرنے والی اناؤنسر کی آواز نے سب کو چونکا دیا اور سب لوگ اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھوڑی دیر ٹھہر کر اناؤنسر آگے بولا۔ "بلکہ اس رقم کی اسے ہنڈی دی جائے گی۔" یہ سن کر تقریباً تمام لوگوں کے ذہن میں یہی خیال آیا کہ یہ فیصلہ بالکل درست ہے کیونکہ اگر اتنی بڑی رقم اسے نقد دے دی گئی تو سرحد پار کرتے ہی بے چارہ لٹ جائے گا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور پھر راج گرو کے اشارے سے وجے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پہلے تو آدمیوں سے بھرے ہوئے میدان پر ایک نظر ڈالی پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ دو تلوار بردار سپاہی اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ خیرات میں ملی ہوئی تمام چیزوں کے دونوں صندوق ہاتھی کی پیٹھ پر دونوں جانب لٹکا دیئے گئے۔ وجے نے پیچھے پلٹ کر کسی کو نہیں دیکھا اور سیدھا ہاتھی کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ دونوں سپاہیوں نے سہارا دے کر اسے ہاتھی کی پیٹھ پر سوار کر دیا۔

اسی وقت منڈپ سے اتر کر اناؤنسر نیچے آیا اور ساڑھے چار لاکھ کی ہنڈی کے کاغذات وجے کے حوالے کر دیئے۔ دونوں سپاہی جو وجے کو سرحد تک چھوڑنے جا رہے تھے' دو گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور تب تانبے کے ایک بڑے تھال پر ہتھوڑا مار کر پاپی وجے کو رخصت کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی لوگوں نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ "پاپی چلا جا--- آئندہ ہماری دھرتی پر کبھی قدم نہ رکھنا اور نہ ہی اپنا یہ مکروہ چہرہ ہمیں دکھانا۔ جا چلا جا--- نکل جا یہاں سے۔"

مہاوت نے اشارہ کیا تو ہاتھی گج راج دھیرے دھیرے چل پڑا۔ لوگ پاپی کو نزدیک سے دیکھنے اور اس پر نفرت سے تھوکنے کے لیے ہاتھی کی جانب لپکے لیکن سپاہیوں نے لوگوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ گھوڑ سوار سپاہیوں نے چابک لہرا لہرا کر ہاتھی کے لیے راستہ صاف کیا۔ گج راج نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ اور وجے نے ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے ہی سورج دیوتا کو پرنام کیا اور دھرتی ماتا سے دور ہوتا گیا۔ اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے لوگوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں جو مسلسل چیخ رہے تھے۔ "پاپی جا رہا ہے۔ پاپ کے راستے پر ہی تمہاری موت ہو گی اور تم جہنم میں جاؤ گے۔ جا پاپی جا--- جا--- چلا جا--- دور ہو جا ہماری نظروں سے---"

جب لوگ نفرت سے شور مچا رہے تھے تو ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر رگھوپا خاموش کھڑا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔

○

تری بھون ایئرپورٹ پر اڑتیس مسافر پورے ڈھائی گھنٹے سے پریشان تھے

انہیں ہر دس پندرہ منٹ بعد مائیکرو فون پر اناؤنسر خاتون کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

"وہراٹ نگر جانے والی فلائٹ کی تاخیر پر ہمیں افسوس ہے لیکن تھوڑی ہی دیر میں آپ کو جہاز کی روانگی سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ شکریہ۔"

یہ اعلان سن کر تمام لوگوں کے چہروں پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے تھے کوئی دانت پیسنے لگتا تھا تو کوئی غصے سے ہونٹ بھینچ کر رہ جاتا تھا۔ کوئی اپنے کندھے اچکاتا تو کوئی سگریٹ کو جوتوں تلے مسل کر اپنے غصے کا اظہار کرتا۔ چار پانچ غیر ملکی مسافروں میں سے ایک نوجوان لڑکی وہیں بیٹھی بیٹھی اپنے ہزاروں میل دور رہنے والے عزیزوں کو خط لکھنے میں مصروف تھی۔ اس کے برابر میں بیٹھی ہوئی ایک بوڑھی عورت بار بار بڑبڑاتی رہی تھی۔ "مجھے تو یہ سفر خطرے سے خالی نظر نہیں آتا یہ نیپالی تو ابھی تک اٹھارویں صدی کے ڈکوٹا پلین ہی استعمال کر رہے ہیں۔"

"اوہ ممی کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" خط لکھنے والی نوجوان لڑکی بول اٹھی۔ "اٹھارویں صدی میں جہاز ایجاد ہی کب ہوا تھا؟"

پلاسٹر چڑھے ہوئے داہنے پاؤں کو سیدھا رکھ کر وہیل چیئر میں بیٹھے ہوئے گوپی ناتھ نے دسواں سگریٹ سلگانے کے لیے جیب سے لائٹر نکالا ہی تھا کہ نائیک شرما دونوں ہونٹوں کے درمیان سگریٹ دبائے اس کے قریب سرک آیا اور جھک کر بولا۔

"لائٹر پلیز۔" گوپی ناتھ نے غصیلی نظروں سے اسے گھورا اور جلتا ہوا لائٹر اس کے سگریٹ کی جانب بڑھا دیا۔ شرما نے لائٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے دھیرے سے کہہ دیا۔ "میرا تو خیال ہے آج کا پروگرام کینسل کر دیا جائے۔"

اس کی بات سن کر گوپی ناتھ نے دانت پیس کر اپنے غصے کا اظہار کیا اور اسے مارنے کے لیے اپنا پلاسٹر والا پاؤں اٹھاتے اٹھاتے سنبھل گیا۔ شرما تو سگریٹ سلگا کر دور کھسک گیا لیکن گوپی ناتھ کا غصہ دیر تک کم نہیں ہوا۔ وہ دل ہی دل میں شرما کو برا بھلا کہتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ بے وقوف خود نروس ہو کر بار بار باتھ روم کی طرف دوڑتا ہے اور اب مجھے بھی نروس کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی جانب دیکھا تو تین بج چکے تھے۔ اس کے صبر کا پیمانہ بھی اندر ہی اندر چھلک رہا تھا۔ صبح کے سوا گیارہ بجے کی فلائٹ کے لیے وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دس بجے ہی ایئرپورٹ پر پہنچ گیا تھا۔ ان چاروں نے یہ پہلے ہی سے طے کر لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ اجنبیوں کی طرح ایئرپورٹ پہنچیں گے اور ایک دوسرے سے بات کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اگر کوئی جان پہچان والا نظر آ جائے تو اخبار کے پیچھے چہرہ چھپا کر اس سے بھی بچنے کی کوشش کی جائے گی۔

گوپی ناتھ نے صبح دس بجے ایئرپورٹ پر پہنچ کر اپنے لیے وہیل چیئر کا بندوبست کرا لیا تھا اور اب وہ بینک سے آنے والے کیش بکس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ دو روز قبل بینک کے مخبر کی طرف سے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سنیچر کے روز تین کے بجائے کیش کے دو بکس ویراٹ نگر ٹرانسفر کیے جائیں گے۔ یہ سن کر پہلے اس نے اس طرح برا سا منہ بنایا تھا جیسے ایک بکس کے نہ ہونے سے اسے پندرہ بیس لاکھ کا نقصان ہو گیا ہو لیکن جب مخبر نے اسے بتایا کہ دونوں بکس میں نیپالی کرنسی کے بجائے بھارتی نوٹ بھرے ہوں گے تو اس کے ہونٹوں سے ایک سیٹی سی نکل گئی کیوں کہ اگر دونوں بکسوں میں پچاس لاکھ روپے بھی ہوتے تو نیپالی کرنسی میں وہ تقریباً پچھتر لاکھ کی رقم ہو گی۔ گوپی ناتھ نے سوچا ان دو بکسوں کے لیے دو ہی سپاہی ہوں گے اس لیے اسے پانچویں ساتھی کی ضرورت ہی کیا ہے؟

حالانکہ گوپی ناتھ اس بات سے ذرا الجھن میں پڑ گیا تھا کہ کھٹمنڈو بینک کے ہیڈ آفس ویراٹ نگر کی برانچ کو نیپالی کرنسی کے بجائے بھارتی کرنسی کیوں بھیجے گا؟ لیکن اس کے جواب میں تو اسے ایک نئی بات معلوم ہوئی کہ شاید مہاراجا کی موت کی وجہ سے دو چار روز میں ہی نیپالی کرنسی کی قیمت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

گوپی ناتھ نے جہاز کے اغوا کا سارا بوجھ اپنے پلاسٹر والے داہنے پاؤں پر ڈال رکھا تھا۔ چاروں ریوالور اس نے اپنے پلاسٹر کے خول میں چھپا رکھے تھے۔ سیکورٹی چیکنگ میں کسی کو اس پر شک بھی نہیں ہوا کیوں کہ ڈاکے کے اس منصوبے پر عمل جامہ پہنانے سے پہلے وہ اس پلاسٹر والے پاؤں اور چار ریوالور کے ساتھ ویراٹ کے سفر پر ہو آیا تھا اور اس وقت سیکورٹی آفیسر نے اس سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا چار مہینے قبل خود سیکورٹی آفیسر کے ہاتھ پر بھی پلاسٹر چڑھا تھا اور اس لیے اس نے گوپی ناتھ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا۔ "دیکھو بھائی میں اس اذیت سے گزر چکا

ہوں۔ پلاسٹر اتارنے میں جلد بازی مت کرنا اور ہو سکے تو زیادہ آرام کرنا۔"

یہ سن کر اس نے موقع پا کر فوراً ہی کہہ دیا۔ "کیا کیا جائے جناب کام کچھ ایسا ہے کہ چار پانچ روز بعد پھر ویراٹ نگر جانا ہو گا۔"

بکنگ کاؤنٹر پر سیٹ بک کراتے وقت بھی وہ پاؤں پر چڑھے پلاسٹر کے ساتھ آیا تھا جس کی وجہ سے اسے بالکل آخری سیٹ مل گئی تھی۔ اس کے دوسرے ساتھیوں نے الگ الگ آ کر اپنی سیٹیں کنفرم کی تھیں اور اس وقت گوپی ناتھ نے سکون سا محسوس کیا تھا کہ ہر کام اس کے پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔

گیارہ بجے جب ویراٹ نگر جانے والے پسنجروں سے سیکورٹی چیکنگ کے لیے درخواست کی گئی تو گوپی ناتھ پہلی بار ذرا گھبرا سا گیا تھا اور اپنی گھبراہٹ دور کرنے کے لیے ہی اُسے ایک سگریٹ سلگانا پڑا تھا۔ اصل میں تو وہ سگار پینے کا عادی تھا لیکن اپنی شخصیت کو چھپانے کے لئے وہ سگریٹ ساتھ لایا تھا۔ پہلے تو ان چاروں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ جہاز اغوا کرنے سے پہلے وہ چاروں اپنے اپنے چہرے پر سیاہ نقابوں میں چھپا لیں گے لیکن آخری لمحے میں انہوں نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا تھا کیونکہ پلاسٹر لگے ہوئے پاؤں اور وہیل چیئر کی وجہ سے گوپی ناتھ یوں بھی ایئرپورٹ پر ہر شخص کی نگاہ میں آ جانے والا تھا۔ اس لیے نقاب وغیرہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی تھی۔ مگر انہوں نے یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ اگر پلاسٹر کے اندر چھپائی گئی ریوالور پکڑی گئیں تو اکیلا گوپی ناتھ ہی اپنی گرفتاری پیش کرے گا اور اپنے بقیہ تینوں ساتھیوں کو آرام سے نکل جانے کا موقع دے گا تاکہ وہ آئندہ کوئی منصوبہ بنا سکیں اور اسے بھی آزاد کرانے کی کوشش کریں۔

اس لیے جب وہ سیکورٹی چیکنگ کے لیے وہیل چیئر میں سگریٹ کے کش لگاتا ہوا آگے بڑھا تو اس کے بقیہ تینوں ساتھی ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ کھڑے اس کا بغور جائزہ لینے لگے۔ سب کے دل اندر ہی اندر بری طرح دھڑک رہے تھے۔ گوپی ناتھ نے اپنی پتلون کا داہنا پاؤں گھٹنوں تک اٹھا رکھا تھا جس کی وجہ سے ٹانگ پر چڑھا ہوا پلاسٹر صاف دکھائی دے رہا تھا اور وہ چاہتا بھی یہی تھا کہ ہر کوئی اس کی ٹانگ پر چڑھا ہوا پلاسٹر دیکھ لے۔ جب ایسی حالت سے وہ سیکورٹی آفیسر کے سامنے پہنچا تو وہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آفیسر ایک پل کے لیے بڑی عجیب نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ اس کی قمیص کی جیب اور پتلون کی جیب پھر کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اچانک بولا۔ "آپ نے کس ڈاکٹر سے پلاسٹر چڑھوایا ہے جناب؟"

یہ سوال سن کر گوپی ناتھ نے بڑی مشکل سے اپنے جسم کی کپکپاہٹ کو اپنے قابو میں رکھا اور پھر ایک کامیاب اداکار کی طرح مسکرا کر آفیسر کی جانب دیکھ کر جلدی سے بولا۔ "اس کے لیے تو جناب پورے کھٹمنڈو میں ایک ہی ڈاکٹر سب سے اچھا ہے۔"

"کون؟ ڈاکٹر ناگی؟" آفیسر نے خود ہی نام لے لیا تو گوپی ناتھ کے پاس سر ہلانے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ آدھے منٹ تک سیکورٹی آفیسر باری باری اس کے پاؤں کے پلاسٹر اور اس کے چہرے کو دیکھتا رہا اور تب گوپی ناتھ کا جسم پسینا چھوڑنے کی تیاری کرنے لگا۔ اسے یوں لگا کہ سیکورٹی آفیسر ابھی ابھی ڈاکٹر ناگی کو فون کر کے اپنی تسلی کرنے کی کوشش کرے گا یا اسے ایکسرے مشین کے سامنے لے جا کر اپنا اطمینان کرے گا کہ پلاسٹر کے اندر کسی قسم کا ہتھیار تو موجود نہیں ہے؟ کسوٹی کی یہ دو چار گھڑیاں ہی بڑی سخت ہوتی ہیں۔ اس کسوٹی پر جو پورا اتر جائے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ گوپی ناتھ نے ہمت نہیں ہاری تھی اور آفیسر نے ہنستے ہنستے اسے گزر جانے کا اشارہ دے دیا تھا۔ گوپی ناتھ کا دل اندر ہی اندر خوشی سے ناچنے لگا تھا۔

لیکن اصل کسوٹی تو اس وقت شروع ہوئی جب سوا گیارہ کی بجائے پونے بارہ بج گئے اور جہاز کی روانگی کا اعلان نہیں کیا گیا۔ لمحہ بہ لمحہ اس کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب موسم اچھا ہے تو پھر جہاز کی روانگی میں اس قدر تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟"

پھر سوا بارہ بجے تاخیر کی وجہ بتائی گئی کہ ویراٹ نگر کی فلائٹ میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے اور اس وقت وہ خرابی دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جس کے لیے ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔

خرابی کا نام سن کر گوپی ناتھ کی طرح اس کے تینوں ساتھیوں کے پیٹ میں بھی تکلیف ہونے لگی۔ ان سب کو اس بات کا ڈر تھا کہ اگر جہاز کی خرابی دور نہ ہوئی

کہیں فلائٹ ہی کینسل نہ کر دی جائے۔ نائیک شرما بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا کیوں کہ آفت کے آثار دیکھ کر بہت بولنے والا آدمی ہی سب سے پہلے خاموش ہو جاتا ہے اور اپنی ہمت قائم رکھنے کے لیے وہ دوسروں کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگتا ہے لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور تھا چاروں ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی بنے ہوئے تھے۔

رانا کو یہ فکر ستا رہی تھی کہ اگر بہت دیر ہو گئی تو بینک والے کیش کے بکس نکال کر واپس لے جائیں گے اور ان کا سارا منصوبہ چوپٹ ہو جائے گا۔ دوسری طرف شپرا بھی ایسی ہی باتیں سوچ رہا تھا۔ بظاہر تو وہ صوفے پر بیٹھا ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا لیکن اس کا دماغ تو جہاز کی خرابی پر ہی لگا ہوا تھا۔

لیکن پورے تین گھنٹے کے بعد ان اڑتیس مسافروں کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ وہ جہاز میں تشریف لے جا سکتے ہیں سب کے چہروں پر خوشی کی لہر سی دوڑ گئی اور سب لاؤنج سے نکل کر جہاز کی جانب چل پڑے۔ جہاز کی سیڑھی چڑھنے کے لیے گوپی ناتھ کی باری سب سے آخر میں آئی۔ سیڑھی کے قریب پہنچ کر اس کا جی چاہا کہ پلاسٹر والے پاؤں کی پرواہ کیے بغیر وہ دوڑتا ہوا تمام زینے چڑھ جائے لیکن زخمی پیر کا ڈراما ابھی تھوڑی دیر تک اور جاری رکھنا ضروری تھا۔ وہ جہاز کے اسٹاف کے کندھے کا سہارا لے کر ایک ایک پاؤں اٹھاتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔ دروازے پر ایئرہوسٹس نے اس کا استقبال کیا اور اس کی سیٹ اسے دکھا دی۔ وہ ایک بار پھر بے چین ہو گیا کیوں کہ اس کے برابر والی سیٹ پر ہی ایک سپاہی ہاتھ میں بندوق لیے بیٹھا تھا۔ مجبوراً اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر اسے اس بندوق بردار سپاہی کے برابر ہی بیٹھنا پڑا۔ ایسا کرتے وقت ایک پل کے لیے اسے یوں لگا تھا کہ جیسے سازش ناکام ہو گئی ہو اور وہ پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو کر جیل لے جایا جا رہا ہو۔

○

وہ دوپہر کی نیند سے اچانک چونک کر جاگ پڑا اور اپنے آس پاس کے ماحول کو اجنبی اجنبی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پہلے تو آس پاس کا جائزہ لینے کے بعد یوں لگا

جیسے وہ کچھ بھول رہا ہے' مگر پھر وہ خود کو سمجھاتے ہوئے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔ "اجنبی دنیا میں داخل ہونے کے بعد تو یہاں کی ہر چیز ہی اجنبی لگے گی۔"

"پاپی ہے--- پاپی ہے---" کا شور مچاتے ہوئے اس کے ہم وطنوں نے اسے وطن سے نکال دیا تھا اور اب ان کے شور کو ہوا میں تحلیل ہوئے چوبیس گھنٹے پورے ہو چکے تھے۔ دو گھوڑ سوار سپاہیوں اور ہاتھی کے ساتھ اس نے سورج غروب ہونے سے پہلے کھٹمنڈو کی سرحد پار کر لی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھی کے وزن دار پاؤں واپس جاتے وقت اس کے قدموں کے ہر نشان کو مٹاتے گئے۔ بندھنوں کی گانٹھ کھلتی گئی اور دوسرے دن کا سورج نکلنے سے پہلے وہ اپنے وطن نیپال کی آخری چوکی "نوتنوا" کو بھی پار کر چکا تھا۔ طلوع ہوتے ہوئے سورج کی پہلی کرن کے ساتھ وطن کی مٹی کو آخری بار اپنے ماتھے سے لگا کر اس نے دل ہی دل میں شنکر دیوتا کو یاد کرتے ہوئے کہا۔ "ہے مہادیو میں پاپ کا بوجھ اٹھائے یہاں سے رخصت ہو رہا ہوں اب میرے اندر تو اتنی طاقت بھر دے کہ میں اپنے وطن کی دھرتی پر سے ایک ایک پاپی کو نیست و نابود کر سکوں۔"

اس کے ساتھ آئے ہوئے دونوں گھوڑ سوار سپاہی تو اسے گورکھپور تک چھوڑنے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے اس سے کہا تھا۔ "تمہارے پاس دو وزنی صندوق ہیں اور اس جنگل میں کوئی سواری بھی نہیں ملے گی۔ اس لیے دو گھنٹے آرا کرنے کے بعد اگر ہم چلیں گے تو شام تک گورکھپور پہنچ جائیں گے۔"

لیکن وجے اتنی جلدی اپنے وطن سے دور نکل جانا نہیں چاہتا تھا۔ اور تب د میل کے فاصلے پر ہی اسے ایک پسندیدہ جگہ نظر آ گئی۔ ویران جنگل میں مہادیو کا ایک چھوٹا سا اجاڑ مندر دیکھ کر اس نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔ "بس یہ میرا پہلا پڑاؤ ہو گا میں اس جنگل کی تنہائی میں ایک رات مہادیو کی عبادت میں گزا دوں گا۔"

چوبیس گھنٹے کے بعد اس سفر میں دونوں سپاہیوں کو وجے کچھ عجیب سا آدمی تھا۔ گناہ کی دولت سے لکھ پتی بن جانے کے باوجود اس میں انہیں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ان کے گائیڈ کی حیثیت سے ان کے ساتھ چل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہو۔ کیوں کہ راستے بھر وہ ان لوگوں کو ایک ایک جگہ اور ایک ایک چیز کے بارے میں معلومات فراہم کرتا جاتا تھا۔ نت نئے پرندوں کو دیکھ کر ان کے بارے میں بھی انہیں بتاتا رہا تھا اور کبھی کبھی چلتے چلتے ان سے ان کی نجی زندگی کے بارے میں بھی ہمدردی سے پوچھ لیا کرتا تھا۔ مثلاً گھر میں کتنے لوگ ہیں؟ بچے پڑھتے ہیں یا نہیں؟ تنخواہ میں گزارا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ہاتھی کے مہاوت کو سرحد تک کا سفر پیدل طے کرنا تھا لیکن وجے اکثر زبردستی اسے اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھا لیتا تھا۔

سینچر کی دوپہر کے وقت مہاوت اور ہاتھی کو وہاں سے واپس چلا جانا تھا۔ مہاوت کی پوٹلی میں جو کھانا تھا وہ اس وقت چاروں نے ذات پات کے بھید بھاؤ کے بغیر مل جل کر کھایا تھا۔ پھر جب جدائی کی گھڑی آ گئی تو وہ سب اس طرح اداس ہو گئے تھے جیسے کوئی قریبی عزیز ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہے۔ وجے نے ان تینوں کو سو سو روپے کا ایک ایک نوٹ پکڑایا لیکن بخشش لیتے ہوئے وہ تینوں گھبرا رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگ گناہ کی دولت کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔" وجے نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے پاپ کی دولت ہی تم لوگوں کو دینی ہوتی تو ان دونوں صندوقوں کی ساری چیزیں تم لوگوں کو دے دیتا۔ لیکن یہ بخشش جو میں تم لوگوں کو دے رہا ہوں یہ تو میری گائیڈ کی کمائی کی رقم ہے۔ اس لیے تم لوگ اسے قبول کر لو۔"

جاتے جاتے ایک سپاہی نے اس سے پوچھا تھا۔ "اپنے گھر والوں کو کوئی پیغام دینا ہو تو دے دو۔"

اس سوال نے گھڑی بھر کے لیے اس کی آنکھوں کو نم کر دیا تھا' مگر پھر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال کر اس طرح جواب دیا جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہو۔ "اس وقت تک تو میں اپنے گھر اور اپنے وطن میں ہی بس رہا تھا لیکن اب گھر اور وطن دونوں میرے دل میں بس رہے ہیں۔"

پھر جب دوپہر کی نیند سے وہ جاگا تو اسے خیال آیا کہ گھر اور وطن سے دور اس بیابان جنگل میں مہادیو کے اجاڑ مندر کے پاس وہ بالکل اکیلا پڑا رہ گیا ہے۔ دن دھیرے دھیرے ڈھل رہا تھا لیکن اس کی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں ابھی صرف

ساڑھے تین ہی بجے تھے۔

اور تب پہلی بار اسے خیال آیا کہ صبح سے اس مندر کے قریب اس نے کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ سنسان اور ویران جنگل سے بھی یہ چھوٹا سا مندر صاف ستھرا دکھائی دے رہا تھا۔

ستونوں پر دیوی دیوتاؤں کے فریم آویزاں تھے اور برآمدے کے کونے میں پانی سے بھری ہوئی مٹکی رکھی ہوئی تھی۔ جس کے اوپر پلاسٹک کا پیالہ بھی تھا۔ اس کے نزدیک ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ اور پچھواڑے کی جانب ایک کنواں بھی تھا۔

اس کا خیال تھا کہ مندر کا پجاری آس پاس ہی کہیں ہو گا جو شاید تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔ وجے پجاری کے انتظار میں وہیں ٹہلنے لگا لیکن یکایک جنگل کے ٹیڑھے میڑھے کچے راستے پر اسے دھول سی اڑتی دکھائی دی۔ یہ کوئی جیپ تھی جو تیزی سے اس طرف کو آ رہی تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ اٹھا کر جیپ کو روکتا جیپ خودبخود مندر سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئی۔ پھر اسے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی جیپ سے اتر کر مندر کی جانب آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ دونوں دور سے ہی ایک دوسرے ک دیکھ چکے تھے۔ جب وہ ادھیڑ عمر شخص نزدیک آ گیا تو اس کے خاکی یونیفارم سے ا نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص فارسٹ آفیسر کا ڈرائیور ہو سکتا ہے۔

"کوئی مسافر لگ رہے ہو؟" نزدیک آ کر اس شخص نے وجے کو اوپر سے نیچے تک دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں رات گزارنے کے لیے یہاں ٹھہر گیا ہوں۔" وجے نے جواب دیا۔

اس کا جواب سن کر ادھیڑ عمر شخص نے ایک جھٹکے سے گردن اونچی کی اور بڑی حیرت سے بولا۔ "تم یہاں رات بسر کرو گے؟"

"کیوں؟" وجے نے چونک کر پوچھا۔ "کیا یہ جگہ کافی خطرناک ہے؟" اور پھر وہیں بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ادھیڑ عمر شخص نے کوئی جواب دینے سے پہلے جیب سے ایک بیڑی نکالی اور اسے سلگانے کے بعد وجے کے سامان کی جانب دیکھتے پھر دھواں اڑاتے ہوئے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ "خطرہ مال کا تو نہیں لیکن جان کا خ ہے۔"

"سمجھ گیا۔" وجے نے اس طرح کہا جیسے اس پر اس بات کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا ہو۔

"یقیناً جنگلی جانور یہاں تک آ جاتے ہوں گے۔"

"دوسرے جانوروں کو تو چھوڑو۔ لیکن کبھی کبھی شیر چیتے بھی آ جاتے ہیں۔" ادھیڑ عمر شخص بیڑی کے کش لیتا ہوا آگے بولا۔ "رات گزارنی ہو تو یہاں سے دو میل کے فاصلے پر ایک سرائے ہے۔ تمام مسافر اس سرائے میں رات گزارتے ہیں۔"

لیکن جواب میں وجے خاموش رہا تو اس نے پھر آگے کہا۔ "تمہیں کس طرف جانا ہے کیا گورکھپور جا رہے ہو؟"

"ہاں گورکھپور ہو کر الہ آباد جاؤں گا۔" وجے نے کہا۔

"او تب تو لگتا ہے کہ پیدل سفر پر نکلے ہو؟"

"نہیں جی سواری مل جائے تو اس پر بیٹھ کر ہی آگے جانے کا ارادہ ہے۔" وجے بولا۔

"تو چلو میں تمہیں سرائے تک چھوڑ دیتا ہوں۔" ادھیڑ عمر شخص بولا۔ "وہاں صبح سویرے اٹھ کر کسی بھی ٹرک میں بیٹھ جانا۔"

وجے اس کی بات سن کر سوچ میں ڈوب گیا۔ کیا یہ آدمی اس سے ہمدردی کے طور پر کہہ رہا ہے یا اسے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے؟

"میرا خیال تھا کہ یہاں شاید کوئی پجاری رہتا ہو گا اس لیے میں نے یہاں رات گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔" وجے اسے ٹٹولنے کی غرض سے بولا۔

"بڑی ہمت والے لگتے ہو۔" ادھیڑ عمر شخص دھیرے سے ہنس کر بولا۔ "یوں تو یہ مندر مسافروں کے لیے ہی ہے اور یہاں کا پجاری صبح سویرے آ کر پوجا کر کے چلا جاتا ہے اور ہماری طرح جنگل کے محکمے کے لوگ آتے جاتے بھگوان کو پرنام کرنے کے لیے تھوڑی دیر یہاں رک جاتے ہیں۔ اس لیے یہ پانی وغیرہ کا انتظام پجاری خود کر جاتا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ ایک لمحے کے لیے رکا پھر آگے بولا۔ "ورنہ یہاں تو میلوں تک جنگل ہی جنگل پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے اگر کوئی اجنبی بھی راستے میں مل جاتا ہے تو جی چاہتا ہے اس سے بھی باتیں کی جائیں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد وجے کو شک ہونے لگا کہ یہ شخص ضرور کسی خاص مقصد سے یہاں آیا ہے اور اسے میرا یہاں رات گزارنا بھی ناگوار گزر رہا ہے۔ ویسے ابھی اس کی نظر مندر کے پچھواڑے رکھے ہوئے اس کے دونوں صندوقوں پر نہیں پڑی ہے۔ اس کی جیب میں اس وقت سترہ سو روپے بھی پڑے ہیں جس کے بارے میں اسے ابھی کچھ معلوم نہیں ہے۔ اگر یہ شخص اس کی سلامتی کا بھی خواہ ہوتا تو اس سے یہی کہتا کہ چلو رات تم میرے یہاں بسر کر لو۔

"تم نے رات کے کھانے کے لیے کیا سوچا ہے؟" یکایک ادھیڑ عمر شخص نے فکرمندانہ لہجے میں اس سے پوچھا اور آگے بولا۔ "اپنے ساتھ تم کھانا بھی لائے ہو گے یہ تو نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"نہیں بھائی۔ میرے جیسے چلنے پھرنے والے آدمی کو اس کی فکر کہاں ہے۔" وجے نے کہا۔ "ایک گلاس پانی پی کر بھی رات گزار لوں گا۔"

"ارے ایسا بھی کہیں ہوتا ہے۔" ادھیڑ عمر شخص ہمدردانہ لہجے میں بولا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس طرح آگے بولا جیسے اسے کھانا کھلانے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جا رہا ہو۔ "چلو جیپ میں بیٹھ جاؤ مجھے ایک کام سے سرائے تک جانا ہے تم وہیں کھانا کھا لینا اور کسی ٹرک والے کے ساتھ صبح کو جانے کی بات طے کر لینا۔ پھر واپس آنے وقت میں تمہیں یہاں چھوڑ جاؤں گا۔"

اب وجے انکار نہ کر سکا۔ ادھیڑ عمر شخص کے اس مشورے میں اسے کوئی الجھن نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسے لگا کہ شاید یہ ایک اچھا اور شریف آدمی ہے جس کے بارے میں وہ غلط رائے قائم کر بیٹھا تھا۔

"چلئے اس بہانے گھنٹے دو گھنٹے تک یہ تنہائی دور ہو جائے گی۔" وجے نے کہا اور اٹھ کر اس کے ساتھ چلتا ہوا جیپ میں اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا پھر آگے بولا۔ "آپ نے میرے لیے اتنی تکلیف کی ہے تو آپ کو میرے ساتھ کچھ کھانا بھی پڑے گا۔"

ادھیڑ عمر شخص نے اس کی بات سن کر کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔

○

تری بھون ایئرپورٹ سے ٹیک آف کرنے والا ڈکوٹا جہاز ذرا بلندی پر پہنچ گیا تو ایئرہوسٹس کی سریلی آواز نے سب کو سہارا دیا۔ "اب آپ اپنے اپنے سیٹ بیلٹ کھول دیں اور چاہیں تو سگریٹ وغیرہ پی سکتے ہیں۔ ویراٹ نگر کا یہ سفر صرف پینتیس منٹ کا ہے۔"

گوپی ناتھ بندوق والے سپاہی کے برابر میں بیٹھے بیٹھے تھک سا گیا تھا۔ جہاز کے اوپر اٹھتے ہی اس نے اپنا چہرہ اخبار کی اوٹ سے باہر نکالا پھر اخبار کو ایک جانب رکھ کر ایک سگریٹ سلگا لیا اور اس کا دھواں اڑانے لگا۔ اڑتا ہوا دھواں جب برابر میں بیٹھے ہوئے سپاہی کی ناک سے ٹکرایا تو سپاہی نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ گوپی ناتھ نے ایک سگریٹ اس کی جانب بھی بڑھا دیا اور اپنے لائٹر سے سلگا بھی دیا۔ پھر وہ اپنے آپ بڑبڑانے لگا۔ "صرف پینتیس منٹ کے سفر کے لیے سالوں نے لوگوں کے دو سو پینتیس منٹ ضائع کیے ہیں۔"

لیکن سپاہی تو مفت میں ملے ہوئے سگریٹ کو پینے میں مصروف تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو گوپی ناتھ شیشے والی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ مغرب کی جانب ڈھلتا ہوا سورج کالے کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور جہاز اپنی مقررہ اونچائی حاصل کر چکا تھا۔ باری باری اس نے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ رانا اس کے اشارے کے لیے بے چین نظر آ رہا تھا اور شپرا کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا جب کہ شرما جان بوجھ کر آنکھیں بند کر کے سو جانے کی اداکاری کر رہا تھا۔

سنسنی خیز گھڑی پل پل قریب آتی جا رہی تھی۔ گوپی ناتھ نے جلدی جلدی سگریٹ کے دو چار کش لگائے اور پھر اسے ایش ٹرے میں مسلنے کے بعد اس نے آنکھ دبا کر رانا کو اشارہ کر دیا۔ اس کا اشارہ پاتے ہی رانا اپنی سیٹ پر سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا جہاز کی پچھلی جانب بنے ہوئے باتھ روم کی جانب بڑھنے لگا۔ جب وہ گوپی ناتھ کی سیٹ کے قریب سے گزرنے لگا تو گوپی ناتھ نے بالکل اجنبی بن کر اس سے پوچھا۔ "مسٹر اگر آپ باتھ روم کی طرف جا رہے ہیں تو ذرا مجھے بھی سہارا دے کر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

وہاں تک لے جائیں۔"

"ضرور۔" کہہ کر رانا نے سہارا دینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ تکلیف دیتے ہوئے پاؤں کی اداکاری کرتا ہوا گوپی ناتھ سپاہی کی جانب دیکھ کر دھیرے سے اٹھا اور سیٹ سے باہر نکل کر رانا کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور لنگڑاتی ہوئی چال کے ساتھ باتھ روم تک پہنچ گیا اور دروازے کے قریب رک کر بولا۔ "مسٹر اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو پہلے مجھے جانے دیں۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باتھ روم کے اندر گھس گیا۔

باتھ روم کے باہر کھڑا ہوا رانا جہاز میں بیٹھے ہوئے مسافروں کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کا ساتھی شپرا بار بار گردن گھما کر اس کی جانب دیکھ لیتا۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام مسافر اپنے آپ میں کھوئے ہوئے تھے۔ باتھ روم سے پلاسٹر چیرنے کی آواز سن کر رانا کانپ اٹھا لیکن جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ کسی اور نے یہ آواز نہیں سنی ہے تو اسے ذرا راحت سی محسوس ہوئی۔ پھر بھی اس کے اندر کا خوف جوں کا توں ہی رہا۔ کوئی باتھ روم کی طرف نہ آ جائے؟ دو منٹ کی یہ تاخیر بھی اسے بڑی ناگوار لگ رہی تھی۔

اور باتھ روم کا دروازہ کھل گیا۔ گوپی ناتھ کے ہاتھ میں چار پستولیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ رانا نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے وہ پستول لے لیے مگر ٹھیک اسی وقت ایئرہوسٹس اس طرف آتی ہوئی دکھائی دی اس لیے رانا نے دونوں پستولوں کو پیٹھ کے پیچھے چھپاتے ہوئے گوپی ناتھ کو خبردار کیا۔ "جلدی کرو وہ آ رہی ہے۔"

لیکن گوپی ناتھ اپنی گھبراہٹ کا اظہار کیے بغیر بڑے سکون سے باہر آ گیا اور دونوں جانب کی سیٹوں کے درمیان راستے سے گزرتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ پھر سامنے سے آتی ہوئی ایئرہوسٹس کو راستہ دیتا ہوا وہ جہاز کے اگلے حصے تک پہنچ گیا۔ اس وقت تک کسی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی اور کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اس کے پاؤں پر لگا ہوا پلاسٹر اب غائب ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی یہ بھی نہیں دیکھ پایا کہ اس کے سفری سوٹ کی جیب سے پستول کی نال بھی جھانک رہی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"خبردار۔" یکایک اس کی چیخ سے جہاز کے سارے مسافر چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ گوپی ناتھ کے دونوں ہاتھوں میں دو پستول تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔ "ہم نے جہاز کو اغوا کر لیا ہے اور کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔"

"اوہ۔"

"آہ۔۔۔"

"باپ رے۔۔۔ ہائے۔" مسافروں کے حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکل گئیں۔ کئی لوگوں نے پلٹ کر پرامید نظروں سے پیچھے بیٹھے ہوئے سپاہیوں کی طرف دیکھا لیکن جلد ہی ان کو پتا چل گیا کہ دونوں کے سروں کا نشانہ باندھے ایک دوسرے نوجوان نے انہیں قابو میں کر لیا ہے۔ یکایک لوگوں نے شرما کو اپنی سیٹ سے اٹھتے دیکھا تو انہیں لگا کہ یہ شخص ابھی ان ہائی جیکروں سے مار کھا جائے گا لیکن جب انہوں نے گوپی ناتھ کو اس کے ہاتھ میں پستول تھماتے ہوئے دیکھا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ بھی ہائی جیکروں کا ہی ساتھی ہے۔ اتنے میں شپرا بھی پیچھے آ گیا تھا اور رانا سے ایک پستول لے کر دونوں سپاہیوں پر تان کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہم کسی کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔" گوپی ناتھ نے سخت اور گرج دار آواز میں لوگوں سے کہا۔ "ہم صرف جہاز کے سامان میں سے دو بکس اتارنا چاہتے ہیں اور اس سے آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔" اتنا کہہ کر وہ پائلٹ کے کیبن کی جانب سرکتا ہوا پھر آگے بولا۔ "لیکن اگر تم لوگوں میں سے کسی نے بھی بہادری دکھانے کی کوشش کی تو یہ سارا جہاز آگ کے شعلوں میں گھر کر زمین پر جا گرے گا۔"

جہاز کے اندر موجود مسافروں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ لوگ پسینے سے تر ہونے لگے۔ بہت سے لوگ تو دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے اور کئی لوگ تو بھگوان کو یاد کرنے لگ گئے۔ دونوں سپاہیوں سے بندوقیں اور کارتوس چھین لیے گئے تھے اور مسافروں سے زیادہ وہ دونوں سپاہی سہمے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ انہیں یہ ڈر تھا کہ کہیں کیش کے بکس کے ساتھ یہ لوگ انہیں بھی اپنے ساتھ نہ لے جائیں؟"

پائلٹ کے کیبن میں کیپٹن ڈی سوزا اور انجینئر گپتا گوپی ناتھ کی تنی ہوئی پستول کے سامنے بالکل بے بس نظر آ رہے تھے۔ گوپی ناتھ نے انہیں کوئی ایسا موقع ہی نہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیا تھا کہ وہ کھٹمنڈو ایئرپورٹ یا ویراٹ نگر کے ایئرپورٹ سے رابطہ قائم کر کے ہائی جیک کی اطلاع دے سکتے۔ کیوں کہ گوپی ناتھ نے وائرلیس سیٹ کا بٹن ہی آف کر دیا تھا۔ گوپی ناتھ نے اپنی جیب سے ایک نقشہ نکال کر کیپٹن ڈی سوزا کی طرف بڑھا دیا اور بولا۔ "کیپٹن جہاز میں خرابی کی وجہ سے تم پہلے ہی تین گھنٹے لیٹ ہو۔ لیکن اب ہماری خاطر تمہیں صرف دس منٹ ہی بگاڑنے ہیں اس لیے تم جہاز کا رخ سونالی کی جانب موڑ دو۔"

کان کے قریب لگی ہوئی پستول کی نال کی گرمی سے اس کی گردن سے پسینا بہہ رہا تھا۔ اس لیے مجبور ہو کر اس نے جہاز کا رخ سونالی کی جانب موڑ دیا اور کہا۔ "مسٹر ہائی جیکر اگر ہمیں سونالی ایئرپورٹ پر اترنا ہے تو پہلے مجھے وہاں اطلاع کرنی ہو گی۔"

"نہیں کیپٹن۔" گوپی ناتھ جلدی سے بولا۔ "ہمیں نیپال کے اندر کسی جگہ بھی اترنا نہیں ہے اور نہ ہی بھارت کے کسی بڑے ایئرپورٹ پر ہمیں جانا ہے۔ سونالی کے قریب دور تک جنگل پھیلا ہوا نظر آتا ہے ان کے درمیان میدانوں جیسی خالی اور خشک زمینیں ہیں۔ تم اسے ایئرپورٹ سمجھ کر جہاز لینڈ کر دینا۔"

یہ سن کر کیپٹن ڈی سوزا اور انجینئر گپتا نے لاچار نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جہاز اپنی مخصوص رفتار سے جنگل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد گوپی ناتھ گھبرا گیا اور بولا۔ "تم لوگ کیوں بولتے نہیں؟"

"ہم کیا کہیں؟" کیپٹن ڈی سوزا نے آنکھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تمہیں تو کہیں بھی جہاز لینڈ کرانا ہے جبکہ میرے اوپر تو تم چاروں سمیت چوالیس لوگوں کی ذمے داری ہے۔"

"کیپٹن میں سب جانتا ہوں کہ تم ایک ہوشیار پائلٹ ہو۔" گوپی ناتھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مشکل سے مشکل لینڈنگ پر تمہیں ایوارڈ سے نوازا گیا ہے اور ویسے بھی ہمارے نیپال کے دو ایک ایئرپورٹ تو اجاڑ میدانوں ہی جیسے ہیں—— ہے نا؟"

یہ سن کر ڈی سوزا نے بحث کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور دوربین پر آنکھیں لگا

کر دیکھنے لگا شاید اس نے جہاز کو اتارنے کے لیے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈ لی تھی۔ اس لیے جہاز کی اونچائی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی تھی۔ اب نیچے پھیلا ہوا جنگل بالکل صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ اچانک انٹر کام کا ریسیور اٹھا کر کیپٹن ڈی سوزا نے ایئرہوسٹس کو ہدایت دیتے ہوئے کہا "مسافروں سے کہہ دو کہ ہم صرف لینڈنگ کر رہے ہیں اس لیے بیلٹ باندھ کر ذرا بھی گھبرائے بغیر اپنی اپنی سیٹ کو تھام کر بیٹھے رہیں۔"

اتنے میں گوپی ناتھ نے پستول کی نال اس کی گردن سے دور ہٹا لی تھی۔ جہاز اب بہت نیچے آ کر جنگل کے اوپر چکر لگا رہا تھا۔

"مسٹر۔" کیپٹن ڈی سوزا نے گوپی ناتھ کو مخاطب کیا۔ "اب تم بھی سامنے کی سیٹ پر بیٹھ جاؤ اور پستول کے ٹرائیگر سے انگلی ہٹا لو۔ میدان چاہے جتنا بھی سپاٹ ہو دو چار زور دار جھٹکے تو پھر بھی لگیں گے اور ایسی حالت میں غلطی سے ٹرائیگر پر رکھی ہوئی انگلی دب گئی تو——"

لیکن اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی گوپی ناتھ نے پستول کو جیب میں ڈال لیا اور سامنے کی سیٹ پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اور دوسرے ہی لمحے جہاز کے پہیے ایک زوردار جھٹکے سے زمین سے ٹکرا گئے۔ یہ جھٹکا اتنا زور دار تھا کہ کئی مسافروں کے منہ سے چیخ نکل گئی اور کئی مسافر اپنی جگہ سے اچھل کر اپنے سامنے والی سیٹ سے ٹکرا گئے۔ آدھے فرلانگ تک جھٹکے کھا کر دوڑتے رہنے کے بعد جہاز ایک جھٹکے سے رک گیا تو سب نے سکون کا سانس لیا اور ان کی جان میں جان آ گئی۔

"ویل ڈن کیپٹن۔" گوپی ناتھ نے پستول جیب سے نکال لیا اور کیپٹن ڈی سوزا کو شاباش دیتے ہوئے بولا۔ "واقعی تم نے ایک کارنامہ انجام دیا ہے کیپٹن۔"

اس کے بعد تین منٹ کے اندر اندر بینک کے دونوں کیش بکس نیچے پھینک دیئے گئے اور چوتھے منٹ پر چاروں ہائی جیکر بھی زمین پر کود گئے۔ ان کے نیچے کودتے ہی باقی کے سارے مسافروں کو لے کر جہاز پھر آسمان پر اوپر کی جانب اٹھتا چلا گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیکھ لیا شام کے سات بجتے ہی کتنا اندھیرا ہو گیا ہے؟" مندر کے قریب جیپ روک کر ڈرائیور نے کہا۔ "اچھا ہوا تمہیں سرائے میں سے ٹارچ مل گئی ورنہ اس گھنے جنگل میں تو سامنے کھڑا ہوا آدمی بھی نظر نہیں آتا۔"

"اوکے۔۔۔ تھینک یو۔" وجے نے ٹارچ کو روشن کرتے ہوئے کہا اور جیپ سے نیچے اترتے ہوئے بولا۔ "رات کیسی گزری یہ کہنے کے لیے شاید اب ہماری ملاقات نہ ہو۔"

"اور ہاں" ڈرائیور نے جیپ اسٹارٹ کرنے کے بعد اس طرح کہا جیسے اچانک اسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔ "صبح کے پانچ بجے تک سرائے کے قریب ٹرک والوں کے اڈے پر پہنچنا مت بھولنا۔"

"ضرور" کہہ کر وجے ٹارچ کی روشنی کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا مندر کی جانب بڑھ گیا اور اس وقت تک وہ جیپ اندھیرے میں غائب ہو چکی تھی۔ وجے نے اپنی بغل میں دبا ہوا کپڑوں کا تھیلا چارپائی پر رکھ دیا اور پھر خود بھی چارپائی پر لیٹ کر سوچنے لگا۔ "بڑا ہی عجیب آدمی ٹکرا گیا تھا۔ وہ اسے ایک گھنٹے میں واپس لانے کا کہہ کر لے گیا تھا لیکن پورے چار گھنٹے بعد واپس چھوڑ گیا ہے۔ اس کی باتیں بھی سب بے سر پیر کی تھیں۔ وہ فارسٹ آفس میں کام کرتا تھا لیکن جنگل کی کوئی بات نہیں بتاتا تھا کبھی کبھی وہ بہت چالاک آدمی لگنے لگتا تھا اور کبھی بہت ہی بھولا بھالا۔ لیکن اس کی ایک بات سچی تھی جو اس نے سرائے میں دو تین لوگوں سے سنی تھی کہ رات کے وقت شیر کے گرجنے کی آواز سے سارا جنگل گونج اٹھتا ہے اور اسی لیے شاید وہ رات گزارنے کے لیے سرائے میں ہی رک جاتا اگر اس کے سامنے والے دو بکس وہ یہاں چھوڑ نہ

ہوتا تو۔

یکایک اس کے دماغ میں بجلی سی کوند گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ٹارچ کی روشنی مندر کے پچھواڑے ڈالتے ہی اسے ایک جھٹکا سا لگا کیونکہ اس کے دونوں بکس وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔

وہ اچھل کر اٹھا اور جلدی سے وہاں پہنچ کر دیکھنے لگا لیکن ٹین کے دونوں بکس کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس نے کنویں کی جانب روشنی ڈالی لیکن وہاں بھی کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آئے۔ پھر جب کچی زمین پر ٹارچ کی روشنی پڑی تو اچانک وہ چونک پڑا کیونکہ دھول میں ٹائروں کے نشانات صاف نظر آ رہے تھے اور یہ نشان کسی جیپ کے بھاری ٹائروں کے ہی نشان تھے۔

اب اس کی سمجھ میں ساری بات آ گئی تھی کہ جیپ کا وہ ڈرائیور اسے یہاں سے تین چار گھنٹے کے لیے کیوں لے کر چلا گیا تھا؟ لیکن وہ خود تو اتنی دیر تک اس کے ساتھ ہی تھا اور جیپ بھی وہیں کھڑی تھی؟ تو شاید اس کے ساتھی کسی دوسری جیپ میں اس کے دونوں بکس اٹھا کر لے گئے ہوں گے؟

تھوڑی دیر بعد وجے کو ہنسی آ گئی جس بوجھ سے وہ جان چھڑانے کی ترکیب سوچ رہا تھا وہ کام ان لوگوں نے کر دیا تھا۔ وہ خوش تھا کہ اس کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔۔۔ "یہاں مال سامان کا نہیں بلکہ جان کا خطرہ ہے۔" اچانک اسے جیپ ڈرائیور کے یہ الفاظ یاد آ گئے اور وہ ہونٹوں میں بڑبڑانے لگا۔ "بھائی مال سامان کا خطرہ تو تم نے ختم کر ہی دیا ہے اب جان کا خطرہ بھی سنبھالنا ہو گا۔" آس پاس کے درختوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے کے بعد اس نے تھوڑی دور فاصلے پر ایک درخت کو پسند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے چارپائی کو اس درخت پر لٹکا دیا اور خود اوپر جا کر اسے اوپر کھینچ کر اس کے چاروں پایوں کو چار مضبوط ٹہنیوں میں اچھی طرح پھنسا دیا۔ سیاحوں کے ساتھ اس نے دو ایک بار اسی طرح جنگلوں میں رات گزاری تھی اس لیے اس چارپائی پر لیٹتے ہی اسے گہری نیند آ گئی پھر شیروں کی گرج اور دوسرے جنگلی جانوروں کی آواز بھی اسے اٹھا نہیں سکی۔

صبح کے تقریباً چار بجے اس کی نیند اڑ گئی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تعجب کا ایک اور جھٹکا اسے لگا مندر کے پجھواڑے اس کے دونوں بکس واپس آ چکے تھے اس نے بار بار آنکھیں مل مل کر یقین کرنے کی کوشش کی۔ اس جادو نے اسے بڑی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ بے چارے چوروں کی محنت رائیگاں گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ وزنی بکسوں کو دیکھ کر بے چارے دھوکا کھا گئے ہوں گے سونے چاندی اور نقدی کی بجائے کسی کے پاپ کی نجی اور معمولی سی چیزوں کو دیکھ کر وہ بے چارے سخت پچھتائے ہوں گے لیکن انہوں نے انہیں واپس کرنے کی تکلیف کیوں کی؟

بارش کے پانی سے بھیگی ہوئی زمین پر اسے کئی قدموں کے نشانات دکھائی دیئے تو وہ بڑبڑائے بغیر نہ رہ سکا کم بخت بکس کو لے تو جیپ میں گئے تھے لیکن واپس لے کر پیدل ہی آئے تھے۔

اس معجزے نے وجے کو حیرت کے ساتھ ساتھ الجھن میں بھی مبتلا کر دیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ جس بے کار چیز کو اس کے پاس دیکھ کر لوگ چرا لینے کی کوشش میں لگ جائیں ایسی چیز کو ساتھ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ان کو اب ساتھ اٹھائے رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ اگر مندر میں پڑے رہیں گے تو شاید بھگوان کے کسی غریب بھگت کے ہی کام آ جائیں۔

لیکن یہ سوچنے کے بعد پھر اس کا ارادہ بدل گیا بھلا پاپ کی ان چیزوں کو کیوں کسی غریب کے استعمال میں آنے دینا چاہیے؟ یہ تو اور ہی گناہ کا کام ہو گا--- نہیں نہیں--- اس نے ایک فیصلہ کر لیا اور درخت پر سے نیچے اتر آیا۔

پھر ایک ایک کر کے دونوں وزنی بکس کو اٹھا کر وہ کنویں کے قریب لے آیا پھر کنویں کے اندر جھانک کر تھوڑی دیر دیکھتا رہا پھر چند لمحوں بعد اس نے ایک ایک کر کے دونوں بکس کنویں میں دھکیل دیئے۔ کنویں کے پانی میں یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے اور آس پاس کے درختوں پر سوئے ہوئے پرندوں میں یکایک کھلبلاہٹ سی مچ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وجے اپنی ایک نئی دنیا میں داخل ہونے کی تیاری میں لگ گیا اور جب اس نے اپنا یہ پہلا پڑاؤ چھوڑا تو اسے اس بات کا پتا ہی نہیں تھا کہ راستے میں نیپال بینک کے پون کروڑ روپے کے دونوں بکس وہ خود اپنے ہاتھوں سے کنویں میں پھینک کر جا رہا تھا۔ پچپن لاکھ روپے سے بھرے ہوئے دونوں بکس کنویں میں دفن ہو چکے تھے اور وہ اس سے بے خبر تھا۔

○

الہ آباد پولیس اسٹیشن کے کمپاؤنڈ میں مال سے بھرے ہوئے ایک ٹرک سے پولیس انسپکٹر کے ساتھ وجے اترا۔ اور دوسرے دروازے سے ٹرک کا سکھ ڈرائیور بھجن سنگھ اترا پیچھے بیٹھے ہوئے حولدار نے ٹرک کے کلینر کو نیچے اتارا۔ پولیس اسٹیشن کے اندر داخل ہوتے وقت وجے کو لگا کہ اس نے تو کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ بھارت میں داخل ہوتے ہی اس کا اس طرح استقبال کیا جائے گا؟

دوسری جانب سکھ ٹرک ڈرائیور بھی ہونٹوں ہونٹوں میں بڑبڑا رہا تھا۔ "کسی پر رحم کھانے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا اجنبی کو ٹرک میں بٹھا کر تو مصیبت مول لی ہے۔"

صبح کے ساڑھے پانچ بجے جنگل کے قریب والے سرائے کے باہر ایک بھٹیار خانے میں چائے وغیرہ پینے کے بعد وہ الہ آباد کے لیے روانہ ہوئے تھے اور گورکھپور پہنچنے تک تو وجے اور بھجن سنگھ آپس میں اس طرح گھل مل گئے تھے جیسے برسوں کے پرانے دوست ہوں۔ باتونی بھجن سنگھ اپنی پندرہ سالہ ڈرائیوری کے درمیان ہونے والے تجربات سناتا جاتا تھا اور وجے دلچسپی لیتے ہوئے "ہوں ہاں" کرتا جاتا تھا۔ بیچ بیچ میں بھجن سنگھ شراب سندری کی شاعری بھی گنگنانے لگتا تھا۔ اسی ترنگ میں ہنستے ہوئے اس نے وجے سے کہا تھا۔ "ہم جیسے آوارہ لوگوں کی زندگی میں کبھی کبھی جب تم جیسے کسی پڑھے لکھے آدمی کا ساتھ مل جاتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ ڈیزل کی بجائے پٹرول بھر کر ٹرک چلا رہا ہوں۔ سچ بڑا مزا آتا ہے۔" لیکن گورکھپور پار کرتے ہی جگہ جگہ راستے میں ٹرک کو روک کر پولیس والے پوچھ گچھ کرنے لگے۔ بھجن سنگھ اس بار بار کی پوچھ گچھ سے تنگ آ گیا اور اس کا مزاج بدلنے لگا اور وہ غصے میں بولنے لگا۔ "لگتا ہے آج پھر کسی بدمعاش نے اسمگلنگ کا چکر چلایا ہے۔ نہیں تو اس راستے میں اتنی سخت چیکنگ کبھی نہیں ہوتی۔"

تھوڑی دیر بعد تو ایک پولیس جیپ ٹرک کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی اور تب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ دونوں دل ہی دل میں ایک دوسرے کا ہم سفر بننے پر پچھتا رہے تھے۔۔۔ بھجن سنگھ اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ پچاس روپے کے لالچ میں اس نے اس شخص کو ٹرک میں بٹھا لیا مگر شاید اس کی وجہ سے وہ پھنس نہ جائے۔

جبکہ وجے سوچ رہا تھا شاید سردار جی کے ٹرک میں ہی اسمگلنگ کا مال ہونا چاہیے مجھے تو کم بخت اس فارسٹ آفیسر کے ڈرائیور نے مروا ڈالا ہے۔

پھر جب الہ آباد تیس کلو میٹر دور رہا ہو گا تو اچانک پولیس جیپ خراب ہو گئی یہ دیکھ کر اندر بیٹھے ہوئے انسپکٹر نے سردار جی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ سردار جی نے ٹرک روک دیا تو انسپکٹر نے جیپ سے اتر کر کہا۔ "ٹرک الہ آباد پولیس اسٹیشن لے چلو۔" اتنا کہہ کر انسپکٹر اگلی سیٹ پر وجے کے برابر بیٹھ گیا۔ اور حوالدار کلینر کے ساتھ ٹرک میں لدے ہوئے مال پر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد بھجن سنگھ تھوڑی دیر تک دل کو سمجھاتا رہا کہ پولیس انسپکٹر نے صرف لفٹ ہی لی ہے لیکن جب انسپکٹر نے وجے سے پوچھ گچھ شروع کر دی تو بھجن سنگھ اور وجے کو یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ ایک دوسرے کی وجہ سے ہی اس مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔

پولیس اسٹیشن میں آکر انسپکٹر نے ٹیلیفون پر کسی کا نمبر ملایا۔ چند لمحوں بعد جب رابطہ قائم ہو گیا تو اس نے کہا۔ "ہیلو شیام ٹرانسپورٹ کمپنی؟ دیکھو تمہارے ایک ٹرک ڈرائیور اور کلینر کو ہم نے ٹرک سمیت اپنے قبضے میں لے لیا ہے ہمیں ٹرک کی تلاشی لینی ہے اس لیے دو چار مزدوروں کو لے کر آپ پولیس اسٹیشن پر آجائیں۔"

اتنا کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور بھجن سنگھ کی جانب دیکھ کر وجے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "سردار جی تم اس نوجوان کو جانتے ہو؟"

"نہیں جناب۔" سردار بھجن سنگھ نے جواب دیا۔ "صورت شکل سے تو اچھا آدمی لگتا تھا اس لیے میں نے بٹھا لیا تھا۔"

"میں جتنا پوچھوں اتنا ہی جواب دو۔" انسپکٹر کمار نے اس طرح کہا جیسے وہ اس کی زبان ہی کاٹ ڈالے گا۔ "ٹرک میں اس کا کوئی سامان ہے؟"

"نہیں جناب۔" اب وجے نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میرے سامان میں ایک تھیلا ہے جو میری بغل میں دبا ہوا ہے۔"

"ہوں۔" انسپکٹر نے اتنی تیز نظروں سے اسے گھورا کہ وجے ایک لمحے کے لیے سچ مچ اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگا اور سوچنے لگا کہ کہیں جانے انجانے میں اس سے کوئی جرم تو سرزد نہیں ہو گیا ہے؟

"مسٹر تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" اچانک انسپکٹر نے پوچھا۔

وجے کو انسپکٹر کا یہ لہجہ بڑا ناگوار گزرا لیکن اس وقت وہ نیپال میں نہیں تھا ورنہ وہ انسپکٹر کو یہ ضرور سمجھاتا کہ شریف اور پڑھے لکھے لوگوں سے کس طرح گفتگو کی جاتی ہے مگر اس وقت وہ پرائے ملک میں تھا لہٰذا اسے چپ چاپ سب کچھ برداشت کرنا تھا۔ اس لیے وہ بڑے ہی پرسکون لہجے میں بولا۔ "دیکھئے انسپکٹر صاحب آپ پچھلے آدھے گھنٹے سے میرے ساتھ ہیں لیکن مجھے یہاں لانے کی کوئی وجہ بھی آپ نے نہیں بتائی ہے آپ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں یہ بالکل ٹھیک ہے لیکن میری آپ سے اتنی گزارش ہے کہ آپ زبردستی کا چلن نہ اپنائیں۔"

"اس کا مطلب ہے تم مجھے سبق سکھا رہے ہو؟" انسپکٹر غصے میں بولا۔ "یہاں ہم خود تم جیسے لوگوں کو شرافت کا سبق پڑھاتے ہیں۔" اتنا کہہ کر اس نے وجے کا تھیلا چھین کر اسے اپنی میز پر الٹ دیا۔ تھیلے کے اندر سے ایک جوڑا کپڑے کا پشمینہ ناتھ کی ایک چھوٹی سی تصویر اور پوجا پاٹ کی چند چھوٹی چھوٹی چیزوں کے سوا اور کوئی خاص چیز نہیں نکلی تو انسپکٹر کمار کی بھنویں تن گئیں اور وہ غرا کر بولا۔ "اب اپنی جیب کی ساری چیزیں نکال کر میز پر رکھ دو۔"

یہ سن کر وجے نے بڑی عجیب سی نظروں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا پھر جیب سے اپنا پرس، گائیڈ کا ایڈینٹی کارڈ اینڈرسن صاحب کا لکھا ہوا خط اور تھوڑی ریزگاری میز پر رکھ دی۔ انسپکٹر کمار نے سب سے پہلے اس کے چمڑے کے پرس پر ہاتھ مارا اور اندر سے نوٹوں کو نکال کر گننے لگا سو سو کے پورے سولہ نوٹ گننے کے بعد اس نے انہیں واپس پرس میں رکھ دیا اور تہہ کیے ہوئے ایک کاغذ کو کھول کر پڑھنے لگا اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگی تھیں اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھ کر سردار بھجن سنگھ بھی اونچا نیچا ہونے لگا تھا اسے اب یہ یقین ہو چکا تھا کہ وجے اب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پوری طرح پھنس چکا ہے۔

"ساڑھے چار لاکھ روپے کی ہنڈی۔" انسپکٹر کمار وجے کو گھورنے لگا پھر آہستہ بولا۔ "لگتا ہے بینک کی رقم لوٹتے وقت یہ ہنڈی بھی ہاتھ لگ گئی ہے؟"

"بینک کی رقم؟" وجے کو حیرت کے ساتھ اب غصہ بھی آ گیا۔ "مسٹر انسپکٹر ڈونٹ ٹوک نان سنس" سردار بھجن سنگھ اس کی انگریزی سن کر سہم گیا اور انسپکٹر کمار بھی چپ رہا مگر وجے بڑے ہی سنجیدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "آپ نے ہنڈی میں لکھی ہوئی رقم تو پڑھ لی ہے لیکن ذرا اوپر لکھا ہوا نام بھی پڑھ لیں اور اس ایڈنٹی کارڈ پر بھی نظر ڈال لیں اور پھر میرے چہرے پر بھی اچھی طرح دیکھیں اس کے بعد کوئی سوال کریں۔"

وجے کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ سے اس کے غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس لیے انسپکٹر کمار کچھ ڈھیلا پڑ گیا لیکن سکھ ڈرائیور کے سامنے اس نے اپنی ناک نیچی نہیں ہونے دی اور پہلے جیسے غصے سے وجے کو گھورتا رہا لیکن ٹھیک اسی وقت شیام ٹرانسپورٹ کمپنی کا مالک شیام چندر ہانپتا کانپتا اندر داخل ہوا تو انسپکٹر جلدی سے بولا۔ "اچھا ہوا آپ آ گئے اب ذرا جلدی سے اپنا ٹرک خالی کروا دیں۔" اتنا کہہ کر اس نے دو پولیس کے سپاہیوں کو بلا کر حکم دیتے ہوئے کہا۔ "ٹرک کے مال پر اپنی نظر رکھنا اور کوئی ایک چیز بھی ادھر سے ادھر نہ ہونے پائے مجھے یقین ہے کہ بینک کے لوٹے ہوئے کیش بکس اسی ٹرک سے برآمد ہوں گے۔"

اس حکم کے بعد سردار بھجن سنگھ سمیت سارے لوگ باہر چلے گئے۔ اب وہاں صرف وجے کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اس لیے انسپکٹر کمار نے پھر سوالات شروع کر دیئے۔ "یہ ہنڈی کیسی ہے؟ نیپال کب چھوڑا؟ سولہ سو روپے ہونے کے باوجود ٹرک میں سفر کیوں کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔۔۔"

اس کے لہجے میں اب پہلے جیسی تلخی نہیں تھی۔ اس لیے وجے نے بھی تمام سوالوں کے جواب بڑی تفصیل سے دیئے۔ انسپکٹر کو یہ جان کر بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ مہاراجا کے پاپ کا بوجھ اپنے سر لینے پر اس نوجوان کو اتنی بڑی رقم ملی ہے۔ وہ ساری بات سن کر بڑی حیرت سے وجے کو دیکھ رہا تھا۔

"جناب اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر کسی بینک میں ڈاکا پڑا ہے تو آپ کو مجھ پر یہ شک کیوں ہوا ہے؟" وجے نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ "کیا میں شکل سے ڈاکو لگتا ہوں؟"

انسپکٹر کمار اس کا سوال سن کر دھیرے سے مسکرایا۔ وہ کہنا تو چاہتا تھا کہ انجان بن کر تم اپنی بے گناہی ثابت کرنا چاہتے ہو لیکن یہ کہنے کی بجائے اس نے صرف اتنا کہا "دیکھو مسٹر' بینک ہمارے بھارت کا نہیں لوٹا گیا ہے بلکہ یہ لوٹ تو تمہارے نیپال میں ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے میز پر پڑا ہوا اخبار ڈیلی الہ آباد اس کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔ "پہلی خبر ہے یہ خود ہی پڑھ لو۔" رائل نیپال کے جہاز کو اغوا کر کے ڈاکو بینک کے ساٹھ لاکھ روپے لے اڑے۔۔۔ یہ سرخی پڑھتے ہی وجے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ میز پر جھک کر پوری خبر جلدی جلدی پڑھنے لگا۔ اس کے چہرے پر آتی جاتی لکیروں کو دیکھ کر انسپکٹر کمار دل ہی دل میں ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ہر مجرم پہلے پہل ایسا ہی نظر آتا ہے۔۔۔"

"خبر پوری نہیں ہے" وجے نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "جناب آپ کے پاس تو اب تک کی خبر آ چکی ہو گی؟"

"ہاں" انسپکٹر کمار نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آخری خبر بھی آ چکی ہے اور اب میں سب کو یہ کہہ سکتا ہوں کہ چار ڈاکوؤں میں ایک کو میں نے پکڑ لیا ہے ساڑھے چار لاکھ کی ہنڈی اور ٹرک میں سے ملنے والے۔۔۔"

"صاحب" باہر سے آنے والے سپاہی نے اسے آگے کہنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ سپاہی کہہ رہا تھا "صاحب ٹرک میں تیل کے بھرے ہوئے ڈبوں کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔"

یہ سن کر انسپکٹر کمار کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا وجے پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اس نے ٹرک کے مالک سے کہا۔ "ٹھیک ہے اس وقت تو تم اپنا ٹرک اور مال لے جاؤ لیکن ڈرائیور اور کلینر ہماری اجازت کے بغیر شہر سے باہر مت جانے دینا جاؤ۔"

ان سب کے جانے کے بعد وہ ایک بار پھر کمرے میں اکیلے تھے مگر اس بار انسپکٹر کمار نے ایک دوسرے ہی انداز سے گفتگو شروع کی۔ "مسٹر وجے تمہارا کیا خیال

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے؟ کیا ساٹھ لاکھ کے دو وزنی بکس اٹھا کر ڈاکو اس طرف آنے کا خطرہ مول لے سکتے ہیں؟"

"دو وزنی بکس---" انسپکٹر کمار نے یہ تین الفاظ زور دے کر کہے تھے اور تب ہی وجے کے دماغ میں بجلی سی کوند گئی کیونکہ اس طرح کے دو وزنی بکس تو اس کے پاس بھی تھے جو شام کو غائب ہو گئے تھے اور آدھی رات کے بعد واپس آ گئے تھے۔

اس کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھ کر انسپکٹر کمار نے کہا۔ "مسٹر وجے اخبار میں تو ابھی یہ اطلاع نہیں آئی ہے لیکن امید ضرور ہے کہ مجرم کو گرفتار کرنے والے کو دس فیصد انعام دیا جائے گا۔" اتنا کہہ کر وہ مسکرا دیا پھر آگے بولا۔ "سیدھا حساب ہے ساٹھ لاکھ میں سے چھ لاکھ تو ہمارے ہوں گے۔"

"ہمارے؟" وجے کی ہنسی نکل گئی۔ "جناب تھوڑی دیر قبل تو آپ نے مجھے ڈاکو بنا دیا تھا اب انعام میں حصہ دار بنا رہے ہیں؟"

یہ سن کر پولیس انسپکٹر کا پارہ چڑھ گیا اور وہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھ کر چلایا۔ "حوالدار اسے لے جاؤ اور اس اناڑی کے ساتھ کوٹھری میں بند کر دو۔"

وجے نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی لیکن دو سپاہیوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا۔ وہ لاچار ہو گیا اور کوٹھری کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ "انسپکٹر ایک پردیسی کو اس طرح تنگ کرنے کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا۔ یہ آپ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی دونوں سپاہیوں نے زوردار دھکا دے کر اسے ایک تنگ کوٹھری میں دھکیل دیا۔

"یہ ظلم ہے--- سراسر ناانصافی ہے---" وجے دروازے کی سلاخوں پر مکے مارتا ہوا چلاتا رہا۔

"ارے بابو یہاں ہاتھ پیر مارنے اور سر پٹخنے سے کچھ نہیں ملے گا۔" کوٹھری کے کونے سے ایک کرخت آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "لوہے کے اس دروازے کے پیچھے آ جانے کے بعد کلیجہ بھی لوہے کا بنا لینا پڑتا ہے۔"

تب وجے نے گردن گھما کر دھیرے دھیرے بولنے والے کی طرف دیکھا بلوزینا

کی پتلون' رنگین چیک دار شرٹ' کھردار چہرہ' موٹی آنکھیں اور موٹے ہونٹ جن کے درمیان بیڑی دبائے بیٹھا ہوا نوجوان ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ادھر آ یار" وہ بیڑی کا کش لے کر بولا۔ "اچھا ہوا تم ہماری کوٹھری میں آ گئے میں تو سالا سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر یہ اکیلا پن---"

وجے سمجھ گیا کہ کسی عادی مجرم سے اس کا پالا پڑ گیا ہے۔ انسپکٹر نے حوالدار سے کہا بھی تھا کہ اسے اس اناڑی کی کوٹھری میں ڈال دو۔ واقعی اس کا تو چہرہ ہی نہیں بلکہ دماغ بھی کھردار لگتا ہے۔

"لو پیو---" وجے کچھ فاصلے پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو اس نے بیڑی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کون سے کیس میں آنا پڑا ہے؟"

بیڑی لینے سے انکار کرتے ہوئے وجے چپ چاپ بیٹھا رہا تو اس شخص نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔ "یار اس بانکے کو بک بک کرنے کی عادت ہے اس لیے کم بولنے والے کو میں بے وقوف سمجھتا ہوں اب بتاؤ تو سہی یہاں کیسے آنا ہوا ہے؟"

تھوڑی دیر بعد وجے نے اپنے دل کا سارا غبار نکال دیا۔ اس نے سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح حالات سے مجبور ہو کر اسے گھر چھوڑنا تھا اور کس طرح موقعے سے فائدہ اٹھا کر اس نے مہاراجا کے پاپ کو اپنے گلے سے لگا لیا نیپال سے نکل کر وہ کس طرح سرحد پر آیا اور پھر سردار جی کے ٹرک میں سوار الہ آباد آ رہا تھا تو پولیس نے ڈاکے کے جھوٹے الزام میں اسے گرفتار کر لیا---

"ارے یار تم تو نیپالی نکلے" بانکے میاں نے اپنے پن کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو نیپالی لوگ بہت پسند ہیں" اتنا کہہ کر اس نے تھوڑی دیر تک کچھ سوچا پھر آگے بولا۔ "لیکن تم جتنے نظر آتے ہو اتنے بھولے بھی نہیں ہو۔ یار تم تو مہاراجا کے ساڑھے چار لاکھ لے کر آئے ہو لکھ پتی ہونے کے بعد دیس کیا اور پردیس کیا؟"

"لیکن پردیس میں قدم رکھتے ہی جیل میں---؟"

"ارے تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟" بانکے نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے افیون کی اسمگلنگ کے الزام میں یہاں لایا گیا ہے۔ مال بھی مل گیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیکن یہ ثبوت کہاں سے ملے گا کہ وہ مال میرا ہی ہے؟ اب باقی کا سارا کام باس سنبھال لے گا۔"

"باس؟" وجے چونک پڑا۔

"نہیں سمجھے؟" بانکے نے ہنستے ہنستے اسے سمجھایا۔ "شاید تم ہماری ہندی فلمیں نہیں دیکھتے--- یار جو اسے الٹے سیدھے دھندے کرواتا ہو باس کہلاتا ہے۔"

وجے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ بانکے کے چہرے پر زخموں کے کئی نشان تھے جس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ چھری چاقو چلانے میں ماہر ہے۔ اس لیے وجے نے سوچا کہ کیوں نہ اس کا پورا تعارف حاصل کر لیا جائے اس خیال کے آتے ہی اس نے پوچھا۔ "بانکے میاں--- آپ---"

"اے مسٹر" بانکے نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔ "یہ آپ اور جناب کی زبان مجھے راس نہیں آتی یار۔ اگر سامنے والے کو تو اور تم کہہ کر مخاطب کیا جائے تو یاری دوستی فوراً پکی ہو جاتی ہے۔ اب بولو کیا پوچھ رہے تھے تم؟"

"یہی تمہیں نیپالی لوگ پسند ہیں۔" وجے نے اس کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ "مگر تم نے اس پسند کی وجہ نہیں بتائی؟"

"یار یہ وجہ وغیرہ سمجھانا مجھے نہیں آتا۔" بانکے میاں نے بیڑی کا کش لگاتے ہوئے کہا۔ "اصل میں نیپال سے ہمارا رشتہ ہے ہم وہاں سے مال لا کر یہاں پہنچا دیتے ہیں اور پھر مہینے دو مہینے تک موج اڑاتے ہیں۔"

"افیون۔ چرس--- یا اور کچھ؟" وجے نے پوچھا۔

"ارے واہ رے استاد" بانکے کی باچھیں کھل گئیں اور وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "یار تم سیدھے آدمی ہو اس لیے بتا دیتا ہوں ورنہ یہ پولیس اگر میری کھال بھی اتار لے تب بھی ایک لفظ نہ نکالوں گا۔" اتنا کہہ کر بانکے زور زور سے بیڑی کے کش لگانے لگا اور وجے صبر کا دامن تھام کر اسے دیکھتا رہا۔ "یار ہم لوگ تو افیون اور چرس کی ہیرا پھیری کرتے ہیں" بانکے نے کہنا شروع کیا۔ "ویسے نیپال کے اور آئیٹم کی یہاں بہت مانگ ہے۔"

"ایسا کون سا آئیٹم ہے؟" وجے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"برائی تو دوست ہر گورکھ دھندے میں ہے۔" بانکے بولا۔ "لیکن کسی کی بہن اور بیٹی کی ہیرا پھیری کے گناہ میں ہم سے تو پڑا نہیں جاتا۔"

یہ سننا تھا کہ وجے اس طرح اچھل پڑا جیسے ہزاروں وولٹ کرنٹ اس کے جسم پر دوڑ گیا ہو۔ "بہن--- اور بیٹی کی ہیرا پھیری۔"

"کیوں؟ اس قدر چونک کیوں گئے؟" بانکے نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔ "دنیا بھر میں عورتوں کے جسم فروخت ہوتے ہیں کوئی غریبی کی مجبوری سے' تو کوئی زبردستی کوٹھے پر بیٹھنے لگتی ہے لیکن ہمیں ایسے پاپ میں کیوں پڑنا چاہیے؟"

وجے نے اپنے دل میں درد کی ایسی ٹیس محسوس کی جیسے اس کی دکھتی رگ دبا دی گئی ہو اسے لگ رہا تھا کہ بات بہت نازک موڑ پر آ پہنچی ہے بانکے دیکھنے میں سخت آدمی ضرور ہے لیکن اس کا دل اندر سے نرم ہے نہ جانے کب تک اس کا ساتھ رہے گا؟ کیوں نہ اس سے دل کھول کر بات کر لی جائے--- ذہن میں اس بات کے ابھرتے ہی اس نے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔ "بانکے تمہاری بھی کوئی بہن تو ہو گی نا؟"

وجے کے اس سوال نے اچانک اسے ہلا کر رکھ دیا اور اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں بے بسی کی جھلک نظر آنے لگی اور وہ بولا۔ "دوست تم نے مجھے میرے گھر کی یاد دلا دی حالانکہ گھر میں دو ہی تو فرد ہیں ایک میری ماں اور ایک چھوٹا بھائی بہن بھی تھی---"

"مگر کیا بانکے میاں؟" وجے نے بے صبری سے پوچھا۔ "بتاؤ بانکے کیا بات ہے؟"

"تین سال پہلے میں نے بہن کی شادی کر دی تھی۔" بانکے نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "باپ تو تھا نہیں اور گھر بھی پیسے سے خالی تھا بہن کے لیے اچھا سسرال ڈھونڈنے کے لیے اچھا جہیز بھی دینا تھا اس لیے میں نے پڑھنا لکھنا چھوڑ کر یہ دھندہ اپنا لیا۔"

"تو پھر اب تو تمہاری بہن سکھی ہو گی۔" وجے نے پوچھا۔

"سکھی تو ہے لیکن جب سے میرے دھندے کے بارے میں اسے معلوم ہوا ہے تب سے وہ میرا منہ دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔" بانکے کی آواز لرزنے لگی۔ "وہ بے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چاری مجھے ایک اچھا انسان بنانا چاہتی تھی لیکن اچھے انسان کی بہن بیٹی کو یہ سماج اچھا سسرال دینے کی گارنٹی دیتا ہے؟"

"دوست ہم دل کھول کر کسی کو اپنے دل کی چوٹ نہیں دکھا سکتے۔" وجے نے درد بھری آواز میں بانکے سے کہا۔ "مہاراجا کا پاپ لے کر میں نے بھی بہن کی تلاش کرنے کے لیے اپنا وطن چھوڑا ہے لیکن لوگوں نے تو مجھے پاپی پاپی کہہ کر ہی رخصت کیا تھا۔"

بانکے ایک جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "بہن کی تلاش میں؟ کیا مطلب؟"

تب وجے نے اپنی بہن رکمنی عرف روکھی کی کہانی اسے سنا دی اور پھر بولا۔ "چھ سال ہو چکے ہیں اس بات کو' لوگ کہتے ہیں وقت کے ساتھ زخم بھر جاتے ہیں لیکن----"

"یہ بات ہے؟" بانکے کے کھردرے چہرے پر کھلبلاہٹ سی مچ گئی وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور وجے اس طرح اسے تاک رہا تھا جیسے بانکے ابھی اسے اس کی روکھی کا پتا بتا دے گا۔

"وجے کیا تم پہلے کبھی دہلی گئے ہو؟" اچانک بانکے نے پوچھا۔

"جب میں بنارس میں پڑھتا تھا تو دو ایک بار دہلی بھی گیا تھا۔" کہتے کہتے وجے کو یاد آ گیا اور وہ آگے بولا۔ "تین سال پہلے کی بات ہے کہ ایک غیر ملکی سیاح کے ساتھ ہری دو اردرشن کے لیے دہلی گیا تھا۔"

"پرانی دہلی کے چاندنی چوک میں ایک ہوٹل ہے۔" بانکے نے کہا۔ "اس ہوٹل کا نام ہے منور نجن تم اس کے منیجر کو جا کر پکڑنا مدن نام ہے اس کا' اسے دہلی بھر کی لڑکیوں کے بارے میں علم ہوتا ہے سمجھ گئے؟ پورا نام مدن لال۔"

"کیا میں اسے تمہارا نام بتاؤں؟" وجے نے پوچھا۔

"بھلے آدمی اسے نہ میرا اور نہ اپنا نام بتانے کی ضرورت ہے۔ بانکے کسی بزرگ آدمی کی طرح اسے سمجھانے لگا۔ "وہاں جا کر یہ مت کہنا کہ میں اپنی بہن کی تلاش میں آیا ہوں بڑی ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے شاید تمہیں یہ بھی کہنا پڑے کہ پاپ کی کمائی کو پاپ میں ہی اڑا دینا چاہتا ہوں اور عیاشی کے لیے تمہیں نیپالی

لڑکیاں ہی پسند ہیں۔"

"نہیں--- نہیں--- نہیں" وجے کانپ اٹھا۔ "مجھ سے یہ----"

"نہیں ہو گا یہی نا؟" بانکے درمیان میں ہی بول پڑا۔ "میرے دوست اگر اپنی بہن کو تلاش کرنا ہے تو تمہیں پاپ کی دنیا میں ہی بھٹکنا ہو گا اور اگر تمہاری بہن زندہ ہے اور دھندہ کرتی ہے تو تمہیں اس کا گاہک بن کر ہی جانا ہو گا۔"

وجے پر ایک کپکپاہٹ سی طاری ہو گئی۔ جب وہ بہن کی تلاش میں نکلا تھا تو اس نے ایسی لرزہ طاری کر دینے والی بات کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اچانک بانکے کا کھردار چہرہ بھیانک ہو گیا اور وہ اونچی آواز میں بولا۔ "بھول جاؤ بے وقوف اپنی بہن کو بھول جاؤ پاپ کی کمائی کے ساڑھے چار لاکھ روپے خیرات کر کے سادھو بن جاؤ کیونکہ بہن کی تلاش کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔"

اس گہرے طنز سے وجے کی گردن جھک گئی لیکن بانکے کا غصہ کم نہیں ہوا وہ بدستور اس لہجے میں بول رہا تھا۔ "چھ برس میں اس لڑکی پر کیا گزری ہو گی؟ وہ زندہ بھی ہو گی تب بھی مردہ جیسی ہو گی سمجھے؟"

وجے کی گردن اونچی نہ ہو سکی دل کے درد سے اس کے سینے میں جلن سی ہونے لگی۔ "جھک گئے دوست۔" بانکے کی آواز میں پھر ہمدردی کی جھلک نظر آنے لگی "یار بہن کی شادی کرنے کے لیے میں نے اپنے ضمیر کو بیچ دیا لیکن تم تو اپنی روح کو بھی بیچ کر آئے ہو گناہ اور ثواب کے سارے خیالات چھوڑ کر آگے بڑھو اور اگر تم کہو تو میں بھی یہ جیل توڑ کر تمہارے ساتھ چلوں--- بولو؟"

یہ سن کر وجے کی گردن ذرا اونچی ہوئی اور تب پہلی بار اسے یہ محسوس ہوا کہ قدرت نے اسے راستہ دکھانے کے لیے ہی اس کوٹھری میں بھیجا ہے۔

○

"پس اب دہلی صرف ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔" الہ آباد ایکسپریس نے اپنی رفتار کم کر دی اور اسٹیشن پر آ کر رک گئی تو ایک مسافر نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی ساڑھے سات بجے ہیں نو بجے تک تو نیو دہلی کو ٹچ کر جائے گی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سیکنڈ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے مسافروں نے جلدی جلدی اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دیا تھا لیکن ایک کونے میں بیٹھا ہوا وجے گزرے ہوئے دن اور گزری ہوئی رات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

الہ آباد پولیس اسٹیشن کی ایک کوٹھری میں اگر اس کی ملاقات بانکے میاں سے نہ ہوئی ہوتی تو نہ جانے آج کی شام وہ کہاں بھٹک رہا ہوتا۔ اس نے تو الہ آباد ہو کر بنارس جانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس کا خیال بنارس میں ایک بار اپنے ماموں اور مامی سے مل لینے کا تھا اور اس کے بعد سوچنا تھا کہ اب وہ کہاں جائے؟ لیکن مہاراجا کا پاپ ساتھ لے کر آنے والے بھانجے کو وہاں عزت ملے گی یا نفرت؟ اس کے بارے میں کوئی اندازہ لگائے بغیر سردار بھجن سنگھ کے ٹرک میں بیٹھ گیا تھا اور بعد میں اسے الہ آباد پولیس کا مہمان بننا پڑ گیا تھا اور وہیں بانکے نے اسے دہلی جانے کی راہ سجھائی تھی۔

پولیس اسٹیشن کی کوٹھری میں آدھی رات کے وقت جب اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں تو اس وقت تک بانکے کچھ نہ کچھ بولتا ہی رہا تھا۔ اس وقت باتوں باتوں میں بانکے نے اس سے پوچھ لیا تھا۔ "یار وجے کبھی کسی سے محبت کا چکر چلایا ہے یا نہیں؟" اس سوال پر وجے کو جولی کی یاد آ گئی تھی اور اس کے جی میں آیا تھا کہ وہ جولی کے بارے میں بھی بانکے کو سب کچھ بتا دے وہ اس سے کہہ دے کہ جب پیار کا جام پینے کا وقت آیا تب ہی اسے اپنا منہ پھیر لینا پڑا تھا لیکن اسے جولی کی بات کہنا کچھ مناسب نہیں لگی اس لیے اس نے آدھا سچ بول دیا تھا۔ "بنارس میں میرے ماموں نے میرے لیے ایک لڑکی پسند کر رکھی تھی لیکن میرے پاپ کے بوجھ کو اٹھانے کے بعد وہ دروازہ بند ہو گیا ہے۔" صبح کے وقت کوٹھری کے دروازے پر جب اس نے انسپکٹر کمار کو ایک پشیمان سی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے دیکھا تو سمجھ گیا کہ بانکے نے رات کو جو اندازہ لگایا تھا وہ سچ ثابت ہو رہا تھا۔ بانکے نے رات کو اس سے کہا تھا۔ "دیکھ لینا یہ پولیس والے صبح کے وقت آ کر تم سے کہیں گے کہ ہم نے غلطی سے تمہیں حوالات میں بند کر رکھا تھا۔ اس لیے اب تمہیں رہا کیا جاتا ہے۔"

"گڈ مارننگ مسٹر وجے؟" انسپکٹر کمار نے اپنی نا اہلی کو چھپاتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے شک تو تھا ہی کہ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے اس لیے میں نے رات کو ہی وائرلیس کے ذریعہ کھٹمنڈو سے رابطہ کر کے تمہارے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر راج محل سے صبح ہی صبح یہ اطلاع ملی کہ ہم نے کسی غلط آدمی کو پکڑ رکھا ہے۔"

"ایسا تو آپ لوگ ہمیشہ ہی کرتے رہتے ہیں جناب۔" بانکے میاں نے موقع پا کر کہہ دیا تھا۔

"اس وقت آپ مسٹر وجے کے لیے جو کہہ رہے ہیں یہی الفاظ دو چار روز بعد مجھ سے بھی کہیں گے۔"

"یو شٹ اپ" یہ کہہ کر انسپکٹر کمار نے وجے کی طرف دیکھا تھا اور بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا تھا۔ "مجھے افسوس ہے کہ رات آپ کو ایسے آدمی کے ساتھ گزارنی پڑی ہے۔"

"نہیں انسپکٹر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وجے نے بانکے پر نظر ڈال کر کہا تھا۔ "مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔"

"یہ تو بڑی حیرت کی بات ہے۔" بانکے کی جانب دیکھ کر انسپکٹر نے کہا تھا۔ "یہ بڑا استاد آدمی ہے۔ اسے یہ پتا چلا ہو گا کہ تمہارے پاس ساڑھے چار لاکھ کی ہنڈی ہے تو اس نے تمہیں شیشے میں اتارنا شروع کر دیا ہو گا۔ خیر چلو میں تمہاری امانت تمہارے حوالے کر کے رخصت کر دوں۔" یہ کہہ کر اس نے کوٹھری کا دروازہ کھول دیا تھا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر لے آیا تھا اور دروازے کو پھر سے بند کرنے کے بعد اس نے کہا تھا۔ "میں ابھی دو منٹ میں آتا ہوں۔"

اس کے جانے کے بعد وجے نے بانکے کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تھا تو سلاخوں کے اندر سے بانکے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اس وقت وجے کو اس کا کھردرا ہاتھ بے حد نرم و نازک محسوس ہوا تھا۔ "دوست اتنی جلدی جدا ہو جانے کا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

"لیکن مجھے تو معلوم ہی تھا۔" بانکے بڑی محبت سے بولا تھا۔ "تم ایک نیک مقصد کے لیے جا رہے ہو اور میں تمہیں روک بھی نہیں سکتا۔"

بانکے دہلی پہنچتے ہی میرے ہاتھ میں روپے آ جائیں گے۔" یہ کہہ کر وجے چند

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا اور پھر سنبھل کر آگے کہا تھا۔ "پاپ کی یہ دولت میں نے عیاشی کے لیے نہیں لی ہے میں تمہیں ضمانت پر چھڑاؤں گا۔"

"نہیں یار۔" بانکے نے اسے زیادہ بولنے نہیں دیا تھا۔ "یہ کام میرے باس کا ہے تم بے فکر ہو کر جاؤ۔" اس نے وجے کا ہاتھ دھیرے سے سہلایا اور آگے بولا۔ "زندگی رہی تو پھر ملاقات ہو جائے گی۔ ویسے دہلی تو ہم جیسے اڑتے پرندوں کا گھونسلہ ہے۔"

اچانک ٹرین کی ایک زور دار وسل نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا الہ آباد اور بانکے میاں اب بہت پیچھے رہ گئے تھے اب تو اڑتے پرندوں کا بسیرا دہلی قریب آ چکا تھا۔ وہ پیچھے بھاگتے ہوئے پلیٹ فارم کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک شخص ہانپتا کانپتا ٹرین کے دروازے میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ اس نے اوپر آتے ہی اس طرح سینے پر اپنا ہاتھ دبایا جیسے گرتے گرتے بچا ہو تھوڑی دیر تک وہ آنکھیں بند کیے گہرے گہرے سانس لے کر دروازے پر ہی کھڑا رہا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹوٹا پھوٹا چھوٹا سا سوٹ کیس نہ ہوتا تو یقیناً وجے یہ سمجھ لیتا کہ وہ کوئی چور ہے جو کسی کا سوٹ کیس لے کر بھاگا ہے۔ ٹرین پلیٹ فارم سے کافی دور نکل چکی تھی لیکن اس کے باوجود وہ شخص دروازے سے باہر جھانک کر شاید یہ اطمینان کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ٹرین دور پہنچ گئی ہے یا نہیں؟ یا کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا ہے؟ میلی خاکی رنگ کی پتلون اور کھدر کا کرتا اس نے پہن رکھا تھا۔ پیروں میں ربر کی چپل تھی چہرہ چھوٹا اور دونوں گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھوں پر موٹے شیشے کے عینک لگی ہوئی تھی۔ وجے نے اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے برابر میں ہی اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا دی جب وہ شخص بیٹھ گیا تو وجے نے کہا۔ "آپ کو اس طرح چلتی ٹرین میں سوار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بس شکر کیجئے کہ آپ بچ گئے۔"

"کیا کیا جائے۔" اس شخص نے آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا اور آگے بولا۔ "اس ٹرین کو چھوڑ دینے کا نقصان برداشت نہیں ہوتا۔"

اس کا سینہ اب بھی دھک دھک کر رہا تھا اور اس کی گھبراہٹ بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے وجے نے اس سے پوچھ لیا۔ "کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟

آپ کسی کو ڈھونڈ رہے تھے؟" یہ سن کر اس شخص نے اپنا منہ وجے کے کان کے پاس لے جا کر دھیرے سے کہا۔ "کوئی میرا پیچھا کر رہا تھا۔"

یہ سن کر وجے چونک پڑا اور خود بھی ادھر ادھر چوکنا نظروں سے دیکھنے لگا لیکن اسی وقت اس شخص نے اس کا گھٹنا دباتے ہوئے کہا۔ "الہ آباد سے لے کر یہاں تک تیسری بار ڈبہ بدلہ ہے لیکن وہ سالا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔"

"وہ کون؟" وجے نے پوچھا۔

اس سوال سے وہ شخص کچھ اور گھبرا گیا یوں لگ رہا تھا جیسے کسی کا نام لینے کے لیے اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ موٹی عینک کے شیشوں کے پیچھے اس کی آنکھوں کی پتلیاں ناچ رہی تھیں۔ اپنے دونوں گھٹنوں پر چھوٹا سا سوٹ کیس رکھ کر اور اس پر دونوں ہاتھوں کی کہنیاں ٹیک کر ہتھیلیوں پر چہرہ رکھے وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر وجے کو لگ رہا تھا جیسے وہ اندر سے بہت پریشان ہو پھر جب ٹرین کی رفتار سست پڑنے لگی تو وجے سے صبر نہ ہو سکا اور وہ اس شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "مسٹر میں خود دہلی کے لیے اجنبی ہوں لیکن آپ جہاں کہیں گے وہاں تک چھوڑنے کے لیے ساتھ جا سکتا ہوں۔"

یہ سن کر اس اجنبی نے چونک کر اپنی گردن اونچی کی اور اس کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر سی دوڑتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے جھپٹ کر اپنا چھوٹا سا سوٹ کیس کھول لیا پھر دو چار کپڑوں کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک فائل نکالی اور اسے وجے کے ہاتھ میں تھما دی اور بولا۔ "بس آپ اسے سنبھال لیں۔" اس سے پہلے کہ وجے کچھ کہتا اس نے زبردستی فائل اس کے ہاتھ میں دے دی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اتنی دیر میں وجے نے فائل کو کھول لیا تھا۔ پہلے ہی صفحے پر موٹے موٹے حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ "ٹائم بم۔۔۔"

اس سرخی پر نظر پڑتے ہی وجے کے بدن میں ایک سرسراہٹ سی دوڑ گئی پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا اجنبی نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر فائل کو بند کر دیا اور عاجزانہ لہجے میں بولا۔ "برائے مہربانی اسے جلدی سے اپنے سامان میں رکھ لیجئے۔ اسٹیشن نزدیک آ چکا ہے اور وہ میرا پیچھا کرتا ہوا ضرور اس ڈبے میں بھی آ جائے گا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کسی ادھ مرے ہوئے آدمی جیسی گھبراہٹ اس کے چہرے پر دیکھ کر وجے الجھن میں پڑ گیا۔ پھر جب تک ٹرین پلیٹ فارم پر داخل ہوئی اس وقت تک اس نے اس فائل کو اپنی بغل میں دبے ہوئے تھیلے میں ٹھونس دیا پھر جیسے جیسے ٹرین کی رفتار کم ہوتی گئی ویسے ویسے اس کے برابر میں بیٹھے ہوئے اس دبلے پتلے اجنبی کے چہرے پر خوف کے سائے بڑھتے گئے۔ ٹرین صرف دو منٹ ہی وہاں رکی رہی مگر اس درمیان وہ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں چھپائے بیٹھا رہا۔

اور پھر وسل بجاتی ہوئی ٹرین کے چل پڑنے کے بعد بہت دیر تک اس نے سر اٹھانے کی ہمت نہیں کی پھر جب اس نے سر اٹھایا تو ڈبے کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے ایک لحیم و شحیم صحت مند آدمی کو دیکھ کر وہ کانپ گیا۔ پھر اپنے کانپتے ہاتھ کی کہنی سے وجے کو اشارہ کر کے دھیرے سے بولا۔ "وہی آدمی کھڑا ہے۔"

دروازے پر کھڑے ہوئے اس شخص کا چہرہ کچھ ایسا تھا کہ آدمی پہلی نظر میں دیکھ کر ہی ڈر جائے وجے بڑے غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کے ہاتھ میں کوئی سامان نہیں تھا جسم بھاری ہونے کے باوجود پھرتیلا دکھائی دے رہا تھا۔ اپنے شکار پر بے دردی سے جھپٹنے والے درندے کی طرح وہ اس دبلے پتلے شخص کو گھور رہا تھا۔ اور وہ دبلا پتلا شخص موت کو اپنے قریب دیکھ کر کسی شتر مرغ کی طرح ریت میں گردن دبائے چپ چاپ سمٹا ہوا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر وجے کو یوں لگ رہا تھا کہ کہیں اس طرح بیٹھے بیٹھے ہی بے چارے کا دم نہ نکل جائے۔ دہلی نزدیک آتا جا رہا تھا اور مسافر اپنے اپنے سامان کو سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے اور کئی ایک مسافر تو سامان کو دروازے کے پاس رکھنے بھی لگے تھے۔ جس کی وجہ سے اس صحت مند آدمی کو دروازے کے پاس سے ہٹنا پڑا۔ جیسے ہی وہ نظروں سے ذرا دور ہوا تو وجے نے جلدی سے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کے کان میں کہا۔ "اب وہ ادھر ادھر ہو گیا ہے۔"

یہ سن کر اس شخص نے دھیرے دھیرے اپنی گردن اٹھا کر چاروں طرف دیکھا واقعی اس کے تعاقب میں آنے والا وہ صحت مند آدمی اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامان کے ساتھ کچھ مسافر راستہ روک کر کھڑے تھے۔ اس دبلے پتلے شخص نے اپنے نکل بھاگنے کی راہ متعین کی اور پھر دھیمی آواز میں وجے سے بولا۔ "میں دوسرے دروازے سے اتر جاؤں گا اور پلیٹ فارم کی بھیڑ میں کھو گیا تو شاید بچ جاؤں گا۔" اتنا کہہ کر وہ اٹھا تو وجے کو اس کی فائل یاد آ گئی اور وہ بولا۔ "لیکن آپ کی وہ فائل؟"

"اسے اپنے ہی پاس رہنے دیں۔" وہ خوف زدہ آواز میں بولا۔ "آپ جہاں ٹھہریں گے وہاں کا پتا مجھے بتا دیں میں صبح کو آ کر لے جاؤں گا۔"

"نیپال بھون" وجے نے اس آگے بڑھتے ہوئے اجنبی سے کہا اور پھر اچانک اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "مگر جاتے جاتے مجھے یہ تو بتا دو کہ اس فائل میں ایسا کیا راز ہے کہ---"

شاید کچھ بھی نہیں اور شاید بہت کچھ ہو۔" دبلے پتلے شخص نے ہانپتے ہانپتے کہا۔ "پھوٹے تو یہ پٹاخہ ہے اور پھٹ جائے تو ٹائم بم ہے۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور لوگوں کی بھیڑ میں سے راستہ بناتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ٹھیک اسی وقت ٹرین نئی دہلی کے اسٹیشن میں داخل ہو گئی اور مسافر ٹرین سے اترنے کے لیے دھکم پیل کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر وجے اپنی سیٹ پر ہی بیٹھا رہا۔ قلیوں کی دوڑ بھاگ اور اسٹیشن پر آئے ہوئے لوگوں کے شوروغل کے درمیان وجے بھی باہر نکل آیا اور پلیٹ فارم پر آ کر اس کی نگاہیں اسی دبلے پتلے آدمی کو تلاش کر رہی تھیں۔ لاتعداد اجنبی لوگوں کی بھیڑ میں اپنے لیے راستہ بناتا ہوا وجے پلیٹ فارم سے باہر نکلا تو روشنی سے جگ مگ کرتے ہوئے اسٹیشن کی گھڑی میں نو بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ باہر بہت سے لوگ سامان کے ساتھ ٹیکسی پکڑنے کی قطار میں لگے ہوئے تھے۔ وجے بھی اسی قطار میں شامل ہو گیا۔ آتے جاتے لوگوں اور گزرتی ہوئی گاڑیوں کے شوروغل کو سنتا ہوا وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر تھوڑے فاصلے پر ایک دوڑتے ہوئے آدمی پر پڑی جو ہاتھ میں بیگ اٹھائے بھاگ رہا تھا۔ وہ چونک پڑا--- یہ تو وہی شخص تھا جس نے ایک فائل اسے دی تھی اسے خیر خیریت سے جاتے دیکھ کر اس نے سکون کا ایک سانس لینا چاہا ہی تھا کہ یکایک اس کی نظر ایک اندھیرے کونے سے نکلتے ہوئے اس بھیانک چہرے والے صحت مند آدمی پر پڑی جو اس دبلے پتلے شخص کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وجے کی سانس ایک پل کے لیے رک گئی۔ اچانک وہ صحت مند آدمی قریب پہنچ کر کسی باز کی طرح جھپٹا اور اس دبلے پتلے آدمی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے اس کا سوٹ کیس چھین کر سڑک پار کرتا ہوا دکھائی دیا۔

بیچ سڑک پر وہ دبلا شخص بوکھلایا ہوا کھڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مدد کے لیے چلائے یا اس شخص کے پیچھے بھاگے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کرتا سڑک پر سے گزرتے ہوئے ایک تیز رفتار ٹرک نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

یہ منظر دیکھ کر وجے کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی اور آس پاس کھڑے ہوئے لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے مگر اتنی دیر میں سڑک پر لوگوں کی بھیڑ سی جم گئی اور لوگ چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ "سالے ٹرک والے نے کسی کو اڑا دیا۔"

جائے حادثہ پر کھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان سے راستہ بنا کر وجے اندر تو پہنچ گیا لیکن وہ منظر دیکھ کر کانپ کر رہ گیا۔ ٹرک کے بھاری پہیوں کے نیچے آ کر کھوپڑی چور چور ہو چکی تھی اور چہرہ پوری طرح مسخ ہو چکا تھا۔ جسم کچلا ہوا تھا۔ اس نے اپنی نظریں اس پر سے ہٹا لیں جو آدمی ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی جان بچانے کی کوشش میں اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا اس کی یہ حالت؟ ایسی بھیانک موت۔۔۔۔؟"

"لگتا ہے ٹرک والے نے اسے جان بوجھ کر ختم کر دیا ہے؟" کوئی غصے سے بول رہا تھا۔ "اس شہر میں آج کل ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"کیا معلوم بے چارہ کون ہو گا؟" دوسرے نے ہمدردی کا اظہار کیا تو وجے کو مرنے والے کے آخری الفاظ یاد آ گئے۔ "پھوٹے تو پٹاخہ اور پھٹ جائے تو ایٹم بم۔۔۔"

وجے جلدی سے اس بھیڑ میں سے باہر نکل آیا۔ اس کے دماغ پر ہتھوڑے سے برس رہے تھے اور وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ پٹاخہ تو پھوٹ گیا لیکن ٹائم بم میرے پاس رہ گیا ہے اچانک اس نے اپنے تھیلے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ٹیکسی پکڑنے کے لیے دوڑ پڑا۔۔۔

○

نئی دہلی کی پہلی رات وجے نے بڑی پریشانی اور الجھن میں گزار دی۔ دہلی کی

جھلسا دینے والی گرمی نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ مارچ کے مہینے میں بھی خوشگوار اور ٹھنڈی ہواؤں کے درمیان رہنے والے وجے کو یہ دہلی شہر کھٹمنڈو کے مقابلے میں بھٹیار خانہ لگ رہا تھا۔ اس پر اس نے اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی اس اجنبی آدمی کے ایکسیڈنٹ کا جو بھیانک منظر دیکھا تھا اس نے تو اس کے دل کا سکون ہی چھین لیا تھا۔ پہلی نظر میں تو اسے یہ ایک سیدھا سادھا حادثہ ہی لگا تھا۔ کسی سے پیچھا چھڑا کر بھاگنے والے شخص سے بیچ سڑک اس کا بیگ چھن جانے اور وہ بوکھلا کر سڑک پار کرنا بھول جائے اور تب گزرتے ہوئے تیز رفتار ٹرک کی لپیٹ میں اس کا آ جانا۔۔۔ اور آنا" فانا" مر جانا۔ دہلی جیسے شہر کے لیے ایک عام سی بات تھی ممکن ہے بیگ چھن جانے اور ٹرک کے اس کے اوپر چڑھ دوڑنے کا آپس میں کوئی تعلق نہ بھی ہو۔۔۔ بستر پر کروٹیں بدل کر اس نے اپنے دل کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن جائے حادثہ پر کسی کے کہے ہوئے اس فقرے نے اسے بار بار ستانا شروع کر دیا تھا اور وہ فقرہ اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ "ٹرک والے نے جان بوجھ کر اسے ختم کر دیا ہے۔" جس کسی نے بھی یہ فقرہ کہا تھا۔ اسے تو مرنے والے کی خوف زدہ کیفیت کا کوئی علم ہی نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود جب وہ یہ اندازہ لگا سکتا ہے تو وہ خود جس کو اس مرنے والے کے خوف کا تھوڑا بہت علم تھا وہ کیوں ایسا نہیں سوچ رہا ہے؟ کیوں وہ اس حادثے کو ایک عام سا سیدھا سادھا حادثہ سمجھ کر اپنے دل کو تسکین دینے کی کوشش کر رہا ہے؟

پیچھا کرنے والا وہ بھیانک چہرے والا شخص تو الہ آباد سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو راستے میں کسی بھی جگہ اس سے اس کا بیگ چھین سکتا تھا لیکن ایسا کرنے کی بجائے اس نے دہلی تک صبر کیوں کیا؟ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر لوگوں کی بھیڑ میں بھی اس نے یہ کام نہیں کیا تھا اور اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ پہلے سے تیار شدہ منصوبے کے مطابق طے شدہ جگہ پر ہی دونوں واقعات ایک ساتھ ہونے تھے۔ یعنی تعاقب کرنے والے شخص کو بیگ چھین کر اس کے اندر رکھی ہوئی فائل پر قبضہ کرنا تھا اور ٹرک ڈرائیور کو اس دبلے پتلے بیگ والے شخص کو ختم کرنا تھا۔ وہ بے چارہ ختم تو ہو گیا مگر اس کی وہ فائل۔۔۔؟

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فائل کا خیال آتے ہی وہ ہڑبڑا کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اس نے تو پہلے ہی یہ سوچ لیا تھا کہ وہ اسٹیشن سے سیدھا نیپال بھون جائے گا اور وہیں فائل پڑھنے بیٹھ جائے گا۔

اس نے نیپال بھون کے رجسٹر میں جب اپنا نام لکھا تو "بھون" کا نیپالی مینجر اسے گھورنے لگا تھا اور وہ اس کی وجہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نیپالی مینجر نے ذرا طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔ "مسٹر آپ تو اب نیپالی نہیں رہے۔ پھر بھی میں یہاں آپ کو صرف تین دن ٹھہرنے کی اجازت دیتا ہوں۔" مینجر کی یہ بات سن کر اچانک اسے جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ یہ بات اتنی جلدی کیسے بھول گیا کہ وہ نیپال کے مہاراجا کا پاپ لے کر یہاں آیا ہے؟ حالانکہ مینجر نے ہنستے ہنستے آگے کہا تھا۔ "یوں بھی اب آپ کو ایسے معمولی بھون میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ لکھ پتی لوگوں کے لیے دہلی میں بے شمار فائیو اسٹار ہوٹل ہیں۔"

پھر نیپال بھون کے کمرے میں آنے کے بعد اس نے سوچا تھا کہ نہانے کے بعد اطمینان سے اس فائل کو پڑھے گا لیکن نہاتے نہاتے جسم کے پسینے کے ساتھ ساتھ اس کے دل کا ارادہ بھی دھل گیا۔ اسے یاد آگیا تھا کہ صبح کے دس بجے اسے نیپال کے سفارت خانے میں جا کر ساڑھے چار لاکھ روپے کی ہنڈی کیش کرانی ہے کیونکہ جس کام کے لیے وہ اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آیا ہے اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر اسے دوسروں کے معاملات میں الجھنے کی کیا ضرورت ہے؟

لیکن اس کے باوجود اس کی بے چینی نے اسے سونے نہیں دیا۔ تکیے کے نیچے دبی ہوئی فائل کسی ٹائم بم کے کانٹے کی طرح اس کے دماغ میں ٹک ٹک کر رہی تھی۔ پھر جب اس نے تکیے کے نیچے سے فائل کھینچی تو واقعی اسے لگا کہ اس نے کسی ٹائم بم کو ہاتھ میں لے لیا ہے۔ تھوڑی دیر تک تو اس کے ہاتھ کانپتے رہ گئے فائل کا پہلا صفحہ الٹتے ہی اسے محسوس ہوا کہ کسی نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے کاغذ کے کونے پر کچھ لکھا ہے اس نے بڑے دھیان سے دیکھا ہندی میں وہاں ایک نام لکھا ہوا تھا۔ "پرشورام۔۔۔؟" تو کیا اس فائل والے شخص کا نام پرشورام تھا؟ لیکن نام کے سامنے سوالیہ نشان کیوں بنایا گیا تھا؟ کیا اس نے اپنے اصلی نام کو چھپانے کے لیے یہ نقلی نام اختیار کیا تھا؟ مگر کیوں؟ انہی سب سوالوں میں الجھ کر اس نے جلدی جلدی فائل کے صفحات الٹے لیکن فائل میں لکھی ہوئی تحریر کے آخر میں کہیں لکھنے والے کا نام نظر نہیں آیا اور ایک جگہ اصل کہانی شروع ہونے سے پہلے ایک نوٹ لکھا ہوا تھا جو کچھ اس طرح تھا۔

"قارئین آپ کو اس کہانی میں آخر تک کہیں بھی اس آدمی کا نام پڑھنے کو نہیں ملے گا جس پر یہ کہانی لکھی گئی ہے لیکن پھر بھی میں نے اسے ایک نام دیا ہے اور وہ نام ہے "درندہ" یہ اس کا اصلی نام نہیں ہے پھر بھی یہ نام اس کا ہے مگر یہ صرف اس کے اکیلے کا نہیں بلکہ اس کے ماں باپ' اس کے خاندان' اس کے اصلی نام کی شناخت کا نام بھی ہے۔ میں نے ان کے ناموں کے پہلے حروف کو لے کر ایک نیا نام "درندہ" رکھ دیا ہے۔ اپنی اس کتاب کا نام میں نے "ٹائم بم" کیوں رکھا ہے اس کی تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے۔ یہ تو کتاب پڑھتے ہی (اگر چھپ گئی تو) پڑھنے والا خود ہی سمجھ جائے گا۔ اگر یہ کتاب کسی وجہ سے نہ چھپ سکی تو یہ مسودہ میری چتا کے ساتھ جل جائے گا۔ حالانکہ اس مسودے کو لکھتے لکھتے میں نے خود کو چتا کے شعلوں میں جلتے ہوئے محسوس کیا ہے اور اب میرے نام کے متعلق بھی آپ کو بتا دوں۔

اصل میں میں جانتا ہوں کہ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی میرا نام دنیا سے مٹ جائے گا۔ میرا وجود ختم کر دیا جائے گا اور جس کا نام و نشان ہی دنیا کی دھرتی پر سے ختم ہو جانے والا ہو اس کا اصلی نام جان کر کسی کو کیا فائدہ ہونا ہے؟۔۔۔۔ بس اتنا ہی۔

"پرشورام"

فائل کے پہلے صفحے پر لکھا ہوا یہ نوٹ وجے کو بے حد پراسرار لگ رہا تھا۔ اس نے آگے پڑھنے کی بجائے فائل کو کھلا چھوڑ دیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر اسے کب نیند آگئی اس کی اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ صبح کے آٹھ بجے جب ویٹر اس کے لیے چائے لے کر کمرے میں آیا تو اپنے سینے پر "ٹائم بم" رکھ کر وہ پورے چھ گھنٹے کی نیند لے چکا تھا۔ اس نے جھٹ پٹ فائل کو تکیے کے نیچے چھپا دیا اور اٹھ کر ویٹر کے لیے دروازہ کھول دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"گڈ مارننگ سر" کہتا ہوا نوجوان ویٹر چائے کی ٹرے کے ساتھ اندر داخل ہوا اور بولا۔ "سر دوپہر کا لنچ تو آپ یہیں کریں گے نا؟"

"لنچ---؟" واش بیسن پر منہ دھوتے دھوتے ہی اس نے سوچ لیا۔ "نہیں--- آج نہیں آج تو مجھے سارا دن ہی باہر رہنا ہے۔" یہ کہہ کر وہ ذرا جلدی سے آگے بولا۔ "ہاں رات کو میں اپنا نیپالی کھانا یہاں آکر ہی کھاؤں گا۔"

ویٹر کے جانے کے بعد اس نے چائے کی پیالی کو ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ اسے خیال آگیا--- پوجا پاٹ کے بغیر پانی تک کو ہاتھ نہ لگانے کا اس کا جو پرانا اصول تھا وہ اصول بھی آج ٹوٹ گیا تھا۔ چائے کا گھونٹ گلے سے نیچے اتار کر اس نے ایک گہرا سانس لیا تب ہی اسے اپنے پتا جی کی کہی ہوئی بات یاد آگئی۔ "پاپ کی دولت تمہیں شیطان بنا دے گی یہ دولت تمہارے اندر سے انسانیت کو مٹا دے گی۔"

اچانک چائے پیتے پیتے اس کی نظر ٹرے میں رکھے ہوئے آج کے اخبار پر پڑی۔ اس نے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی اور اخبار اٹھا لیا۔ "ہندوستان ٹائمز" کے پہلے صفحے پر چوکور حاشیے میں ایک خبر پر اس کی نظر جم گئی--- رات کے نو بجے الہ آباد ایکسپریس سے اترنے والا ایک مسافر اسٹیشن کی عمارت سے نکل کر سڑک کراس کر رہا تھا کہ ایک ٹرک کے نیچے آکر ہلاک ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی سامان نہیں تھا اس کی جیب میں سے الہ آباد سے دہلی تک کے ٹکٹ اور چار روپے تیس پیسے کی رقم کے سوا کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جس کی وجہ سے حادثے میں ہلاک ہونے والے بدنصیب شخص کی شناخت کے لیے پولیس کو کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ پولیس مفرور ٹرک اور اس کے ڈرائیور کی تلاش میں ہے۔"

خبر پڑھ کر وجے سمجھ گیا کہ یہ اسی فائل والے شخص کی موت کی خبر ہے۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ شخص صرف چار روپے اور تیس پیسے کی رقم لے کر نا دہلی آیا ہو گا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے کسی کتاب کے پبلشر سے بڑی رقم ملنے کی امید ہو؟ یا پھر اس فائل کے ذریعہ وہ کسی کو بلیک میل کرنا چاہتا ہو؟ اگر ایسی کوئی بات ہے تو فائل میں کہیں نہ کہیں دہلی کا کوئی پتا ضرور لکھا ہو گا؟

اس خیال کے آتے ہی اس نے ایک بار پھر تکیے کے نیچے سے اس فائل کو

نکالا اور جلدی جلدی اس کے ورق الٹنے لگا لیکن کسی کونے پر کسی صفحے کے پیچھے اسے کوئی نام اور کوئی پتا وغیرہ لکھا ہوا نظر نہیں آیا۔ اس پر جھنجلاہٹ سوار ہو چکی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ فائل کو اٹھا کر پھینک دے آخر اسے کیا ضرورت تھی اس فضول کام میں الجھنے کی؟ دل ہی دل میں بڑبڑا کر وہ فائل کو تو نہ پھینک سکا لیکن غصے میں اس نے اسے بستر پر ضرور پٹخ دیا تھا۔

فائل بستر پر الٹی پڑی تھی۔ اس کی جلد پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔ پنسل سے لکھی ہوئی ایک باریک تحریر پر اس کی نظر پڑی۔ اس نے فائل کو ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا ایک پتا لکھا ہوا تھا--- "بسواس پبلشرز 310 نمبر چاندنی چوک پرانی دہلی فون نمبر 688888۔" تو یقیناً پرشورام اسی پبلشر سے ملنے دہلی آیا ہو گا؟ شاید پبلشر سے آج کی ملاقات ہی طے ہوئی ہو گی؟ لیکن بے چارے پبلشر کو تو یہ بات معلوم ہی نہیں ہو گی کہ جو شخص اس سے ملنے کے لیے آنے والا تھا وہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ یکایک اس کے ذہن میں ایک خیال بڑی تیزی سے ابھرا--- پرشورام کی جگہ اگر وہ خود اس پبلشر کے پاس چلا جائے تو---؟

لیکن اس خیال نے اس کے تن بدن میں تھرتھراہٹ سی پیدا کر دی۔ ابھی چند لمحے قبل اس نے جس فائل کو بستر پر پٹخ دیا تھا اسے دھیرے سے پکڑ کر اس نے اخبار میں لپیٹنا شروع کر دیا۔ ایسا کرتے وقت نہ جانے کیوں اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ فائل کو نہیں بلکہ پرشورام کے مردہ جسم کو کفن میں لپیٹ رہا ہو۔

○

اپنا وطن چھوڑے ہوئے وجے کو ابھی صرف باون گھنٹے ہی ہوئے تھے۔ پھر بھی نیپال کے سفارت خانے میں اپنے ہم وطنوں کے مانوس مگر اجنبی چہرے دیکھ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے یہ بھول گیا تھا کہ وہ پردیس میں ہے۔ شیشے کے ایک بڑے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر سامنے دیوار پر لگی ہوئی پشپتی ناتھ مندر کی ایک بڑی سی تصویر پر پڑی تو اس کی گردن خودبخود اس تصویر کے آگے جھک گئی۔ پھر دو آدمی نزدیک سے نیپالی زبان میں باتیں کرتے ہوئے گزرے تو وہ اپنی زبان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سن کر کتنا جذباتی ہو گیا تھا۔ اپنے آگے پیچھے آتے جاتے دو چار لوگوں کو اس نے نیپالی لباس میں ملبوس دیکھا تو اچانک اسے اپنی وہ نیپالی ٹوپی یاد آ گئی جو پچھلے تین روز سے اس کے تھیلے میں پڑی تھی اور یہ تھیلا اس وقت بھی اس کے بغل میں دبا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے ٹوپی نکال لی اور کھلے سر پر نیپالی ٹوپی چڑھا کر وہ آگے بڑھ گیا۔ اس وقت اس کی چال بھی ذرا بدل گئی تھی اور وہ گھڑی بھر کے لیے یہ بھول ہی گیا کہ یہاں وہ مہاراجا کے پاپ کی ہنڈی کیش کرانے کے لیے آیا ہے۔ کیش ڈیپارٹمنٹ میں کیشیئر کی میز کے سامنے بیٹھ کر اس نے اپنی ہنڈی کا کاغذ بڑھایا تو اسے ایک پل کے لیے یوں لگا کہ یہ چالیس پینتالیس سال کا نیپالی کیشیر ابھی اسے پاپی کہہ کر دھتکار دے گا لیکن اس کی بجائے کیشیئر کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی تھرکتی دکھائی دی اور وہ ہنڈی پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ "ویلکم مسٹر وجے کمار آریہ۔۔۔" وجے کو اس کے یہ الفاظ میٹھے تو لگے تھے لیکن اس کے دل میں یہ سوال بھی ابھرا تھا کہ آخر کیشیئر کو اسے انگریزی میں خوش آمدید کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیشیر نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا کر چپڑاسی کو اندر بلایا اور اسے وجے کے لیے پانی لانے کو کہا اور پوچھا۔ "آپ کے کام میں تقریباً آدھا گھنٹا تو لگ ہی جائے گا۔ بتائیے کیا پئیں گے آپ؟ گرم یا ٹھنڈا؟"

لیکن اس سے پہلے کہ وجے کوئی جواب دیتا وہ خود ہی بول پڑا۔ "ایسی گرمی میں تو ٹھنڈا ہی چلے گا ہے نا؟"

اپنے اس غیر متوقع استقبال سے وہ الجھن میں پڑ گیا تھا اور پھر اسے گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی کیونکہ ہر دو منٹ بعد کیشیر کے کمرے میں کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی بہانے آ کر اسے دیکھنے لگتا تھا۔ تھوڑی دیر تک اسے گھور گھور کر دیکھنے کے بعد ہر آنے والا ہنستے ہنستے چلا جاتا تھا۔ پھر جب سفارت خانے میں کام کرنے والی دو نوجوان لڑکیاں کمرے میں ہنستی ہوئی داخل ہوئیں تو وجے چپ نہ رہ سکا اور وہ کیشیر کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ سفارت خانے کا ہر آدمی باری باری مجھے آ کر دیکھے تو کیوں نہ میں خود ہی ہر ایک کو اپنا چہرہ دکھا آؤں؟"

اس کی یہ بات سن کر ایک لڑکی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور دوسری نے کہا۔

"میری یہ سہیلی کہہ رہی تھی کہ نوجوان خوبصورت اور کنوارہ ہو تو دولھے کی تلاش میں کھٹمنڈو تک سفر نہ کروں۔" وجے نے اس طرح اپنا منہ پھیر لیا جیسے اسے لڑکیوں کا یہ مذاق پسند نہ آیا ہو اور ٹھیک اسی وقت ایک چپڑاسی اپنے ایک ہاتھ میں چمڑے کا ایک بیگ اٹھائے داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر کیشیر نے وجے سے کہا۔ "مسٹر وجے لکشمی آپ کے ماتھے پر ٹیکہ لگانے آئی ہے اور آپ منہ پھیرے بیٹھے ہیں؟"

لیکن اس کے باوجود وجے کی گردن سیدھی نہیں ہوئی تو کیشیر نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ "ارے بھائی میں ان کنواری لکشمی کی بات نہیں کر رہا ہوں یہ تو آپ کی پاپ کی لکشمی ہے جو آپ کے ماتھے پر ٹیکہ لگانے آئی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی وجے کی گردن ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئی اور وہ اس طرح کیشیر کو دیکھنے لگا جیسے پاپ کی لکشمی کا فقرہ اسے پسند نہ آیا ہو اور وہ بول پڑا۔ "صاحب یہ تو میری پاپ کی لکشمی کا ہی اثر ہے کہ آپ کی یہ کنواری لکشمی بھی میری تمنا کرنے لگی ہیں۔" یہ سن کر دونوں لڑکیاں اس طرح اچانک کمرے سے نکل گئیں جیسے وجے کا یہ طنز ان سے برداشت نہ ہو سکا ہو۔ کیشیر بھی اب سنجیدگی سے اس کاغذ کو پڑھنے لگا تھا جو ابھی ابھی چپڑاسی نے اسے دیا تھا۔

"ہاں تو مسٹر وجے۔" تھوڑی دیر بعد کیشیر نے کہا۔ "آپ کے ساڑھے چار لاکھ کی ہنڈی تھی جس کے بھارتی کرنسی میں تین لاکھ ستر ہزار ایک سو بارہ روپے اور پچاس پیسے بنتے ہیں اور یہی رقم مجھے آپ کو دینی ہے۔"

کیشیر اتنا کہہ کر رک گیا اور وجے کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ وجے کے چہرے پر چمک آ جائے گی لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی کیونکہ وجے کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔ کیشیئر نے کہا۔ "ساڑھے چار لاکھ کی رقم گھٹ کر تین لاکھ ستر ہزار میں تبدیل ہو گئی ہے اس بات کا آپ کو افسوس تو نہیں ہو رہا ہے؟"

"افسوس ہو رہا ہے۔" بولتے بولتے وجے رک گیا اور چپڑاسی کو دیکھنے لگا جو اس کے بیگ میں سے سو سو روپے کے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر میز پر رکھ رہا تھا۔ وجے میز پر رکھی ہوئی کیشیئر کے نام کی تختی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہری پرشاد جی مجھے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

افسوس اس بات کا ہے کہ آپ کا طنز سن کر میں بے چاری ان لڑکیوں کو اناپ شناپ بول گیا۔"

"نہیں مسٹر وجے--- آپ نے ایسا کچھ نہیں کہا ہے کہ آپ کو افسوس کرنا پڑے۔" کہہ کر کیشیر تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گیا چپڑاسی کاغذ پر اس کے دستخط کرانے کے باوجود چمڑے کا خالی بیگ لے کر چلا گیا تو وہ پھر بولا۔ "دولت چاہے پاپ کی کمائی ہوئی ہو یا آپ کی کمائی ہوئی ہو اس دولت کو حاصل کرنے کی کوشش ہر کوئی کرتا ہے اس لیے آپ کو ہر قدم پر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔" پھر کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھر کر اس نے دھیرے سے پوچھا۔ "مسٹر وجے کیا آپ نے یہ سوچ لیا ہے کہ اس خطرے کو یہاں سے لے کر کہاں جائیں گے؟"

"ابھی تو کچھ سوچا نہیں ہے صاحب۔" کہہ کر وجے کو خیال آ گیا اور وہ آگے بولا۔ "اتنی بڑی رقم لینے کے لیے آتے وقت مجھے ایک بیگ خریدنا بھی یاد نہیں رہا۔"

"اس کے لیے میں آپ کو مشورے دینا چاہتا ہوں۔" کیشیر ہری پرشاد نے کہا۔

"ضرور دیجئے۔"

"پہلا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ مجھے صاحب--- صاحب کہنا چھوڑ دیں آپ مجھے صرف پرشاد جی بھی کہیں گے تو چلے گا۔"

"دوسرا مشورہ یہ ہے کہ اتنی بڑی رقم ساتھ لے کر دہلی میں بہت دور تک جانے کا خطرہ مت مول لیجئے گا۔" ہری پرشاد نے جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "دہلی کے ٹھگ بڑے شاطر ہوتے ہیں۔ آپ نزدیک کے کسی بینک میں اکاؤنٹ کھلوا کر رقم اس میں جمع کروا دیں۔"

"لیکن بینک میں اکاؤنٹ کھلوانے کے لیے تو کسی کی جان پہچان اور سفارش---"

"ارے یہ کون سی بڑی بات ہے؟" ہری پرشاد اس کی بات درمیان میں کاٹ کر بولا اور پھر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر آپریٹر کو اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے برانچ مینجر کا نمبر ملانے کے لیے کہا اور پھر وجے سے بولا۔ "یہ بینک سفارت خانے کے سامنے ہی ہے میرا اپنا اکاؤنٹ بھی وہیں ہے اور مینجر بھی اپنا دوست ہے۔"

وجے نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ کام اتنی آسانی اور اتنی جلدی بھی ہو سکتا ہے۔ بینک کے مینجر نے اپنے ایک آدمی کے ساتھ فارم بھی بھیج دیا تھا اور وہیں بیٹھے بیٹھے فارم بھرنے کی کارروائی بھی مکمل ہو گئی اور روپے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے بینک میں جمع ہو گئے۔

"قانون کے مطابق تو روپے جمع کرانے کے لیے آپ کو ہی وہاں جانا چاہیے تھا۔" ہری پرشاد نے کہا۔ "لیکن کبھی کبھی ایسا بھی چل جاتا ہے۔" بینک کا آدمی رقم لے کر چلا گیا تو ہری پرشاد نے دراز میں سے پان کی ڈبیہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دی اور کہا۔ "جب تک چیک بک نہیں آتی آپ پان کھائیں۔" مگر جب وجے نے پان لینے سے انکار کر دیا تو ہری پرشاد نے جیب سے پانچ سو پچپن کے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر کہا۔ "سگریٹ تو آپ پیتے ہوں گے؟"

"جی نہیں ابھی تک اس کی عادت ہی نہیں پڑی۔" وجے نے جواب دیا۔

"سمجھا۔" ہری پرشاد پلکیں جھپکاتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔ "شاید آپ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے عادی نہیں ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟" وجے نے چونک کر پوچھا۔

"پان اور سگریٹ کی عادت تو بہت معمولی عادت ہوتی ہے۔" ہری پرشاد نے اپنی آواز اور دھیمی کرتے ہوئے کہا۔ "شراب--- اور حسین لڑکیوں کی عادت تو---"

"نہیں--- نہیں پرشاد جی--- یہ سب کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وجے نے غصے میں آ کر یہ کہہ دینا چاہا کہ دوسروں کے متعلق اپنے دل میں کوئی رائے قائم کر لینا بھی ایک بہت بری عادت ہے لیکن وقت کی نزاکت کو دیکھ کر وہ چپ رہ گیا اور تب ہری پرشاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تو صرف آپ کو ٹٹول رہا تھا مسٹر وجے--- اور اب میں آپ کو ایک تیسرا مشورہ بھی دوں گا۔"

"شادی کر لینے کا؟" وجے نے بھی مسکرا کر پوچھا مگر اس بات پر ہری پرشاد ذرا چونک پڑا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "اس مشورے کو تو میں آئندہ کے لیے ملتوی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کرتا ہوں اب یہ بتائیں کہ آپ ٹھہرے کہاں ہیں؟"

"نیپال بھون میں" وجے نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ رہائش کے لیے ابھی تک کوئی مستقل جگہ نہیں ڈھونڈی ہے آپ نے؟" اتنا کہہ کر ہری پرشاد نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر ڈائل گھمایا اور جب دوسری سمت سے جواب مل گیا تو وہ بولا۔ "ملہوترا صاحب کیا حال ہیں؟ جی آپ کے لائق ایک کرائے دار مل گیا ہے جی ہاں وہ اس وقت میرے سامنے بیٹھے ہیں--- ہاں--- کل سے ہی وہ رہنے کے لیے آ جائیں گے-- نہیں نہیں اس کے لیے آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے جی ہاں میرے بھروسے کا آدمی ہے۔"

اس کے بعد تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس نے ریسیور رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں کو ملتے ہوئے بولا۔ "لیجئے جناب آپ کی رہائش کا مسئلہ بھی حل ہو گیا دہلی میں کون شخص کس علاقے میں رہتا ہے اسے دیکھ کر ہی آدمی کی شخصیت کو تولا جاتا ہے میں ساؤتھ دہلی کے علاقے میں رہتا ہوں۔ میرے اوپر کا مکان خالی ہے اوپر کے حصہ کا ایک ہزار روپیا کرایہ ہے لیکن مکان افلاطون ہے اس کے علاوہ آپ کو یہ فائدہ الگ سے ہو لگا کہ بغیر فیس کے مشورے دینے والا یہ ناچیز بندہ آپ کا پڑوسی ہو گا۔"

وجے کو پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ ہری پرشاد کی باتوں میں کوئی جادو ضرور ہے جب ہی تو اس کے ہر ایک مشورے کو وہ بلاچوں چراں تسلیم کرتا جا رہا ہے۔ اس شخص نے تو پانچ منٹ میں اس کا بینک اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا اور اب صرف دس منٹ کے اندر اندر ایک مکان کا بندوبست کر کے اسے اپنا پڑوسی بھی بنا لیا تھا لیکن آدمی کسی مطلب کے بغیر---؟

"کس سوچ میں پڑ گئے؟" ہری پرشاد نے اس طرح پوچھا جیسے اس نے اس کے چہرے پر اس کے دل کا حال پڑھ لیا ہو۔ "آپ شاید یہ سوچ رہے ہیں کہ یہ شخص کسی مطلب کے بغیر اتنی مدد کیوں کر رہا ہے ہے نا؟" یہ سن کر وجے بوکھلا گیا اور اب اسے یہ یقین ہو گیا کہ ہری پرشاد لوگوں کے چہرے پڑھنے کا فن بھی جانتا ہے۔

"دیکھئے مسٹر وجے آپ کو اپنا پڑوسی بنانے میں میرا ایک مطلب ہے۔" ہری پرشاد نے کہا۔ "میرے گھر میں صرف ہم دو ہی آدمی ہیں یعنی میں اور میری بیوی میں

سارا دن یہاں سفارت خانے میں ہوتا ہوں اور بیوی گھر پر اکیلی ہوتی ہے ایسے میں پڑوسی اگر خاندانی نہ ہو تو--- آپ سمجھ گئے نا؟"

"ٹھیک ہے" وجے نے کہہ تو دیا لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اتنی دیر میں ہری پرشاد کو اس کے خاندانی ہونے کا یقین کیسے آ گیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی شخص اگر لکھ پتی ہو جائے تو اس کی پیشانی پر اس کے خاندانی ہونے کا لیبل بھی لگ جاتا ہے؟ ٹھیک اسی وقت بینک کا آدمی چیک بک اور پاس بک لے کر واپس آ گیا۔ ہری پرشاد نے دونوں چیزوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں دیکھا اور اپنا اطمینان کر لینے کے بعد انہیں وجے کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "آپ بھی خوب اچھی طرح دیکھ لیں آپ کے اکاؤنٹ میں رقم جمع ہو چکی ہے نا؟ اور یہ چیک بک سنبھال کر رکھیے گا۔ روپے پیسے کے معاملے میں سگے بھائی پر بھی بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔"

یہ سن کر وجے کہے بغیر نہ رہ سکا۔ "تو یہ آپ کا چوتھا مشورہ ہے۔" اور پھر دونوں ہی ایک ساتھ ہنس پڑے پھر چیک بک اور پاس بک کو بغل میں دبے ہوئے تھیلے کے اندر سرکاتے وقت وجے کا ہاتھ اس فائل سے ٹکرا گیا اور وہ بے چین سا ہو گیا اور فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھا اور ہری پرشاد سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ پرشاد جی میں کل آپ سے ملنے آؤں گا تو گھر کا پتا لے لوں گا اور پھر پرسوں سے میں آپ کا پڑوسی بن جاؤں گا۔"

"گڈ لک۔" کہہ کر ہری پرشاد نے اسے ہنس کر رخصت کر دیا۔ پھر جیسے ہی وجے سفارت خانے کی عمارت سے باہر نکل گیا ویسے ہی پرشاد نے اپنے گھر کا نمبر ڈائل کیا اور اپنی بیوی سے بولا۔ "ہیلو آشا--- تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے پرسوں ایک نیا پڑوسی آ رہا ہے۔ تنہا آدمی ہے۔ نوجوان اور کنوارا ہے--- ہاں ہاں--- دولت مند بھی ہے کوٹا کھانا کے پونے چار لاکھ کی رقم کے ساتھ وہ یہاں ہمارا پڑوسی بنے گا--- ہاں--- ہاں بساط میں نے بچھا دی ہے اب کھیلنا تمہارا کام ہے۔"

دوسری جانب سے اس کی بیوی آشا کا ایک باریک سا قہقہہ سنائی دیا تو اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور ایک گہرا سانس لے کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

○

وجے پر شدید بوکھلاہٹ سوار تھی۔ تیس منٹ میں دس بار اس نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی تھی بسواس پبلشر کے تنگ دفتر میں داخل ہونے سے پہلے اس کے دل میں یہ خواہش زور کرنے لگی تھی کہ اسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔ چاندنی چوک کے پتے پر پہنچ کر جب اس نے ایک چھوٹی سی کتابوں کی دکان دیکھی تو اس کا دل واپسی کے لیے مچلنے لگا تھا۔ سستی پاکٹ بک بیچنے والا یہ دکاندار صرف نام کا ہی پبلشر لگتا تھا اس دکان میں تو دو آدمیوں کے بیٹھنے جتنی جگہ بھی نہیں تھی اور اندر جو شخص بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا وہ پبلشر جیسا لگ ہی نہیں رہا تھا۔ پھر وجے نے کسی قسم کی پوچھ گچھ کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور دکان کے سامنے سے واپس چلا آیا۔

لیکن چند قدم کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے ہوٹل سے وہ کچھ کھا پی کر باہر نکلا تو ایک بار پھر تھیلے کے اندر پڑی ہوئی فائل اس کے سر پر سوار ہو گئی اور تب اس نے سوچا کہ دکان میں بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھ لینے میں کیا حرج ہے؟ بسواس پبلشر کے سائن بورڈ کے نیچے چھوٹے حرفوں میں مالک کا نام لکھا ہوا تھا۔ بی کے اگروال---

مجھے اگروال سے ملنا ہے۔ اس نے اندر بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا۔ "کب ملیں گے۔"

وہ شخص تھوڑی دیر تک اسے گھورتا رہا پھر اس طرح بولا جیسے جواب دینے میں اسے کافی دشواری محسوس ہو رہی ہو۔ "یہاں صرف کتابیں ملتی ہیں اور دکان کے مالک پچھواڑے ملتے ہیں۔"

"پچھواڑے" وجے سوچ میں پڑ گیا کیونکہ پچھواڑے جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے راستے کی تلاش کی کوشش چھوڑ دی اور دکان سے اتر کر نیچے آ گیا تب اس کی نظر ایک تنگ سی گلی کے اوپر ایک چھوٹے سے بورڈ پر پڑی جس پر تیر کا ایک نشان بنا ہوا تھا اور لکھا تھا "بسواس پبلشر راستہ اس طرف ہے۔" اس کے قدم آپ ہی آپ اس طرف اٹھنے لگے۔ دو دیواروں کے درمیان بنی ہوئی تنگ سی گلی سے گزر کر وہ ایک مکان کے چھوٹے سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر آ کر اسے پتا چلا کہ جسے وہ کمرا سمجھ رہا ہے وہ اصل میں ایک کوٹھری ہے۔ اس کوٹھری کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دروازے پر ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پڑی تھی جس پر چپڑاسی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کے قدموں کی آہٹ سن کر چپڑاسی نے آنکھیں کھول دیں اور برا سا منہ بنا کر بولا۔ "مالک اندر کام میں مصروف ہیں۔"

اس تنگ سی جگہ میں اندر باہر جیسی کوئی چیز تو نہیں تھی کیونکہ درمیان میں دو لکڑی کی الماریاں کھڑی کر کے مالک کا ایک کیبن بنا دیا گیا تھا جہاں سے کسی کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی شاید مسٹر بی کے اگر وال سونے کو بھی کام سمجھتا ہو گا۔ وجے کو اب غصہ آنے لگا تھا اور جب اس سے برداشت نہیں ہوا تو وہ اتنی اونچی آواز میں چپڑاسی سے بولا کہ اس کی آواز اندر سویا ہوا مالک بھی سن لے۔

"تمہارے مالک جب جاگ جائیں تو کہہ دینا کہ پرشورام ملنے آیا تھا۔"

"پرشورام؟ جیسے کوئی ٹائم بم پھٹ گیا ہو اگروال اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دہری آواز میں چیخ کر بولا۔ "اس کو اندر بھیجو۔ جلدی۔"

پرشورام کے نام کے اثر میں محفوظ ہوتا ہوا وجے ان الماریوں کے پیچھے جا کر بڑے رعب سے کھڑا تو ہو گیا لیکن تربوز جیسے گول مٹول چہرے والا اگروال اس کی طرف دیکھنے کی بجائے اس کے پیچھے دیکھ کر بولا۔ "کہاں ہے پرشورام؟"

"میں ہوں پرشورام۔" کہہ کر وجے اس کی اجازت کے بغیر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور اگروال اپنا منہ بگاڑ بگاڑ کر اس کی جانب دیکھتا رہا اور تب وجے نے ہمت کر کے اس سے پوچھ ہی لیا "کیا آپ کسی دوسرے پرشورام کی راہ دیکھ رہے تھے؟"

"دوسرے پرشورام تو آپ ہیں۔ میں تو اس پہلے والے پرشورام کی راہ دیکھ رہا ہوں۔" اگر وال نے اس طرح کہا جیسے اسے بولنے میں بڑی تکلیف ہو رہی ہو۔ "صبح کو جب میں دفتر میں آ کر بیٹھا تو تب سے لے کر اب تک پرشورام کو پوچھتے ہوئے پانچ آدمی یہاں آ چکے ہیں لیکن پرشورام خود ابھی تک نہیں آیا۔"

یہ سن کر وجے چوکنا ہو گیا۔ آخر پانچ پانچ آدمی پرشورام کی تلاش میں کیوں آئے ہوں گے؟ شاید پرشورام کے قاتلوں کو اس کی فائل کی تلاش ہو گی؟ اور یہ بی کے اگروال ابھی تک پرشورام کے انتظار میں بیٹھا ہے اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ اگر وال کو اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر ابھی تک نہیں ہوئی ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر اگروال کی آنکھوں میں شک کے سائے لہرانے لگے اور وہ وجے سے پوچھ بیٹھا "لیکن جناب آپ کا یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"اگروال صاحب مجھے ایک کتاب چھپوانی ہے۔" وجے نے جواب دیا۔

یہ سن کر اگروال نے ایک لمبی جمائی لی اسے یوں لگا جیسے کسی نئے ادیب نے آکر اس کی نیند خراب کر دی ہے۔ "تو کیا واقعی آپ کا نام یعنی اصلی نام پرشورام ہی ہے؟"

"نہیں جناب یہ تو میرا کتابی نام ہے۔" وجے نے کہا۔ "میرا اصل نام وجے کمار آریہ ہے اور میں نیپال سے آیا ہوں یہاں نیپال بھون میں ٹھہرا ہوا ہوں اور مجھے ایک دو ماہ تک دہلی میں رہ کر ایک کتاب لکھنا ہے۔"

"تو ابھی آپ کو کتاب لکھنا ہے؟ جناب ابھی تو لکھنا ہی شروع نہیں ہوا ہے اور آپ کتاب چھپوانے کی بات کرنے آ گئے۔" اگروال نے بڑے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آپ بہت جلد باز آدمی نظر آتے ہیں آخر آپ اس قدر بے چین کیوں ہیں؟"

"اگروال صاحب میری کتاب کا موضوع سن کر آپ بھی بے چین ہو جائیں گے۔"

"اچھا؟" ایسا کون سا موضوع چھیڑا ہے آپ نے؟" اگروال کا لہجہ اب بھی طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔

"دہلی کی طوائفوں کا موضوع ہے۔" وجے نے کہا۔

"ہنہ---" اگروال نے حقارت سے برا سا منہ بنایا اور دانت پیس کر بولا۔ "دہلی کی طوائفیں---"

"اگروال صاحب لوگ آج کل طوائفوں کی کہانیوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔" وجے بولا۔

"جناب پرشورام آریہ صاحب آپ اب تک کتنی کتابیں لکھ چکے ہیں۔" اگروال نے پوچھا۔

"یہ میری پہلی کتاب ہی ہے۔" وجے نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اور وہ بھی ابھی نامکمل ہے اس کے باوجود آپ مجھ جیسے چالیس برس پرانے

پبلشر کو یہ سمجھانے نکلے ہیں کہ لوگوں کو کون کون سے موضوع پسند آ رہے ہیں؟" بولتے بولتے اگروال کی آواز اونچی ہوتی گئی اور پھر یکایک ہی وہ چیخ پڑا۔ "آپ کرسی سے اٹھ جائیں---"

"لیکن---اگروال---"

"میں نے کہا ناکہ آپ اٹھ جائیں اور چلتے بنیں۔" غصے میں اگروال نے میز پر ہاتھ مارا تو مجبوراً وجے اٹھ کر باہر نکل گیا جاتے جاتے اس کی پیٹھ پر اگروال کی غصیلی آواز ٹکرائی تھی "سالا پرشورام وعدہ کرنے کے باوجود نہیں آیا اب تو میرا دیوالیہ نکل جائے گا اور میں کنگال ہو جاؤں گا۔"

○

ٹیکسی نیپال بھون کے سامنے آکر رک گئی اور وجے اپنا تھیلا اور ایک نیا خریدا ہوا سوٹ کیس لے کر ٹیکسی سے باہر نکل آیا۔ دہلی کا یہ پہلا آدھا دن تو خیریت سے گزر گیا تھا۔ صبح کے وقت اس کے دونوں ضروری کام کسی دشواری کے بغیر جھٹ پٹ ہو گئے تھے یعنی بینک میں اس کے روپے جمع ہو گئے تھے اور رہنے کے لیے مکان بھی کرائے پر مل گیا تھا لیکن دوپہر کے بعد کے دونوں کام نہیں ہو سکے تھے۔ بسواس پبلشر کے مالک بی کے اگروال سے پہلی ملاقات ناکام ثابت ہوئی تھی اور الہ آباد کے حوالات میں ملنے والے بانکے میاں نے اسے جس منورنجن ہوٹل میں مدن لال نامی آدمی سے ملنے کے لیے کہا تھا اس سے وہاں ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی۔

نیپال بھون میں داخل ہو کر وہ کمرے کی چابی کے لئے مینجر کے کاؤنٹر پر آ گیا اور چابی کے لئے ہاتھ بڑھا کر کھڑا ہو گیا لیکن چابی دینے کی بجائے مینجر تو اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کے سامنے کوئی خونی مجرم کھڑا ہوا ہو۔

وجے نے سوچا کہ شاید اس کے ہاتھ میں سوٹ کیس دیکھ کر مینجر اسے کوئی نیا پنچھی سمجھ بیٹھا ہو۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے کہا "روم نمبر تین---ابھی کل ہی تو آپ نے مجھے یہ کمرہ دیا تھا مجھے نہیں پہچانا آپ نے؟"

یہ سن کر مینجر نے روم نمبر تین کی چابی تو اس کے ہاتھ میں دے دی لیکن وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اب بھی اسے گھور رہا تھا اور گھورتے ہوئے بولا۔ "روم نمبر تین تو ٹھیک ہے لیکن تمہیں پہچاننے میں شاید مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب؟" وجے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ کہ ابھی دو گھنٹے قبل سی آئی ڈی ڈیپارٹمنٹ کے تین آدمی یہاں آئے تھے۔" مینجر نے کہا اور تمہارے کمرے کی تلاشی لے گئے ہیں۔

"میرے کمرے کی تلاشی؟" وجے حیرت سے بولا۔ "لیکن کیوں؟ کس لئے؟"

"ان کا کہنا تھا کہ ایک خطرناک سازش میں شریک ایک مشکوک شخص کی انہیں تلاش ہے۔"

"کیسی سازش۔" وجے نے گھبرا کر پوچھا۔

"وزیراعظم کے قتل کی سازش۔" یہ سنتے ہی وجے کانپ گیا بھلا یہ نئی مصیبت کہاں سے آگئی؟ ماتھے پر آئے ہوئے پسینے کو پونچھ کر اس نے مینجر سے پوچھا۔

"آپ نے انہیں بتایا نہیں کہ میں نیپالی ہوں اور کوٹا کھانا میں مہاراجا کے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر یہاں آیا ہوں۔"

"میں نے سب کچھ انہیں بتایا تھا لیکن اس کے باوجود ان کا شک دور نہیں ہوا۔" اتنا کہہ کر مینجر نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "ان کا شک اگر دور نہیں ہوا تو کل نہ جانے تمہارا کیا حشر ہو؟ تمہارے کمرے میں چونکہ کوئی سامان نہیں تھا اس لئے وہ لوگ اور زیادہ غصے میں آ گئے تھے اور انہوں نے لحاف اور تکیے کو بھی ادھیڑ کر رکھ دیا۔"

وجے کو اپنی بغل میں دبے ہوئے تھیلے میں پڑی ہوئی فائل یاد آ گئی اور وہ تیز تیز چلتا ہوا کمرے میں پہنچ گیا۔ اندر سے کمرا بند کرنے کے بعد اس نے جلدی سے تھیلے میں سے فائل کو کھینچ نکالا اور اس پر نظریں جمائے سوچنے لگا کہ شاید سی آئی ڈی والوں کو کسی اور کی تلاش ہو لیکن اگر یہ فائل ان کے ہاتھ لگ گئی تو بلاوجہ ہی اس سازش میں پھنس جائے گا۔ اس خیال سے اس نے دانت پیسے اور خودہی بڑبڑانے لگا۔ "اب اس ٹائم بم کو میں کہاں چھپاؤں؟" اچانک وہ فائل لئے ہوئے سلاخوں والی کھلی کھڑکی کی جانب بڑھ گیا اور فائل کو باہر پھینک دینے کے متعلق سوچنے لگا لیکن پھر فوراً

ہی اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اسے لگا کہ اگر وہ فائل کو باہر پھینک دیتا ہے تو اور زیادہ مصیبت میں پھنس سکتا ہے اس نے جلدی جلدی پورے کمرے کا جائزہ لیا لیکن فائل چھپانے کے لئے کوئی جگہ بھی محفوظ دکھائی نہیں دی۔ وہ بہت چوکنا نظر آ رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ کہیں ہاتھ میں پکڑا ہوا ٹائم بم پھٹ نہ جائے۔

یکایک برابر والے کمرے سے پانی گرنے کی آواز سنائی دی۔ باتھ روم میں پانی کی ٹنکی کی آواز نے اس کے دماغ کو روشن کر دیا اور وہ دل ہی دل میں بول اٹھا۔ اس وقت تو یہ ایک ہی جگہ محفوظ ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ پھرتی سے کام میں لگ گیا۔ سب سے پہلے اس نے سوٹ کیس کھولا اور اندر سے ریڈی میڈ کپڑوں کی جوڑی کا وہ پیکٹ نکال لیا جو اس نے سوٹ کیس خریدتے وقت خریدا تھا۔ پلاسٹک کی تھیلی سے اس نے کپڑے نکال کر واپس سوٹ کیس میں رکھے اور اسی خالی پلاسٹک کی تھیلی میں فائل کو احتیاط سے لپیٹ دیا اور پھر اسے لیکر باتھ روم میں پہنچ گیا۔ پہلے تو اس نے ٹنکی کی زنجیر کھینچ کر سارا پانی باہر نکال دیا پھر پانی کے نل پر پاؤں رکھ کر اور دیوار کا سہارا لے کر اوپر چڑھ گیا اس نے ٹنکی کا ڈھکنا کھولا اور اندر ہاتھ ڈال کر پانی کا پائپ نکال کر اسے اس طرح باہر لٹکا دیا کہ ٹنکی میں نیا پانی نہ آ سکے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے پلاسٹک میں لپٹی ہوئی فائل کو احتیاط سے ٹنکی کے اندر ڈال کر ایک کونے میں کھسکا دیا اور پھر ٹنکی کا ڈھکنا بند کر دیا۔

لیکن ابھی وہ باتھ روم سے نکل بھی نہیں پایا تھا کہ دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز سن کر اس کے پورے جسم میں کپکپاہٹ سی دوڑ گئی۔ وہ سانس روکے باتھ روم کے دروازے پر ہی کھڑا تھا کہ پھر دستک ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ایک کرخت آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "مسٹر دروازہ۔۔۔ کھولو۔"

بولنے والے کے لہجے میں پٹھانی لہجے کی جھلک تھی۔ وجے نے فوراً ہی پلٹ کر باتھ روم کا شاور کھول دیا اور تب ہی دوبارہ دروازے پر دستک ہوئی اب جواب دیئے بغیر چارہ نہیں تھا اس لیے وہ اونچی آواز میں بولا۔ کھول رہا ہوں دو منٹ۔"

جواب دینے کے بعد اس نے جلدی جلدی شاور کے پانی سے اپنا جسم اور سر کو بھگو دیا اور اپنے بھیگے کپڑے باتھ روم کے کونے میں ڈالے پھر ایک تولیہ جسم پر لپیٹ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیا اور اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتا ہوا آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس کا اندازہ بالکل درست تھا کیونکہ دروازے پر خاکی وردی میں ملبوس ایک پولیس آفیسر اپنے رعب دار چہرے کے ساتھ کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"کیوں مسٹر دروازہ کھولنے میں اتنی دیر کیوں لگی؟ کیا کر رہے تھے؟" پولیس آفیسر نے اپنی رعب دار آواز میں یہ پوچھ تو لیا لیکن کمر سے لپٹے ہوئے تولیے اور سر کے بالوں سے ٹپکتے ہوئے پانی کے قطروں کو دیکھ کر جواب کا انتظار کئے بغیر وہ سیدھا کمرے کے اندر داخل ہو گیا اور پھر بولا۔ "تمہارے کمرے کی تلاشی لینی ہے۔"

یہ سن کر وجے ایک پل کے لئے بوکھلا گیا مگر پھر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھالا اور پولیس آفیسر کی قمیض پر اس کے نام کی تختی کو پڑھنے کے بعد بولا۔ "انسپکٹر چاؤلہ صاحب مینجر نے بتایا تھا کہ ابھی دو گھنٹے پہلے ہی بھون کے سارے کمروں کی تلاشی لی جا چکی ہے۔"

"مسٹر میں نے سب کمروں کے بارے میں نہیں کہا تھا۔" دروازے پر کھڑے ہوئے مینجر نے اس کی بات سن کر دور سے ہی جواب دیا۔ "میں نے تو یہ کہا تھا کہ صرف اسی کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔"

لیکن انسپکٹر کو مینجر کے جواب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس نے پیچھے مڑ کر اپنے دونوں سپاہیوں کی طرف دیکھ کر حکم دیا "ان کے سامان کی تلاشی لو۔"

ایک نئے سوٹ کیس اور کپڑے کے ایک تھیلے کے سوا وجے کا اور کوئی سامان تھا ہی نہیں اور ان میں قابل اعتراض کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر چاؤلہ نے بڑی تیز نظروں سے اس طرح وجے کو گھورا جیسے وہ اس کے دل کی تلاشی لے رہا ہو۔ "مسٹر کیا اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی سامان نہیں ہے؟" اس نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔

"نہیں جناب۔" وجے نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تو آج ہی اپنے نیپالی سفارت خانے میں جا کر اپنی ہنڈی کیش کرائی ہے اور آج ہی بینک میں اکاؤنٹ کھلوا کر ضرورت کے لائق رقم سے تھوڑی بہت خریداری کی ہے۔ یہ سوٹ کیس اور ریڈی میڈ کپڑوں کی یہ جوڑی بھی میں نے آج ہی خریدی ہے۔"

لیکن انسپکٹر نے اس کا جواب سننے کی بجائے مینجر سے کہا۔ "مسٹر مینجر آپ اس کا سامان کسی دوسرے کمرے میں رکھوا دیں کیونکہ یہ کمرا دو چار دنوں کے لئے ہمارے قبضے میں رہے گا۔"

"بہتر ہے جناب۔" مینجر کے بولنے سے پہلے وجے خود ہی بول پڑا اور اپنا سوٹ کیس وغیرہ اٹھا کر مینجر کے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکل گیا لیکن کمرے سے جاتے جاتے اس نے کن انکھیوں سے یہ دیکھ لیا تھا کہ انسپکٹر کی آنکھیں اس کے تاثرات اور اس کی حرکتوں کو بغور تاک رہی ہیں وہ اگر اس وقت صرف تولیہ لپیٹے ہوئے نہ ہوتا تو انسپکٹر چاؤلہ یقیناً اس کے کپڑے تک اتروا کر اس کی تلاشی لے لیتا۔

پانچ کمر نمبر کے کمرے میں آکر وجے بڑی بے چینی سے ٹہلنے لگا مگر اس کے کان باہر کی ذرا ذرا سی آواز پر ہی کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ کمرے میں ادھر سے ادھر گھوم رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آخر انسپکٹر نے تین نمبر کے کمرے کو اپنے قبضے میں کیوں لے لیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جس طرح وہ فائل کو چھپانے کے لئے کوئی محفوظ جگہ ڈھونڈ رہا تھا اسی طرح یہ لوگ بھی فائل کو تلاش کرنے کی کوشش شروع کرنے والے ہوں؟ لیکن یہ پولیس والے اس فائل کو کیوں تلاش کر رہے ہیں؟" پولیس فائل کو کیوں تلاش کر رہی ہے انہیں تو وزیراعظم کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے والے شخص کی تلاش ہونی چاہیے تھی؟

پھر جب پورے پندرہ منٹ بعد کمرا نمبر تین کے دروازے کے بند ہونے کی آواز اس نے سنی تو ایک بار پھر اس کے جسم پر کپکپاہٹ سی دوڑنے لگی۔ اسے لگ رہا تھا کہ شاید پولیس کے ہاتھ میں وہ فائل آ گئی ہے اور وہ اسے گرفتار کر کے لے جائیں گے۔ پولیس کے بھاری جوتوں کی آواز اس کے کمرے کے نزدیک آتی جا رہی تھی اور وجے کے رونگٹے کھڑے ہوتے جا رہے تھے پھر دروازے پر دستک ہوئی تو اس کا چہرہ بالکل ہی سفید ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے اس کا جسم ساکت ہو کر رہ گیا۔ "کھولتا ہوں" کہنے کے لئے اس نے منہ تو کھولا تھا لیکن اس میں سے آواز ہی نہیں نکل سکی۔ دروازے تک پہنچنے کی ہمت بھی نہیں تھی لیکن لڑکھڑاتی چال سے اسے آگے بڑھنا ہی پڑا۔ آدھے منٹ بعد جب دروازہ کھلا تو وہی سخت چہرے والا انسپکٹر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چاؤلہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ اب وجے کو پہلے سے زیادہ خوفناک لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی لال انگاروں کی طرح سرخ ہو گئیں تھیں۔ دونوں کی نظریں ایک لمحے کے لئے ٹکرائیں پھر وجے نے تھوک نگلتے ہوئے بہ مشکل کہا "یس سر۔"

مگر انسپکٹر چاؤلہ نے اس سے کچھ کہنے کی بجائے اس کے ہاتھ میں ایک وزیٹنگ کارڈ تھما دیا اور تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے ہاتھ میں دبے ہوئے کارڈ پر نظر ڈالنے کی ہمت کی لیکن وزیٹنگ کارڈ بالکل سادہ تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا تو کسی کا نام اور پتا وغیرہ کچھ نہیں تھا البتہ پنسل سے ایک سطر میں صرف یہی لکھا تھا۔

"وہ فائل جس کے پاس بھی رہتی ہے وہ شخص زندہ نہیں رہتا۔"

وجے نے یہ تحریر پڑھتے ہی اس طرح جھپٹ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا جیسے باہر موت کھڑی ہو پھر وہ اچانک کھلی ہوئی کھڑکی کی جانب لپکا اور اس کی سلاخوں کو تھام کر باہر سڑک کی جانب دیکھنے لگا۔ انسپکٹر چاؤلہ اس وقت جیپ میں بیٹھ رہا تھا۔ جیپ میں بیٹھتے ہی انسپکٹر چاؤلہ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ اس نے قمیص پر لگی ہوئی اپنے نام کی پٹی کو اتار لیا۔ اس کی یہ حرکت دیکھ کر وجے کے دماغ کا بلب جل اٹھا۔ تو کیا یہ سچ مچ کا پولیس انسپکٹر نہیں تھا؟ یہ سوال تیزی سے اس کے ذہن میں ابھرا پھر دوسرے ہی پل اس کی نظر جیپ کے ڈرائیور پر پڑ گئی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ یہ تو وہی آدمی تھا وہی خوف ناک چہرے والا موٹا اور لمبا آدمی جو الہ آباد ایکسپریس میں پرشورام کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ بعد میں اس نے تو دہلی اسٹیشن سے باہر سڑک پر پرشورام کا بیگ اس سے چھینا تھا بالکل وہی تھا یہ شخص—

وجے کا دل اتنی تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا کہ اسے یوں لگنے لگا کہ بس اب اس کا سینہ پھٹ جائے گا اس کے دماغ پر سوالوں کی بوچھاڑ ہونے لگی تھی۔ آخر ان لوگوں کو کیسے پتا چل گیا کہ پرشورام کی فائل اس کے پاس ہے؟ کیا اس نے بسواس پبلشر کے مالک بی کے اگروال سے مل کر بے وقوفی کی تھی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خوف ناک چہرے والا موٹا آدمی اس کا وہیں سے پیچھا کر رہا ہو؟ اس کے سوا اس کو اس کے اس ٹھکانے کا علم اور کیسے ہو سکتا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ان لوگوں نے یہاں آکر اس کے کمرے کی تلاشی کیسے لے لی؟

وجے کے سر پر موت ناچ رہی تھی اور وہ پردیس میں بالکل تن تنہا تھا۔ اسے اپنے اکیلے پن کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ مشکل وقت میں جس طرح لوگوں کو اپنوں کی یاد آتی ہے بالکل اسی طرح وجے کو بھی اس وقت اپنے دوست رگھوپتی کی یاد ستانے لگی پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کل ہی اسے کال کرے گا اور جلد سے جلد آ جانے کے لئے کہے گا کیونکہ اب اس بات کا کیا بھروسا کہ دو چار روز میں کوئی ٹرک اسے بھی کچلتا ہوا نہ گزر جائے۔

○

"آیئے جناب تشریف لایئے جناب۔" منور نجن ہوٹل میں داخل ہوتے ہی میٹھی آواز والے مدن لال نے اس کا استقبال کیا۔ اس کے سر کے تمام بال اس کی کھوپڑی پر سے غائب ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود اس کے کشمیری چہرے کی سرخی جوں کی توں برقرار تھی۔ سنہرے فریم کی عینک کے پیچھے اس کی آنکھوں کی پتلیاں کسی چھوٹی ٹارچ کے بلب کی طرح چمک رہی تھیں۔ بولتے اور ہنستے وقت اس کے نچلے ہونٹ کے پیچھے سونے کا ایک دانت چمکتا ہوا دکھائی دے جاتا تھا۔

"جناب آپ کے لئے سارا انتظام کر رکھا ہے۔" کہہ کر مدن لال نے چاندی کی زنجیر میں بندھی ہوئی پاکٹ گھڑی اپنے کوٹ کی اوپری جیب سے باہر کھینچ نکالی اور اس میں وقت دیکھ کر بولا۔ "اس وقت سوا آٹھ بجے ہیں بس آدھے گھنٹے میں آپ کی بلبل پہنچ جائے گی اور اس وقت تک ہمیں اس ایئر کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر اس کے انتظار کا لطف اٹھانا ہو گا۔"

وجے نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اسے کونے کی ایک میز کے قریب بیٹھ جانا پڑا۔ آج شام کے چار بجے جب پہلی بار وہ مدن لال سے آکر ملا تھا تو آدھے گھنٹے کی ملاقات اور بات چیت کے درمیان اس نے کئی بار۔ "جناب—— جناب" کا لفظ اس کے منہ سے سنا تھا اور یہ انداز تخاطب اسے اچھا بھی لگنے لگا تھا۔ یہ دہلی میں اس کا دوسرا دن تھا اور دوپہر کے بعد اس کا ہر اچھا اور برا کام آپ ہی آپ ہوتا جا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا۔

اب تک اس کے قبضے میں رہنے والی ٹائم بم کی فائل اگرچہ اب اس کے قبضے میں نہیں تھی پھر بھی اس فائل نے اپنا قبضہ تو اس کے دل پر جما ہی رکھا تھا۔ جس کے پاس یہ فائل رہتی ہے وہ شخص زندہ نہیں رہتا وزیٹنگ کارڈ پر لکھی ہوئی اس دھمکی آمیز تحریر کو پڑھنے کے بعد تو ٹائم بم کو ہاتھ لگانے کی بھی اس میں ہمت نہیں تھی مگر اسے اس بات کی بھی بڑی فکر تھی کہ وہ فائل کسی اور کے ہاتھ میں نہ آ جائے۔ آج صبح ہی اس کے جی میں آیا تھا کہ وہ جلد سے جلد نیپال بھون کے کمرے کو چھوڑ کر نیپالی سفارت خانے کے کیشیر ہری پرشاد کا پڑوسی بن جائے مگر اپنی اس خواہش کو اسے روک لینا پڑا تھا کیونکہ اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو فائل ڈھونڈنے والے لوگوں کو اس پر اور زیادہ شک ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن تھا کہ اس کی نگرانی کے لئے انہوں نے اپنا کوئی آدمی اس کے پیچھے لگا رکھا ہو۔ اسی لئے اس نے نیپال بھون کو چھوڑ دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور جب وہ دوپہر کو نیپال بھون سے باہر نکلا تو اس نے صرف اپنی چیک بک اور روپے پیسے کا پرس ہی اپنی جیب میں رکھا تھا۔ کپڑے کا تھیلا اس نے اس لئے اپنی بغل میں نہیں دبایا تھا کہ کسی کو اس میں فائل ہونے کا شک نہ ہو جائے اور جب کسی کو اس کے ہاتھ میں کوئی مشکوک چیز نظر نہیں آئے گی تو وہ اس کا تعاقب کیوں کرے گا؟

ٹھیک سوا تین بجے وہ بسواس پبلشر کے مالک بی کے اگروال کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت اگروال نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے وجے اس کا پیچھا کر رہا ہو۔ اس نے وجے کو دیکھتے ہی اپنا آدھا لکھا ہوا خط اس طرح الٹ کر رکھ دیا جیسے کوئی بے حد نجی خط لکھ رہا ہو اور پھر وہ اپنا منہ کھول کر اس طرح وجے کو دیکھنے لگا جیسے کسی نے اس کے گول تربوز جیسے چہرے میں سے ایک ٹکڑا کاٹ لیا ہو پھر اس سے پہلے کہ اس کے کھلے ہوئے منہ سے کوئی آواز نکلتی وجے نے اپنی چیک بک میں سے وہ چیک پھاڑ کر اس کی جانب بڑھا دیا تھا جو اس نے پہلے ہی سے لکھ رکھا تھا۔

"کل یہ چیک آپ کو نہیں دے سکا تھا۔" وجے نے چیک اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"چیک؟" اگروال نے چونک کر چیک اٹھا لیا اور حیرت سے اس پر لکھی ہوئی رقم کو دیکھنے لگا۔ وجے اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ پندرہ سو روپے کا چیک لے کر آپ کل آئے تھے؟" اگروال کے لہجے میں نرمی آ گئی تھی۔

"آپ خود ہی دیکھ لیجئے۔" وجے نے کہا۔ "چیک پر تاریخ گزشتہ کل کی ہے۔ ہے نا؟"

اگروال نے تاریخ دیکھ کر اپنی تسلی کر لی لیکن پھر بھی اس کی حیرت میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس نے پوچھا۔ "یہ پندرہ سو روپے آپ کس حساب میں دے رہیں ہیں---"

"میری کتاب شائع کرنے کی مدد میں۔" وجے نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہہ دیا۔

"کیا--- مطلب؟" اگروال کچھ پوچھتے پوچھتے رک گیا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "سمجھ گیا یعنی آپ اپنے خرچ پر دہلی کی طوائفوں کے بارے میں اپنی کتاب چھپوانا چاہتے ہیں نا؟"

"بالکل ٹھیک" کہہ کر وجے نے آگے کہنا چاہا ہی تھا کہ اگروال نے اس کا چیک واپس کھسکا دیا اور منہ بنا کر بولا۔ "بھلا پندرہ سو روپے میں بھی کہیں کوئی کتاب چھپتی ہے؟"

"ارے اگروال صاحب بھلا کتاب کسے چھپوانی ہے؟" وجے دھیرے سے ہنس کر بولا۔ "اس پندرہ سو روپے کی رقم کے بدلے آپ کو مجھے صرف ایک لیٹر دینا ہے بس۔"

"لیٹر؟" اگروال چونک پڑا اس کی آنکھوں میں بے چینی کے ساتھ گھبراہٹ بھی شامل تھی۔

"بس آپ مجھے صرف اتنا لکھ دیں کہ دہلی کی طوائفوں پر کتاب تیار کرنے کا کام بسواس پبلشر یعنی آپ کو سونپا گیا ہے۔" وجے نے بتایا تو اگروال چھوٹی آنکھیں کر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے مشکوک نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وجے کو یہ دھڑکا لگ گیا کہ وہ ابھی اسے کرسی سے اٹھ کر باہر نکل جانے کے لئے کہہ دے گا پھر جب اگروال نے میز پر سے شیشے کا بھاری اور گول پیپر ویٹ اٹھایا تو وجے سچ مچ گھبرا گیا۔ پیپر ویٹ کے ہٹتے ہی اس کے نیچے دبا ہوا کاغذ پنکھے کی ہوا سے اڑ کر وجے کی گود میں آگرا۔ یہ دیکھ کر اگروال نے اس کاغذ کو پکڑنے کے لئے کرسی سے اٹھ کر جھپٹا مار کر کاغذ کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن کاغذ وجے کے ہاتھ میں تھا اور اس نے اسے اگروال کو واپس دیتے وقت اس کے اوپر لکھا ہوا نام پڑھ لیا تھا۔ "پرشورام"۔

"خبردار خط مت پڑھنا۔" کہہ کر اگروال نے اس کے ہاتھ سے خط چھین لیا تھا مگر پھر بھی وجے کی تیز نظروں نے اس کی پہلی سطر تو پڑھ ہی لی تھی۔ اگروال نے پرشورام کے نام کے نیچے لکھا تھا۔ "دو روز سے میں تمہارے آنے کے انتظار میں بیٹھا ہوں اور تم بے وقوفوں کی طرح مجھے انتظار کرا رہے ہو۔"

اپنے اس آدھے لکھے ہوئے خط کو اگروال نے بڑی احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیا اور تب وجے کا جی چاہا کہ وہ اس سے کہہ دے۔ اگروال صاحب آپ اگر زندگی بھر بھی انتظار کریں گے تب بھی پرشورام نہیں آئے گا۔

"پندرہ سو روپے کے عوض مجھ سے ایسا لیٹر لکھوانے کا مقصد کیا ہے مسٹر" اگروال نے تجسس بھرے لہجے میں اصل بات کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "میرے لیٹر کا اگر تم غلط استعمال کرو تو؟"

"نہیں اگروال صاحب ایسی بات نہیں ہے۔" وجے نے پرسکون لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میں تو اس کا صحیح استعمال کرنا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دھیرے سے ہنسا اور پھر آگے بولا۔ "نیپال کے ایک شریف خاندان کا فرزند جب دہلی کی رنگین راتوں کا مزہ لوٹنے آ جائے تو اسے تھوڑی ہوشیاری سے تو رہنا ہی پڑتا ہے۔ مہینے دو مہینے یہاں رہ کر لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ کر کے عیاشی کرنے میں ایک بات کا ڈر بھی لگتا ہے۔"

"کس بات کا ڈر؟" اگروال نے ذرا دلچسپی کا اظہار کیا۔ "اپنے پیسے سے عیاشی کرنے میں بھلا کس کے باپ سے ڈرنا؟"

"اپنے باپ سے۔" وجے نے ایک آنکھ مار کر دھیرے سے کہا تھا۔ "بلیک میلنگ کے اس زمانے میں ہوشیار رہنا اچھا ہوتا ہے۔ بے خبری میں کسی اجنبی عورت کے ساتھ کوئی ہماری تصویر کھینچ لے تو؟"

"سمجھ گیا--- سب سمجھ گیا" اگروال خوشی سے جھوم گیا۔ "تو آپ جناب کتاب لکھنے کا بہانہ بنا کر یہاں موج اڑانے آئے ہیں لیکن مجھے صرف پندرہ سو روپے میں لیٹر لکھ دینے میں موج نہیں آئے گی۔" اگروال پیپر ویٹ کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے بولا تو وجے نے مسکرا کر کہا۔ "مگر اگروال صاحب پندرہ سو کی یہ پہلی قسط ہے پندرہ دنوں بعد پندرہ سو روپے کا ایک چیک اور دے جاؤں گا۔"

"اور اگر وعدہ کر کے چیک نہ دے گئے تو؟" اگروال نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔ "کیسی بات کرتے ہیں آپ؟" وجے بولا۔ "بھلا پرشورام کے وعدے میں بھی کبھی فرق ہوا ہے؟" یہ سنتے ہی اگروال کے گھبرائے ہوئے ہاتھوں سے شیشے کا گولا چھوٹ گیا اور لڑھکتا ہوا نیچے فرش پر جا گرا۔ اس کی یہ بوکھلاہٹ دیکھ کر وجے سمجھ گیا کہ ٹائم بم کی طرح پرشورام کا نام بھی اس آدمی کو بھٹکا دینے کے لیے کافی ہے۔

"دیکھئے مسٹر وجے کمار میں آپ کو لیٹر ٹائپ کر کے دے دیتا ہوں لیکن اس میں پرشورام نام نہیں آئے گا۔" اگروال نے ٹائپ رائٹر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "مشہور شاعر جے دیو نے رادھا کرشن پر کتاب لکھی تھی اور آپ طوائفوں پر کتاب لکھنا چاہتے ہیں اس لئے آپ کو بھی وجے کمار آریہ کے نام سے لکھنا چاہئے کیا سمجھے؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پندرہ سو کے چیک کے بدلے میں وجے یہ لیٹر لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا تھا لیکن اس کے جانے کے بعد بھی اگروال کی آنکھوں سے شک کی پرچھائیاں دور نہیں ہوئی تھیں۔ وہ دیر تک یہی سوچتا رہا تھا کہ یہ چیک کہیں بینک سے واپس تو نہیں آ جائے گا؟ پندرہ سو کی دوسری قسط دینے کے لیے وجے کمار پھر آئے گا یا نہیں؟

"صاحب۔" ریسٹورنٹ کے ویٹر نے اس کے سامنے جھک کر اسے پکارا۔ "آپ کو مدن صاحب یاد کر رہے ہیں۔" تب وجے نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا تو آدھا گھنٹا گزر چکا تھا۔ پچھلے پندرہ منٹ تک تو اس نے نیند کی ایک جھپکی بھی لے لی تھی۔ آنکھوں کے پپوٹوں پر سے نیند کا بوجھ ہٹا کر وہ ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا۔

"آپ کی آنکھوں میں تو انتظار کا نشہ چھا رہا ہے جناب۔" مدن لال نے ایک مخصوص میٹھے لہجے میں کہا۔ "بس اب صرف دس منٹ باقی ہیں بلبل کا فون آ گیا وہ سج دھج کر گھر سے نکل چکی ہے۔ اب آپ دو سو چار نمبر کے کمرے میں پہنچ جائیں کہہ کر اس نے وجے کے ہاتھ میں کمرے کی چابی دیتے ہوئے کہا۔ "سہانی رات اور حسینہ کا ساتھ---"

"لیکن مدن صاحب آپ نے اسے ٹھیک سے سمجھا تو دیا ہے نا؟" وجے نے بے چینی سے پوچھا تو مدن لال نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "آپ بالکل فکر مت کریں وہ بلبل بہت ہی سمجھ دار بلبل ہے۔"

وجے ڈگمگاتے قدموں سے اس طرح زینے چڑھ رہا تھا جیسے زبردستی گناہوں کی سیڑھی پر چڑھ رہا ہو۔ دو سو چار نمبر کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے جب اس نے کی ہول میں چابی ڈالی تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ پاپ کی دنیا میں اس کا یہ پہلا قدم تھا

اور اسے ڈر تھا کہ یہ قدم لڑکھڑا گئے تو؟"

دروازہ کھولتے ہی مہکتی ہوئی ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے نے اس کا استقبال کیا اور تب اسے مدن لال کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا "جناب اپنے منورنجن ہوٹل کا سب سے عمدہ کمرا آپ کے لیے تیار رکھوں گا۔"

وجے نے دروازہ بند کر کے لائٹ کا بٹن دبا کر روشنی کر دی۔ کمرا روشن ہوتے ہی سامنے کی دیوار پر ایک خوبصورت عورت کی پینٹنگ نے اس کی نگاہوں کو جکڑ لیا۔ پھولوں سے سجا ہوا اور سفید چادر سے ڈھکا ہوا ڈبل بیڈ دیکھتے ہی اس کا جی چاہا کہ وہ اس پر سو جائے مگر تب ہی اس کی نظر صوفے کے قریب رکھی ہوئی تپائی پر پڑ گئی جس پر شراب کی ایک بھری ہوئی بوتل اور دو خالی گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس نے قریب جا کر شراب کی بوتل اٹھا لی اور اس پر لگا ہوا لیبل پڑھنے لگا۔ "بلیک اینڈ وہائٹ اسکاچ وہسکی۔"

اس بوتل کو دیکھ کر ایک بار پھر اسے مدن لال کے کہے ہوئے الفاظ یاد آ گئے۔ "جناب کمپنی دینے کے لیے آنے والی لڑکی تو وہسکی کی کمپنی ضرور مانگے گی اور پھر ہماری بلبل کا تو ٹیسٹ ہی اونچا ہے گھٹیا چیز ہو تو بوتل پھینک دیتی ہے۔"

اس نے بوتل کو تپائی پر رکھ دیا اور پردہ ہٹا کر کھڑکی کے باہر نظر ڈالی۔ یہ منورنجن ہوٹل کا پچھلا حصہ تھا۔ ایک قطار میں غریب مزدوروں کے کئی جھونپڑے نظر آ رہے تھے۔ ایک جھونپڑے کے دروازے پر ایک عورت بیٹھی اپنے ننگ دھڑنگ بچے کو اپنے سینے سے لگائے دودھ پلا رہی تھی اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ عورت کا اس نے یہ ایک روپ دیکھا مگر ابھی اسے عورت کا ایک دوسرا روپ بھی دیکھنا تھا۔

دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وجے صوفے پر بیٹھ گیا اور پلنگ کے پاس کھڑے ہوئے قد آدم آئینے میں اپنا عکس دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر کس قدر گھبراہٹ طاری تھی؟ یوں تو شام کو جب وہ مدن لال سے پہلی بار ملنے آیا تھا تب بھی اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اگروال کا لیٹر اسے پڑھوا کر اپنا مقصد بیان کرتے وقت اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی اور وہ بہ مشکل کہہ سکا تھا۔ "صاحب اس کام میں آپ میری مدد

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر سکتے ہیں۔"

"جناب اس کام کے لیے آپ کو میرا نام کس نے بتایا تھا؟" مدن لال کے پوچھنے میں تجسس تھا یا خوف کی جھلک تھی یہ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس لیے وجے تھوڑی دیر تک کچھ بول ہی نہ سکا۔ اسے خاموش دیکھ کر مدن لال نے پھر پوچھا۔ "جناب کیا آپ نہیں بتائیں گے کہ اس کام کے لیے آپ کو کس نے میرا نام بتایا تھا؟"

"بانکے میاں" دھیمی آواز میں اس نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا لیکن مدن لال پر اس کا کوئی خاص اثر ہوتا دکھائی نہیں دیا اور اس نے بڑے ہی سادہ لہجے میں پوچھا۔ "بانکے سے بھلا آپ کی ملاقات کہاں ہو گئی؟"

جواب میں وجے نے جلدی سے بولنا چاہا کہ الہ آباد تھانے کے حوالات میں لیکن پھر فوراً ہی اسے خیال آ گیا کہ اگر اس نے جیل یا حوالات کا نام لیا تو وہ خود بھی مدن لال کی نگاہوں سے گر جائے گا۔ اس لیے اب اسے جھوٹ بولنا بھی سیکھ لینا چاہیے اس خیال کے ذہن میں آتے ہی اس نے کہا۔ "بانکے اکثر کھٹمنڈو آتا جاتا رہتا ہے تو وہاں کاسینو میں ملاقات ہو جاتی تھی دہلی کی طوائفوں پر کتاب لکھنے کے بارے میں میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا لیکن چونکہ اس شہر میں اجنبی ہوں اس لیے خطرہ لگا رہتا تھا۔ لیکن بانکے نے میری یہ مشکل آسان کر دی اور آپ کا پتا بتا دیا۔ اس نے کہا تھا مدن لال سے ملو گے تو تمہارا کام آسان ہو جائے گا۔"

"تب تو بانکے نے آپ کو بالکل صحیح جگہ پر بھیج دیا ہے۔" مدن لال اس طرح بولا جیسے اسے اس کی بات کا یقین آ گیا ہو۔ "دہلی کی کوئی بلبل بھی ایسی نہیں ہو گی جو مدن لال کو نہ جانتی ہو لیکن جناب وجے کمار صاحب آپ کا یہ کتاب لکھنے والا چکر اپنی سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر آپ موج مزے اڑانے آئے ہیں تو شرافت کا لبادہ اتار کر صاف صاف کہہ دیں کہ آپ کو کیسی چیز پسند ہے اور اس کے لیے آپ کتنے روپے خرچ کر سکتے ہیں؟"

یہ سن کر وجے گھڑی بھر کے لیے ڈگمگا گیا تھا اور اس کا جی چاہا تھا کہ وہ مدن لال کو صاف صاف بتا دے کہ یہاں وہ اپنی بہن کو تلاش کرنے آیا ہے جو چھ سال

پہلے گم ہو گئی تھی اور میری بہن روکھی سے ملتی جلتی کوئی نیپالی لڑکی یہاں آئی ہو تو مجھے اس کا پتا چاہیے لیکن بانکے نے الہ آباد کے حوالات میں ہی اسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنی بہن کے بارے میں کسی کو نہ بتائے کیونکہ کوئی بھی سیدھی طرح اسے اس کی بہن کے پاس نہیں لے جائے گا اگر تم نے کسی کو سچی بات بتا دی تو نیپالی لڑکیوں کو اغوا کرنے والے لوگ تمہاری لاش بھی غائب کر دیں گے۔

"جواب دینے کے لیے بہت زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے جناب۔" مدن لال نے خود ہی اس کی بات سمجھ کر کہا۔ "آپ کا مقصد معلومات اکٹھی کر کے کتاب لکھنا ہو یا موج اڑانا ہو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ آپ تو مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ آپ ابتدا کیسی لڑکی سے کرنا چاہتے ہیں؟"

یہ سن کر اس نے کہنا چاہا نیپالی لڑکی لیکن نیپال سے آیا ہوا گاہک نیپالی لڑکی کی ہی خواہش کرے یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے۔ اس لیے اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہہ دیا تھا۔ "جو آپ کو پسند ہو صرف باتیں کر کے مجھے کمپنی دے ایسی لڑکی ہو۔"

"اوہ تو آپ کو بولنے والی بلبل چاہیے؟" اس نے چند لمحے تک سوچا اور پھر آگے کہا تھا۔ "ٹھیک ہے آپ ساڑھے آٹھ نو بجے تک آ جائیں پہلی چیز ایسی پیش کروں گا کہ آپ مدن لال کو یاد رکھیں گے لیکن خرچ تھوڑا زیادہ ہو گا۔" ایسے معاملوں میں چونکہ اسے بھاؤ تاؤ کرنا نہیں آتا تھا اس لیے اس نے جیب سے سو سو کے نوٹوں کی گڈی نکال لی تھی۔ نوٹوں کی گڈی دیکھ کر مدن لال کو اس کے مال دار ہونے کا یقین ہو گیا تھا اور اس نے کہا تھا۔ "اس وقت تو آپ صرف تین سو روپے دے جائیں پچھتر روپے کمرے کا کرایہ پچھتر روپے میری مزدوری اور ڈیڑھ سو روپے بانکی کی دو بوتلوں کے۔۔۔"

"دو بوتلیں؟" اس نے ذرا حیرت کا اظہار کیا تھا۔ "میں تو پیتا نہیں ہوں۔"

"پھر بھی دو بوتلیں ہی آئیں گی۔" مدن لال نے بتایا تھا۔ "ایک بلبل کے لیے اور دوسری بوتل اس کو ساتھ لے کر آنے والے کے لیے۔"

اس نے آنکھیں جھکا کر سو سو کے تین نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیئے اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کانپتی آواز میں کہا۔ "مدن لال صاحب اس کو ذرا یہ بتا دیجئے گا کہ میں دوسرے گاہکوں جیسا۔۔۔۔"

تجربہ کار نہیں ہیں۔۔۔ یہی نا؟" مدن لال درمیان میں ہی بول پڑا تھا۔

"صرف یہی نہیں۔" اس نے بہ مشکل کہا تھا۔ "مجھے صرف اس کی باتیں ہی سننا ہیں۔"

"باتیں سن کر دل بہلانا ہے یہی نا؟"

اس کے جواب میں اس نے کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں سے چلا آیا۔ چلتے چلتے اس نے سوچا تھا کہ اس کے وہاں سے نکل آنے کے بعد اس کی پیٹھ پیچھے مدن لال نے ضرور قہقہہ لگایا ہو گا اور تین سو روپے جیب میں ٹھونس لیے ہوں گے۔۔۔۔

○

یکایک دروازے پر پڑنے والی ہلکی سی دستک نے اسے تھرتھرا دیا اور اس کے گلے سے آواز ہی نہ نکل سکی کہ وہ پوچھ سکے کہ کون ہے؟ وہ اپنا وہم سمجھ کر تھوڑی دیر بیٹھا رہ گیا لیکن جب دوسری بار ویسی ہی دستک ہوئی تو اسے اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ جو آنے والی تھی وہ نہ آئی ہو تو اچھا ہو۔ ممکن ہے دروازے پر مدن لال ہی اس سے یہ کہنے آیا ہو کہ سوری جناب آج کا پروگرام کینسل ہو گیا ہے۔ اسی خوش فہمی میں مبتلا اس نے دروازے کا ہنڈل گھما کر دروازہ کھول دیا تو سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔

خوبصورت گول چہرہ بڑی بڑی پرکشش آنکھیں پتلے پتلے سرخ ہونٹ اور ریشمی ساڑی میں لپٹا ہوا سڈول جسم ہونٹوں پر کھلنے والی دلکش مسکراہٹ لڑکی خاندانی اور پڑھی لکھی دکھائی دے رہی تھی۔ وجے نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا کیوں کہ اس کو ایسی لڑکی کی توقع نہیں تھی۔ اسے تو امید تھی کہ دروازے پر اس وقت ایک ایسی لڑکی کھڑی ہو گی جو شراب کے نشے میں چور ہو گی اس کے ہاتھ میں سگریٹ ہو گا اور چہرے پر لالی پوڈر لگا ہو گا لیکن اس کے بجائے یہاں تو۔۔۔۔ نہیں یہ لڑکی وہ

نہیں ہو سکتی شاید کسی اور سے ملنے آئی ہو گی۔ غلطی سے اس کمرے کے دروازے پر آ گئی ہے۔

"دو سو چار نمبر تو یہی ہے نا؟" لڑکی کی آواز سن کر وہ چونک پڑا اف۔۔۔ وہ دل ہی دل میں بولا۔۔۔ ظاہری دکھاوے سے دھوکا کھا رہا تھا۔۔۔

"ہاں ہاں۔۔۔۔ یہی ہے۔۔۔۔ آیئے۔" وجے کو یہ کہنے کے بعد محسوس ہوا کہ اس کے اس تخاطب سے وہ لڑکی کچھ اچھنبے میں پڑ گئی ہے مگر وہ ایسا نہ کہتا تو بھی لڑکی تو اندر آنے ہی والی تھی۔

"میں نے آپ کو بہت انتظار تو نہیں کرایا؟" اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے لڑکی نے پوچھا۔ لیکن وجے نے اس کے سوال کو ان سنی کر کے کوئی جواب نہیں دیا۔

"ارے یہ کیا؟" لڑکی نے تپائی پر رکھی ہوئی شراب کی بھری ہوئی بوتل کو دیکھ کر پوچھا۔ "آپ نے تو ابھی تک ڈرنک بھی شروع نہیں کی انتظار کے لیے اس کا ساتھ تو ضروری تھا۔"

لیکن جواب دینے کے بجائے وجے نے مسکراہٹ کا سہارا لیا اور تب لڑکی جلدی جلدی بوتل کھولنے لگی۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اتنے مہمان نواز ہیں کہ میرے آنے تک بوتل بھی نہیں کھولیں گے تو میں اتنی دیر نہ کرتی۔" اس کی آواز میں وجے کو بناوٹ نظر آئی تھی لیکن وہ ان سب باتوں کو پرکھنے میں ماہر کہاں تھا؟

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔" لڑکی نے جب دوسرے گلاس میں بھی وہسکی انڈیلنا شروع کی تو اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے روک دیا اور بولا۔ "میں پیتا نہیں ہوں" لڑکی کی گردن اچانک اس طرح اوپر اٹھ گئی جیسے اسے ایک زبردست جھٹکا لگا ہو۔ "تو پھر جن برانڈی یا بیئر کچھ بھی منگوا لیا ہوتا؟"

"مجھے ایسی کوئی عادت نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"عادت نہیں ہے یا نفرت ہے؟"

"کوئی اور پیئے تو نفرت نہیں ہے۔ وجے نے کہا تو لڑکی نے ذرا راحت محسوس کی اور اپنے گلاس میں ٹھنڈا پانی ملانے لگی اور پھر دوسرے گلاس کو بھی ٹھنڈے پانی سے بھر کر اس کے سامنے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کم سے کم مجھے کمپنی دینے کے لیے پانی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تو پی ہی لیں گے آپ؟"

اور پھر دونوں ہی ایک ساتھ ہنس پڑے پھر گلاسوں کو ٹکرا کر دونوں نے چیرس کی اور وہ لڑکی ایک ہی سانس میں وہسکی کا آدھا گلاس خالی کر گئی پھر اسے تپائی پر رکھ کر بولی۔ "بہت پیاس لگی تھی۔"

"اس سے پیاس بجھتی ہے یا بڑھتی ہے؟" وجے نے مسکرا کر پوچھا۔

اس کا سوال سن کر لڑکی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرانے لگی۔ اس نے اپنی سانپ جیسی لمبی چوٹی کو اپنے شانے پر آگے کی جانب گرا لیا اور اس سے کھیلتی ہوئی اپنی سریلی آواز سے بولی۔ "ہمارا کام پہلے پیاس جگانا اور پھر اس پیاس کو بجھانا ہوتا ہے۔"

"لیکن پیاس بجھانے کے لیے تو دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔" وجے نے شاعرانہ لہجے میں کہا۔ "ایک پانی اور دوسرا پیار۔"

یہ سن کر لڑکی نے بڑی پیار بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ "مہربان آپ ایک ادیب ہیں یہ اشارہ مجھے مدن لال نے کر دیا لیکن ساتھ ساتھ آپ ایڈیشک بھی ہیں۔ یہ بات اس نے نہیں بتائی تھی۔" اتنا کہہ کر اس نے پھر گلاس کو ہونٹوں سے لگا لیا اور اسے خالی کرنے کے بعد دوبارہ اس میں وہسکی انڈیلنے لگی۔ بار بار گلاس کو ہونٹوں تک لے جانے اور واپس تپائی پر رکھنے میں اس کی ریشمی ساڑی کا پلو اس کے کاندھے سے سرک کر نیچے آ گیا تھا۔ یہ دیکھ کر وجے نے اپنی نظریں جھکا لی تھیں مگر اس کی یہ حرکت لڑکی کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس نے اپنی کمر میں اڑسا ہوا پرس نکال کر جب تپائی پر رکھ دیا تو وجے سمجھ گیا کہ اشارے میں اس سے تقاضہ کیا جا رہا ہے۔ اس نے اپنی جیب سے بٹوہ نکالا اور سو سو کے تین نوٹ نکال کر اس کے پرس میں رکھنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ یہ دیکھ کر لڑکی نے جھپٹ کر اپنا پرس ہٹا لیا اور اسے ہاتھ میں لے کر دھیرے دھیرے ہنسنے لگی پھر اپنے پرس میں سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر سلگانے لگی۔ سگریٹ کے دو چار گہرے گہرے کش لے کر اس نے فضا کو دھواں دھواں کر دیا اور پھر سگریٹ کے پیکٹ اور لائیٹر کو اپنے پرس میں رکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے یقین

ہے کہ آپ کو سگریٹ کی بھی عادت نہیں ہو گی۔"

"جی ہاں۔" کہہ کر وجے نے سو سو کے تین نوٹوں کو تپائی پر رکھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ لڑکی نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "یہ رقم آپ کو یہاں نہیں بلکہ نیچے دینی ہے۔" یہ سن کر وجے الجھن میں پڑ گیا اور کہا۔ "میں تو پہلے ہی مدن لال کو دے رہا تھا تو اس نے کہا تھا یہ رقم اسے نہیں دینی ہے اور اب آپ کہہ رہی ہیں کہ رقم آپ کو نہیں بلکہ نیچے دینی ہے مدن لال کو۔۔۔"

"میں نے صرف نیچے دینے کے لیے کہا ہے مدن لال کو دینے کے لیے نہیں کہا تھا۔" لڑکی نے کہا۔ "مگر نیچے کس کو دوں؟" وجے نے پوچھا۔

"مجھے یہاں میرے پتا جی لے کر آئے ہیں اور یہ رقم انہی کو دینی ہے۔" یہ سنتے ہی وجے کا نوٹوں والا ہاتھ اتنی تیزی سے پیچھے ہٹ گیا جیسے ایک ساتھ کئی بچھوؤں نے اس کے ہاتھ میں ڈنک مار دیا ہو۔ اسے لگا کہ کہیں اس کے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے یا پھر لڑکی نے جلدی میں کچھ کہنے کی بجائے کچھ اور کہہ دیا ہے لیکن نہیں لڑکی نے تو کسی شرم و حیا کے بغیر پتا جی ہی کہا تھا۔ اس کے جبڑے یکایک تنگ ہو گئے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آدمی اتنا گھٹیا' اتنا نیچ' کمینہ اور اتنی حد تک بھی گر سکتا ہے کہ اپنی بیٹی کو۔۔۔؟

صدمے کا ایک زبردست دھکا لگا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں کیا ہوا؟" لڑکی نے ابھی یہ پوچھا ہی تھا کہ اس کے قدم آگے بڑھ گئے مگر لڑکی نے پھر پوچھا۔ "کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"نیچے۔۔۔ تمہارے۔۔۔ پتا جی۔۔۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنے دانت پیسے اور نہ پھیر کر آتے گے کہا۔ "آپ کے پتا جی کو پیسے دے آؤں۔"

"صرف پیسے ہی دیجئے گا۔" لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "نصیحت کرنے مت بیٹھ جائیے گا۔" کمرے کا دروازہ کھلا رکھ کر وہ جلدی جلدی زینے اترنے لگا۔ اس وقت اس کے ماتھے کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور سینہ دھک دھک کر رہا تھا۔ مدن لال کے سامنے پہنچ کر وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ "کہاں ہے اس لڑکی کا باپ؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ارے جناب آپ؟" اس کے غصے کا مدن لال نے کوئی اور مطلب سمجھا تھا۔ "روپے دینے کے لیے آپ کو بھاگ کر آنا پڑا ہماری بلبل روپے پیسے کو ہاتھ نہیں لگاتی لیکن جب تک اس کے باپ کو پیسا نہ پہنچ جائے اس وقت تک وہ اپنے جسم کو بھی ہاتھ لگانے نہیں دیتی۔" اتنا کہہ کر اس نے کاؤنٹر کے پیچھے والے روم کی جانب اشارہ کیا اور بولا۔ "وہ جو اندر بیٹھا پی رہا ہے اس کو دے دیں اور اوپر چلے جائیں۔" نفرت سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وجے کاؤنٹر کے پیچھے والے روم میں پہنچ گیا۔ اب دوبارہ اوپر جانے کی خواہش ہی کہاں رہ گئی تھی؟ اسے تو اب ایک جانور ایک انسان نما درندے کا چہرہ دیکھنا تھا۔ وہ اس کے منہ پر تھوک تو نہیں سکتا تھا لیکن روپے تو ضرور مار سکتا تھا۔

اور روم کے دروازے پر ہی اس کے قدم رک گئے ایک دبلا پتا ادھیڑ عمر کا شخص سامنے کی میز پر بیٹھا تھا اس لاغر اور کمزور سے آدمی کو دیکھ کر وہ پل بھر وہیں ٹھہر گیا۔ اس کے ہاتھ میں جو گلاس تھا وہ آدھا بھرا ہوا تھا اور اس کے سامنے پڑی ہوئی بوتل آدھی خالی ہو چکی تھی۔ مصالحے والے چنے چباتا ہوا وہ وجے کو دیکھتا رہا۔ پھر جب وجے نے تین نوٹ اس کی جانب بڑھائے تو وہ سمجھ گیا اور اس طرح بولا جیسے وہ وجے کو پہچان گیا ہو۔ "میں بیٹھا بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ آج پیسے پہنچنے میں اتنی دیر کیسے ہو گئی؟"

اس کی یہ بات سن کر وجے ایک بار پھر غصے میں تلملانے لگا۔ اس کا جی تو چاہا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے اس شیطان کا گلا دبا دے اور اس وقت تک دباتا رہے جب تک اس کی زبان اور آنکھیں باہر نہ نکل آئیں مگر اسے اپنے آپ کو سنبھالنا پڑا۔ اس نے دانت پر دانت جما کر اپنے غصے کو ضبط کیا اور پھر ایک ایک نوٹ اس کے منہ پر مارتے ہوئے بولتا گیا۔ "پیسا--- پیسا--- پیسا---"

کرسی پر بیٹھا ہوا شخص گھبرا گیا اور سہمی سہمی نظروں سے وجے کی طرف دیکھنے لگا جو بدستور غصے میں کہہ رہا تھا۔ "لے لو--- اٹھا لو--- گن لو--- بیٹی کے جسم کی کمائی پر گھر میں بیٹھ کر روٹی کھانے والے باپ کے بارے میں تو سنا تھا لیکن اس طرح بیٹی کو خود ساتھ لے کر آنے والا اور اس کے جسم کی قیمت کا تقاضہ کرنے والا باپ

میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔"

لڑکی کا ادھیڑ عمر دبلا پتلا باپ شراب کے گھونٹ کے ساتھ اپنی بے عزتی کا گھونٹ بھی حلق سے اتار گیا۔ اس نے ایک ایک کر کے سو سو کے تین نوٹ اٹھا لیے اور انہیں میز پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک تو اس کی گردن جھکی رہی پھر سامنے کھڑے ہوئے وجے کی نظروں سے نظریں ملا کر اس نے کہا۔ "ایسے کمینے باپ کو تم نے دیکھ لیا ہے یہ سچ ہے لیکن تم نے اسے پہچانا نہیں ہے۔"

"جانور کی کوئی پہچان نہیں ہوتی۔" وجے دانت پیس کر بولا۔ "وہ جانور ہی کہلاتا ہے۔"

"مسٹر آپ بہت جذباتی آدمی لگتے ہیں۔" لڑکی کے باپ نے بڑی نرم آواز میں کہا اپنی اس سخت بے عزتی کے باوجود اس کے لہجے میں تلخی نہیں آئی تھی اور وہ اسی نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اب آپ اس جانور کو پہچانتے جائیں شاید اس میں کہیں آپ کو کوئی آدمی چھپا ہوا نظر آ جائے--- بیٹھ جایئے---"

وجے کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ جانا پڑا۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے کہا۔ "تمہاری غریبی اور مفلسی کی داستان سن کر بھی میرے دل میں تمہارے لیے کوئی ہمدردی پیدا نہیں ہو گی سمجھے تم؟"

"بالکل اسی طرح دو گولیوں سے چھلنی کیے ہوئے اس آدمی کو آپ کے کڑوے سے کڑوے الفاظ بھی چھلنی نہیں کر سکیں گے۔" اتنا کہہ کر لڑکی کے باپ نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر تانبے کی ایک چھوٹی سی تختی نکالی اور وجے کے سامنے رکھ دی اور بولا۔ "یہ میری شناخت کا نشان ہے۔ شناختی کارڈ پڑھ لیجیے۔"

"کیسی شناخت؟" وجے نے اس طرح پوچھا جیسے اسے پڑھنے سے دلچسپی نہ ہو۔ اسے دیکھ کر لڑکی کا باپ اسے تھوڑی دیر تک تاکتا رہا پھر اس طرح زور لگا کر بولا جیسے گلے سے آواز ہی نہ نکل رہی ہو۔ "یہ ایک ریٹائرڈ اور آزاد فوجی کا شناختی کارڈ ہے۔ قوم کی آزادی کے لیے قربانیاں دینے والے ہزاروں وطن پرستوں کو ہماری سرکار نے یادگاری تحفہ پیش کیا ہے۔" بولتے بولتے اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ "اب تو آپ اس پر لکھا ہوا میرا نام پڑھیں گے نا؟" یہ کہہ کر اس نے تانبے کی تختی کو وجے کی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آنکھوں کے سامنے کر دیا اور وجے کو مجبوراً اس پر کھدے ہوئے لفظوں کو پڑھنا پڑا۔ اروند آزاد' وجے نے اس کا نام پڑھ لیا اور پیچھے ہٹ کر بولا۔ "تو تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں کچھ کہنا نہیں چاہتا آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔" کہہ کر اس نے میز کے نیچے سے اپنے دونوں پاؤں باہر نکال لیے اور پتلون کے پائنچوں کو گھٹنے سے اوپر تک اٹھانے کے بعد بولا۔ "اب ذرا یہ بھی دیکھئے۔"

اس کے دونوں گھٹنوں پر زخموں کے بڑے گہرے نشانات دیکھ کر وجے کی گردن سیدھی ہو گئی تو لڑکی کے باپ نے بڑی درد بھری آواز میں کہا۔ "برٹش سپاہیوں کی پروا کیے بغیر میں سینہ تان کر اپنے دیش کے جھنڈے کو اٹھائے کوچ کر رہا تھا تو اچانک ایک ساتھ دو گولیاں مجھ پر سامنے سے چلائی گئیں جو میرے دونوں گھٹنوں کو چور کرتی ہوئیں پار نکل گئیں---" وجے اس طرح ڈگمگا گیا جیسے کسی نے گولیوں سے اس کا سینہ بھی چھلنی کر دیا ہو۔ دیش کی آزادی کے لیے اپنی قربانی دینے والا یہ شخص آج اس حال کو پہنچا ہے کہ آج اسے اپنی بیٹی کا جسم بھی بیچنا پڑ رہا ہے؟

"بس تب سے اپاہج بن گیا ہوں۔" اس کی آواز میں درد کی ٹیسیں چھپی ہوئی تھیں۔ "شروع شروع میں تو لوگوں نے آزاد--- آزاد کے نعرے لگا کر میرے نام کا ڈنکا بجا دیا۔ مجھے پھولوں اور تاروں کے ہار پہنائے گئے پھر بعد میں بڑے عرصے کے بعد سرکار کی طرف سے مجھے یہ تانبے کی تختی عطا کی گئی اور مہینے میں ڈیڑھ سو روپے کی بھیک بھی باندھ دی گئی---" بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی اور تب وجے کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لیے بیٹی کا جسم بیچنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ہو گی؟

"وہ سولہ سال کی ہوئی تب تک تو میں نے جیسے تیسے گزارہ کر لیا۔" لڑکی کا باپ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "اس کی ماں تو اسے جنم دیتے ہی زندگی کے دکھوں سے آزاد ہو گئی تھی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد میری بیٹی نے ہی مجھ سے کہا کہ اب میں لڑکا بن کر آپ کی اپاہج زندگی کا بوجھ ہلکا کروں گی مگر نہ جانے میری کیا شامت آئی تھی کہ میں نے اسے اپنے دیش کی ایک لیڈر کے پاس بھیج دیا تو اس نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا اور کہا کہ جن لوگوں نے دیش کے لیے اتنی عظیم قربانیاں دی ہیں ان کے خاندان کے پیچھے کھڑے ہو کر اگر ہم ان کا سہارا نہیں بنیں گے تو ہماری یہ لیڈری کس کام کی؟ اس طرح اس درندے دیش نیتا نے ہمارا سہارا بننے کی بجائے میری سولہ سال کی بیٹی کو اپنی ترقی کا زینہ بنا لیا۔ مجھے تانبے کا یہ تراشا ہوا ٹکڑا دینے والے میرے ہی وطن کے نیتا ہیں میرے ہی دوست احباب ہیں اور انہی لوگوں نے میری بیٹی کے تانبے جیسے جسم کو کھرچ ڈالا ہے کسی نے بھی تو اس بے چاری کو نہیں چھوڑا ہے---" آخری تین لفظ بولتے وقت تو وہ بالکل ہی ٹوٹ گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر وجے کو لگا کہ یہ شخص ابھی سسک سسک کر رو پڑے گا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے وہسکی کی بوتل اٹھا لی اور گلاس بھر کر ہونٹوں سے لگا لیا پھر دو گھونٹ پی کر بولا۔ "پھر بھی میں آپ سے کہوں گا کہ آپ مجھ پر رحم مت کھائیے گا کیونکہ بیٹی کے باپ کی کمائی کھانے والا باپ رحم کا حق دار نہیں ہوتا۔"

وجے کے منہ سے ایک سرد سی آہ نکل گئی۔ آسمان کے اس ظلم پر اس کا دل رونے لگتا اور اس کا جی وہاں سے اٹھنے کو نہ چاہا اسے گم سم دیکھ کر لڑکی کے باپ نے اس سے پوچھا۔ "آپ ابھی تک یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ جائیے اوپر میری بیٹی آپ کی راہ دیکھ رہی ہو گی۔" یہ کہہ کر اس نے عاجزی بھرے لہجے میں آگے کہا۔ "پلیز اسے معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ آپ یہ سب جان چکے ہیں--- جائیے جلدی---"

وجے اپنے بوجھل دل کو دبائے اٹھ گیا اور اس طرح اروند آزاد کی طرف بڑھنے لگا جیسے وہ فیصلہ کر رہا ہو کہ اسے اوپر جانا چاہیے یا یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ اسی وقت اس کی سماعت سے اروند آزاد کی آواز ٹکرا گئی "آپ ایک اور کہانی بھی کیجئے گا جاتے جاتے آپ ہم دونوں باپ بیٹی کو گھر تک پہنچا جائیے گا۔" کہہ کر اس نے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر آگے کہا۔ "پہلے تو میں خود سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا تھا لیکن حالات اور اس شراب نے مجھے بالکل ہی اپاہج بنا دیا ہے سہارے کے بغیر تو اب ایک قدم بھی نہیں چل سکتا اور بے چاری شوبھا--- وہ اپنے کے بعد خود ہی لڑکھڑانے لگتی ہے وہ مجھے سہارا کیسے دے سکتی ہے؟"

شوبھا--- وجے کو لگا کہ شوبھا اور اس کے باپ کو ایسی جگہ چھوڑ کر بھاگ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جانے میں ہی اس کی بھلائی ہے--- لیکن نہیں--- دوسرے ہی پل اس نے اپنے ذہن سے اس خیال کو جھٹک دیا۔ بھلائی اس میں نہیں ہے وہ بڑبڑایا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا پھر وہ لنگڑاتی چال سے زینے چڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے لیے تو اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے اس کے دونوں گھٹنوں کو توڑ دیا ہو۔

○

"بزدل--- ڈرپوک--- ہٹو پیچھے مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔" شوبھا نے وجے کا ہاتھ جھٹک دیا اور اس کو ٹیکسی میں سے ہٹانے کی ناکام کوشش کی پھر اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اپنے باپ اروند آزاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "پتا جی آپ نے اس بزدل کے روپے کیوں رکھے ہیں؟ واپس کر دیں اسے یہ ڈرپوک مجھے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر آدھے گھنٹے تک بھاگا ہوا تھا۔ پھر واپس آنے کے بعد اپنی شرافت کا دعویٰ کرنے لگا اور کہنے لگا کہ ہم پھر ملیں گے اور اطمینان سے باتیں کریں گے۔" بولتے بولتے اس نے پھر چلتی ہوئی ٹیکسی میں سے وجے کو دھکیلنے کی کوشش کی اور بولی۔ "آج تک میں نے کسی مرد کو اس طرح نہیں چھوڑا ہے۔"

"بے بی۔" آگے بیٹھے ہوئے اروند آزاد نے چیخ مار کر کہا۔ "اب تم چپ رہو گی۔"

"انہیں میں نے ہی گھر تک چھوڑ دینے کے لیے کہا تھا ایک شریف اور اچھے آدمی کو---"

"اچھا آدمی---" شوبھا درمیان میں ہی بول پڑی پھر نشے میں ڈولتی ہوئی گردن اور ہاتھوں کو ہلاتی ہوئی وہ آگے بولی۔ "اس زمین پر تو اب کوئی آدمی ہی نہیں رہ گیا پھر اچھے آدمی اور برے آدمی کی پہچان کی بات ہی کیا؟" یہ کہہ کر اس نے اگلی سیٹ کے اوپری کنارے پر اپنا ماتھا ٹیک دیا اور تب وجے نے سکون کا سانس لیا اور سوچنے لگا کہ اب یہ لڑکی شوبھا نشے میں ڈوب کر سو جائے گی اور ان دونوں کو ان کے گھر پہنچ کر وہ اپنی جان چھڑا لے گا۔

رات کے بارہ بجے سردار جی کی ٹیکسی تیزی سے پرانی دہلی کو پیچھے چھوڑتی ہوئی نئی دہلی کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔ شراب کے کئی پیگ پی لینے کے باوجود شوبھا کے اباجی باپ اروند آزاد نے خود کو سنبھال رکھا تھا۔ اپنے چڑھتے ہوئے نشے کو اپنے قابو میں رکھ کر وہ چپ چاپ اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا جبکہ شوبھا نشے کی حالت میں کچھ نہ کچھ بڑبڑانے لگتی تھی۔ ایک دو بار تو اس کے منہ سے گالیاں بھی نکل گئی تھیں۔ رقم کے بدلے اپنا مطلب حاصل نہ کرنے پر وہ دل ہی دل میں وجے پر سخت ناراض تھی۔

اچانک اس پر شراب کا نشہ حاوی ہو گیا اور اس نے اچھل کر اپنے دونوں ہاتھ پیچھے سے بڑھا کر ٹیکسی ڈرائیور سردار جی کے گلے میں ڈال دیئے اور چیخ کر بولی۔ "روکو ٹیکسی روکو۔" اور پھر سردار جی کے گلے پر زور لگا کر پھر چیخی "میں کہتی ہوں ٹیکسی روکو۔" اس اچانک حملے سے بوکھلا کر سردار جی نے ذرا دیر کے لیے اسٹیرنگ پر سے قابو کھو دیا اور اس کے پاؤں کا دباؤ بریک پر پڑنے کے بجائے ایکسیلیٹر پر پڑ گیا۔ ٹیکسی کی رفتار اب بہت تیز ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی سردار جی کی گردن پر شوبھا کے ہاتھوں کی گرفت بھی مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ سردار جی نے بڑی مشکل سے خود کو اور اسٹیرنگ کو سنبھالا اور سڑک کے بیچوں بیچ دوڑتی ہوئی تیز رفتار ٹیکسی کے بریک پر اپنا پاؤں پوری طاقت سے دبا دیا۔

بریک لگتے ہی تیزی سے دوڑتی ہوئی ٹیکسی سڑک پر ایک دو چکر کھا کر چنگھاڑتی ہوئی الیکٹرک کے کھمبے سے ٹکراتے ٹکراتے بچ گئی۔ رات کافی گزر چکی تھی اس لیے سڑک پر ٹریفک نہیں تھا نہیں تو ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہو جاتا۔ ایک یقینی حادثے سے بچ کر ابھی سردار جی نے اطمینان کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ یکایک ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول کر شوبھا چیختی ہوئی باہر نکلی اور بیچ سڑک پر بھاگنے لگی۔ سردار جی ابھی تک اپنی گردن کو سہلا رہا تھا اور شوبھا کا اباجی باپ اروند آزاد باوجود کوشش کے ٹیکسی سے اتر نہیں پا رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے لیے تو وجے بھی اس بدلے ہوئے حالات کا اندازہ نہیں لگا سکا مگر پھر یکایک ہی وہ شوبھا کے پیچھے دوڑ پڑا۔ شوبھا چیختی چلاتی ہوئی سنسان سڑک پر آگے دوڑتی جا رہی تھی اور وہ اس کو پکڑنے کی کوشش میں اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شوبھا سے چند قدم پیچھے پہنچ کر اس نے ایک چھلانگ لگائی اور شوبھا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اگر اس نے چھلانگ لگا کر بروقت شوبھا کو نہ گھسیٹ لیا ہوتا تو سامنے سے آتی ہوئی تیز رفتار کار اسے کچلتی ہوئی نکل جاتی۔

بریک کی ایک زبردست چیخ بلند ہوئی اور وہ سفید ٹویوٹا کار ان دونوں سے کچھ آگے نکل کر رک گئی اور تب وجے نے ہانپتے کانپتے اطمینان کا سانس لیا اور پھر نہ جانے اس پر کیا جنون سوار ہوا کہ اس نے غصے میں آکر ایک زور دار طمانچہ شوبھا کے گال پر جڑ دیا اور چیخ کر بولا۔ "ابھی مرجاتیں کچل کر۔"

"میں مرجاتی--- تو تمہارے باپ کا کیا جاتا؟" شوبھا اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کسمسانے لگی اور پھر پورا زور لگا کر چلائی۔ "چھوڑو میرا ہاتھ--- جانے دو مجھے--- تم نے--- تم نے میری رات خراب کردی ہے چھوڑو مجھے---"

اتنی دیر میں وہ سفید ٹویوٹا کار پیچھے کی جانب رینگتی ہوئی ان کے قریب آکر رک گئی اور اس میں سے ایک گوری چٹی لڑکی اپنے سر پر باندھا ہوا اسکارف ٹھیک کرتی ہوئی باہر نکلی اور اونچی آواز میں بولی۔ "کیوں اس لڑکی کو تنگ کر رہے ہو؟" یہ کہہ کر وہ نزدیک پہنچی اور وجے کے ہاتھ سے شوبھا کا ہاتھ چھڑانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی اور ہاتھ بڑھے کا بڑھا ہی رہ گیا۔ "کون؟ وجے" اس نے اس طرح پوچھا جیسے اسے بہت صدمہ پہنچا ہو۔

اپنا نام سن کر وجے نے ایک جھٹکے سے اس کی طرف دیکھا اسے لگا جیسے ابھی وہ چکرا کر سڑک پر ڈھیر ہو جائے گا۔ اس کے ہونٹ کپکپائے--- کون؟ جولی---؟"

ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں ملیں پھر اس سے پہلے کہ دونوں میں سے کوئی کچھ کہتا یکایک ہی شوبھا نے اپنا سر وجے کے کندھے سے ٹکا دیا اور نشیلی آنکھوں سے جولی کی طرف دیکھ کر لڑکھڑاتی آواز میں بولی۔ "ارے--- جولی کو مارو گولی---"

یہ سنتے ہی جولی کا نچلا ہونٹ آپ ہی آپ اس کے دانتوں تلے دب گیا۔ نشے میں دھت ایک بازاری نظر آنے والی عورت کے ساتھ اتنی رات گئے سنسان سڑک پر وجے کو دیکھ کر اس کا دل پھٹ گیا۔ اس نے ایک لمبی سرد آہ بھری اور پھر وجے کی جانب دیکھ کر انتہائی گھمبیر لہجے میں بولی۔ "میں نے تو کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ پاپ

کی دولت تمہیں اتنی جلدی اس راہ پر ڈال کر پاپی بنا دے گی---"

جولی کی نظروں سے گرا ہوا وجے اندر ہی اندر کانپ رہا تھا۔ اس کا رواں رواں تھرتھرا رہا تھا اور وہ بے حس و حرکت خاموش کھڑا تھا۔ جولی اسے گھورتی ہوئی اپنی کار کی جانب بڑھی اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان کے پہلو میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔

○

کوئی گناہ نہ کرنے والے کو اگر گناہ گار ٹھہرایا جائے تو یہ صدمہ اس آدمی کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے حالانکہ وجے کو اب جولی سے آئندہ کبھی ملنے کی امید نہیں تھی لیکن ایک اچانک ملاقات کے بعد وہ جولی کی نگاہوں سے جس طرح گرا تھا اس کا اسے سخت صدمہ تھا۔ ایک اپاہج باپ اور اس کی نشے میں چور لڑکی کو آدھی رات کے وقت ٹیکسی میں ان کے گھر چھوڑنے کے لیے جانے میں اس نے کوئی گناہ تو نہیں کیا تھا اور نشے سے بے قابو ہو کر ٹیکسی کا دروازہ کھول کو شوبھا جب سڑک پر دوڑنے لگی تھی تو اسے روکنے کی کوشش کر کے اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا--- پھر بھی ان عجیب و غریب حالات میں جولی اچانک ہی سامنے آگئی۔ یہ وہی جولی تھی جو صرف اٹھارہ روز قبل اس پر اتنا تن من اور دھن نچھاور کرنے کے لیے تیار ہو چکی تھی لیکن پھر اٹھارہ ہی سیکنڈ میں اسی جولی نے اسے ایک آوارہ' بدمعاش اور پاپی سمجھ کر دھتکار دیا تھا۔

"تم نے شوبھا کو ایک تھپڑ مار کر اچھا ہی کیا۔" ٹیکسی کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شوبھا کے اپاہج باپ نے وجے سے کہا تھا۔ "پینے کے بعد وہ زیادہ تر بالکل خاموش ہو جاتی ہے لیکن آج نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے؟"

لیکن وجے تو اس کی وجہ جانتا تھا کیونکہ رقم ادا کرنے کے بعد بھی اس نے اس کے جسم کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور یہی وہ بات تھی جو شوبھا برداشت نہیں کر سکی تھی۔ اس کو اس میں اپنی تذلیل محسوس ہوئی تھی--- پھر باقی کے سفر میں وہ ٹیکسی کی سیٹ پر خاموشی سے پڑی ہوئی تھی مگر اپنے گھر کے سامنے ٹیکسی سے اتر کر جب اس نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اپنے باپ کو اپنے کندھے کا سہارا دیا تو وجے کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا "شاید میں نے تمہیں بزدل ہونے کا طعنہ دیا تھا اور اسی لیے تم نے تھپڑ مار کر خود کو مرد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہے نا؟"

لیکن وجے نے اس کی بات سن کر بھی ان سنی کر دی تھی کیونکہ وہ تو اس وقت جولی کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ ابھی آسٹریلیا نہیں گئی ہے--- مگر اس کے برابر میں بیٹھا ہوا شخص کون تھا؟ اس کے ممی ڈیڈی اور انکل آنٹی کیوں اس کے ساتھ نہیں تھے؟ جولی آدھی رات کے وقت ایک نوجوان کے ساتھ کہاں جا رہی تھی؟ اس پر جولی کو اب اتنا بھی بھروسا نہیں تھا کہ اس نے اس کے بارے میں جو چاہا سوچ لیا؟ کون وجے؟" جیسے الفاظ استعمال کر کے اس نے تو یہی ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اسے جانتی ہی نہیں ہے اور اس کی خیر خیریت پوچھے بغیر وہ وہاں سے چلی گئی تھی کیوں؟

جن حالات میں گھر کر اس نے جولی کو اپنا جیون ساتھی بنانے سے انکار کر دیا تھا ان حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی آج بھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ جولی کو اپنا سکتا پھر بھی جولی نے جس طرح اس کی تذلیل کی تھی وہ اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی اسی لیے وہ چاہتا تھا کہ صرف ایک بار جولی سے مل لے اور گزشتہ رات کی ساری بات اسے بتا دے اور اس کے دل سے سارے شک نکال دے پھر چاہے جولی کبھی اس سے ملے یا نہ ملے۔ وہ اپنے دل کے سکون کے لیے یہ چاہ رہا تھا کہ کسی طرح وہ جولی کی غلط فہمی کو دور کر دے وہ جولی جو اسے اپنے من مندر کا دیوتا بنانا چاہتی تھی اس کی نظروں میں وہ گناہ کا مجسمہ بننے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں تھا لیکن جولی کو وہ کہاں تلاش کرے؟ اتنا بڑا دہلی شہر اور وہ بالکل اجنبی اور تنہا--- شوبھا اور اس کے اپاہج باپ کو ان کے گھر تک چھوڑنے کے بعد وہ واپس آ گیا تھا لیکن کافی دیر تک وہ سو نہیں سکا تھا اور پھر صبح ہوتے ہی اس نے اپنے دماغ پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جولی اپنے والدین کے ساتھ دہلی کے کسی بڑے ہوٹل میں ٹھہری ہو گی اور اسی لیے اس نے اشوکا' اکبر' جین پتھ' انٹر کانٹی نینٹل اور دیگر پانچ سات ہوٹلوں میں فون کر کے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ہر جگہ سے اسے یہی

جواب ملا کہ یہاں کوئی اینڈرسن فیملی نہیں آئی ہے۔

ٹیلیفون کا ڈائل گھماتے گھماتے اس کی انگلیاں تھک گئی تھیں اس کی آنکھوں کے سامنے آدھی رات کو دیکھی ہوئی وہ سفید ٹویوٹا کار بار بار گھومے لگتی تھی۔ جولی کار کی اگلی سیٹ پر جس اجنبی نوجوان کے ساتھ بیٹھی تھی وہ بھی کوئی غیر ملکی ہی لگتا تھا تو کیا جولی اور اس کے خاندان والے کسی غیر ملکی کے گھر میں ٹھہرے ہوں گے؟ اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر رات کے وقت اس کار میں جولی اس آدمی کے ساتھ اکیلی کیوں تھی؟ سوچتے سوچتے وہ یکایک چونک پڑا اسے خیال آ گیا کہ وہ سفید کار کسی سفارت خانے کی کار نظر آتی تھی وہ اس وقت کار کی نمبر پلیٹ پڑھنے کی پوزیشن میں تو نہیں تھا لیکن جب اس کی نظر یونہی اس کار کی نمبر پلیٹ پر پڑی تھی تو وہ دوسری کاروں کی نمبر پلیٹوں سے کچھ مختلف نظر آئی تھی۔

پھر ٹیلیفون ڈائریکٹری سے اسے آسٹریلیا کے سفارت خانے کا نمبر تو مل گیا لیکن ڈائل گھماتے ہی اسے لگا کہ اس طرح تو جولی کا پتا نہیں چل سکتا۔ فون پر وہ کسی سے کیا یہی پوچھے گا کہ آپ مس جولی اینڈرسن کو جانتے ہیں؟ اس سوال کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ کار چلانے والے نوجوان کو وہ دوبارہ دیکھنے کے بعد شاید پہچان سکتا تھا لیکن اس کا نام وغیرہ اسے کہاں معلوم تھا؟

اسی طرح بیٹھے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے یہ سوچ کر تھوڑی دیر بعد وہ باہر جانے کے لیے اپنے کمرے سے نکلا لیکن جب وہ مینیجر کے قریب سے گزرنے لگا تو نیپال بھون کے مینیجر نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا تھا کل آپ کو بھون کا کمرا خالی کرنا ہے یہ بات تو آپ کو یاد ہی ہو گی؟"

"ہاں" اس نے گردن ہلا کر یہ بھی کہنا چاہا تھا کہ دوسری جگہ کا انتظام ہو گیا ہے لیکن تب ہی اس کے دماغ میں یہ گھنٹی سی بج اٹھی کہ اسے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اسے نئی جگہ کا پتا کسی کو بھی دینا نہیں چاہیے کیونکہ اس فائل کی وجہ سے کچھ لوگ اب بھی یقیناً اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہوں گے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے جواب بدل کر خود ہی مینیجر سے پوچھ لیا۔ "آپ کی نظر میں کوئی اچھا ہوٹل ہو تو کل مجھے بتا دیجئے گا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ارے مسٹر وجے بھلا دہلی میں ہوٹلوں کی کہاں کمی ہے؟" کہہ کر نیپال بھون کے مینجر نے طنزیہ لہجے میں مسکرا کر آگے کہا تھا۔ "آپ تو بڑے سے بڑے ہوٹل میں رہ سکتے ہیں۔" وجے نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور چپ چاپ باہر نکل آیا تھا۔

نیپالی سفارت خانے کے نزدیک ہی آسٹریلیا کا سفارت خانہ تھا اور وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس میں داخل بھی ہو گیا تھا مگر معلومات کی میز پر ایک پنجابی عورت کو بیٹھا دیکھ کر یہ سوچنے لگا کہ وہ اس سے کیا پوچھے؟ جب کوئی سوال اس کے ذہن میں نہیں آیا تو واپس جانے کے لیے مڑ گیا مگر ٹھیک اسی وقت انکوائری کی میز پر بیٹھی ہوئی عورت نے اس سے پوچھ لیا۔ "میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" اور تب اسے بات بناتے ہوئے کہنا پڑا۔ "دراصل کل رات میں ٹیکسی پر رفیع محمد روڈ سے گزر رہا تھا کہ آپ کے سفارت خانے کی ایک کار ٹیکسی سے ٹکراتے ٹکراتے رہ گئی تھی اس وقت غصے میں میرے منہ سے دو چار الٹی سیدھی باتیں نکل گئیں تھیں لیکن بعد میں مجھے خیال آیا کہ بھول میرے ٹیکسی ڈرائیور کی ہی تھی۔" اتنا کہنے کے بعد اسے خیال آیا کہ وہ صحیح طور پر وضاحت نہیں کر پا رہا ہے اس لیے جلدی سے آگے بول گیا۔ "آپ کے سفارت خانے کی کار میں کون بیٹھا تھا یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن میں ان سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔" تھوڑی دیر تک تو وہ عورت اسے عجیب سی نظروں سے گھورتی رہی۔ شاید وجے اس کو کوئی احمق آدمی نظر آ رہا تھا کیونکہ ایسی باتوں میں کوئی دوسرے روز کس سے معافی مانگنے آتا ہے۔

"سسٹر کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ کل رات تقریباً پونے بارہ بجے اس راستے پر سے سفارت خانے کی کار میں کون گزرا تھا؟" وجے کی یہ بات سن کر اس عورت نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر بولی۔ "کل رات ایک پارٹی میں ایمبسی کا اسٹاف اشوکا ہوٹل گیا تھا جیسا کہ آپ بتا رہے ہیں اس وقت تو اس سڑک پر سے ہماری بہت سی کاریں گزری ہوں گی۔"

"لیکن اس سفید کار میں ایک جوان لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس سے میری منہ ماری ہو گئی تھی۔"

"اچھا؟" وہ عورت اس کی بات سن کر ہنس پڑی۔ "ہماری ایمبسی میں لڑکیاں بھی کام کرتی ہیں اور ہر کار میں کوئی نہ کوئی لڑکی ضرور بیٹھی تھی۔ اب یہ کیسے کہا جائے کہ آپ کی کس سے منہ ماری ہوئی تھی؟"

اس جواب سے وجے کو لگا کہ وہ اس عورت کی نظروں میں احمق ثابت ہوتا جا رہا ہے اس لیے اس نے یہ کوشش ترک کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے میرا ضمیر ملامت کر رہا تھا اس لیے میں آ گیا۔ اب اتنی تو تسلی ہو گئی کہ میں نے کوشش کی تھی۔"

ضمیر کی ملامت والی بات سن کر شاید وہ عورت پھر ہنس پڑتی لیکن ٹھیک اسی وقت میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ عورت نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا تو وہ موقعے کو غنیمت جان کر وہاں سے چلا آیا۔

پھر ساری دوپہر وہ اپنے کو مناتا رہا کہ جولی کو تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اگر اس سے ملاقات ہو بھی گئی تو وہ اس کی بات کا یقین کرے گی یا نہیں؟ یہ کس کو معلوم ہے؟ لیکن جب وہ نیپال کے سفارت خانے میں کیشیر ہری پرشاد سے ملنے گیا تو ایک بار پھر جولی کی یاد نے اس کے دل پر اپنا قبضہ جما رکھا تھا۔۔۔

"ارے صاحب آپ دو روز تک کہاں غائب ہو گئے تھے؟" کیبن میں داخل ہوتے ہی پرشاد نے اس سے پوچھا۔ "نہ تو آپ ملنے ہی آئے اور نہ فون کیا۔ ایسا بھی کہیں ہوتا ہے؟ مجھے کافی فکر مند کر دیا تھا آپ نے۔"

ہری پرشاد کی اس بات سے وجے کو بڑا سہارا ملا کہ ان حالات میں بھی اس کے لیے کوئی فکرمند ہونے والا موجود ہے۔ "دو روز تک ذرا دہلی شہر کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔" اتنا کہنے کے بعد وجے کو لگا کہ اسے بلاضرورت ہی جھوٹ بولنے کی عادت پڑتی جا رہی ہے۔ "کل آپ کا پڑوسی بن جاؤں گا اور پھر روز ہی ملاقات ہوا کرے گی۔"

"آپ ملاقات کی بات کر رہے ہیں؟" ہری پرشاد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ارے صاحب آپ کی بھابی نے تو کہہ دیا ہے کہ صبح اور رات کے وقت تو آپ کو ہمارے یہاں ہی کھانا پڑے گا سوائے۔۔۔" ہری پرشاد بولتے بولتے اچانک رک گیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سوائے کیا پرشاد جی؟"

"آپ کو اگر آشا کے ہاتھ کا کھانا پسند نہ آئے تو باہر کھانا کھانے کی اجازت دیئے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔" کہہ کر پرشاد اس طرح ہنسنے لگا جیسے اس نے کوئی لطیفہ سنا دیا ہو۔ وجے نے جیب سے چیک بک نکال کر مکان مالک کے لیے ایک چیک لکھا اور پھر اچانک ہی ہری پرشاد سے پوچھ بیٹھا۔ "پرشاد جی یہاں قریب میں ہی آسٹریلیا کا سفارت خانہ بھی ہے کیا وہاں آپ کی کسی سے واقفیت ہے؟"

"کیوں؟ کیوں؟" ہری پرشاد نے پرجوش لہجے میں پوچھا۔ "وہاں بھلا آپ کو کس سے کام پڑ گیا ہے؟"

"کام تو کسی سے نہیں ہے۔" وجے پھر الجھ گیا۔ "آپ تو جانتے ہیں کہ کھٹمنڈو میں میں گائیڈ کا کام کرتا تھا۔ اور آسٹریلیا کے ایک سفارت کار کھٹمنڈو آئے تو انہوں نے مجھے ہی اپنا گائیڈ رکھا تھا۔ اس لیے سوچا کہ ان سے مل لوں مگر صاحب کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔

"ارے تو اس میں کیا ایسی بڑی بات ہے۔" ہری پرشاد اس طرح بولا جیسے دنیا کا کوئی کام اس کے لیے مشکل ہی نہ ہو۔ "ہمارے پاس تمام ملکوں کے سفارت خانوں میں کام کرنے والے اسٹاف کے نام اور پتے وغیرہ ہوتے ہیں۔ میں ابھی آسٹریلیا کی فائل منگوا کر آپ کو اسٹاف کے نام پڑھ کر سناتا ہوں۔ آپ کو ان صاحب کا نام یاد آ جائے گا۔" اتنا کہہ کر اس نے چپڑاسی کو بلانے کے لیے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وجے نے اسے روک دیا اور بولا۔ "پرشاد جی اس قدر جلدی کی ضرورت نہیں۔ میں خود ایمبسی جا کر ان صاحب کا چہرہ دیکھ کر انہیں پہچان لوں گا۔"

"تو پھر جلدی کیجئے۔" ہری پرشاد اپنی گھڑی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "چار بجنے والے ہیں اور ساڑھے چار بجے تک ایمبسی بند ہو جائے گی۔"

یہ سن کر وجے نے اطمینان کا سانس لیا اور جلدی جلدی ہری پرشاد سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا۔ آسٹریلیا کے سفارت خانے کے مین گیٹ پر کچھ فاصلے پر وہ ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے دل ہی دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ یہ اس کی آخری کوشش ہے۔ اگر اندر سے رات والا نوجوان باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا تو اس سے پوچھ

لے گا کہ کل رات جو لڑکی جولی آپ کے ساتھ تھی وہ کہاں مل سکے گی؟"

تین کاریں اندر سے نکل کر اس کے سامنے سے گزر گئیں لیکن ان میں اسے رات والا چہرہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ ایمبسی کے اسٹاف کے مقامی لوگ بھی نکل نکل کر ادھر ادھر جاتے دکھائی دیئے پھر جب اسے انکوائری والی وہ پنجابی عورت باہر آتی دکھائی دی تو وہ جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس عورت کو اس پر کسی قسم کا شک ہو جائے۔ وہ دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا کہ آخر اسے یہ آنکھ مچولی کا کھیل کھیلنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

اور تب ہی اس کی نظر ایمبسی کے دروازے پر جم کر رہ گئی۔ جولی--- اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ میں پرس جھلاتی ہوئی وہ اکیلی ہی اس کی جانب بڑھی آ رہی تھی۔ وجے سوچ رہا تھا کہ جیسے ہی جولی قریب آئے گی وہ درخت کے پیچھے سے نکل آئے گا مگر اسی وقت جولی دوسری طرف مڑ گئی۔ یہ دیکھ کر وجے کو ایک زبردست جھٹکا لگا کہ کہیں جولی نے اسے دیکھ تو نہیں لیا؟ کہیں اسے دیکھ کر اس نے نفرت سے منہ تو نہیں پھیر لیا؟ مگر پھر فوراً ہی بات اس کی سمجھ میں آ گئی دراصل دور سے آنے والی ٹیکسی کو روکنے کے لیے جولی نے اپنا رخ تبدیل کیا تھا۔ یہ دیکھ کر وجے ایک پل کے لیے گھبرا گیا کہ اگر وہ اسی طرح سوچتا رہے گا تو جولی ٹیکسی میں بیٹھ کر غائب ہو جائے گی۔ اس لیے خود بھی ٹیکسی کو روکنے کی کوشش میں ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف دوڑ پڑا اور جولی کے بالکل نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت خالی ٹیکسی بھی ان دونوں کے سامنے آ کر رک گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ جولی آگے بڑھتی پیچھے سے نکل کر وجے نے ٹیکسی کا دروازہ کھول دیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی جولی ایک جھٹکے کے ساتھ دو قدم پیچھے ہٹ گئی--- "آپ؟"

"جی ہاں میں---" وجے نے مسکراتے ہوئے مستحکم لہجے میں۔ "آج کل پٹرول کی قیمت بڑھتی جا رہی ہے اس لیے بہتر ہے الگ الگ سفر کرنے سے ایک ہی ٹیکسی---"

"لیکن میری اور آپ کی منزل جدا جدا ہے۔" جولی نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے مس جولی۔" وجے نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ "باقی باتیں ہم

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

راستے میں ہی کر لیں گے۔"

"اوکے" جولی دونوں کندھوں کو اچکا کر ٹیکسی میں بیٹھ گئی تو وجے کو لگا جیسے اس نے آدھی بازی جیت لی ہے اور بقیہ آدھی بازی بھی وہ جیت جائے گا۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی تو دونوں ترچھی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ جولی کے چہرے سے تازہ خوشبو پھوٹ رہی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں گزشتہ رات کا باسی شک اب بھی جھانک رہا تھا۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں نے یہاں سروس جوائن کر لی ہے؟" جولی نے پوچھا تو وجے اچھنبے میں پڑ گیا۔ جولی نے ایمبسی میں نوکری کر لی ہے؟ لیکن اس نے اپنی حیرت کا اظہار نہیں کیا اور بولا۔ "آپ نے ہی تو یہ بات بتائی تھی۔"

"میں نے؟" جولی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر فوراً ہی نظریں ہٹا کر بولی۔ "اتنے زیادہ بدل گئے؟ جھوٹ بولنا بھی سیکھ لیا؟"

"تمہاری نظریں بدل گئی ہیں۔" وجے جذباتی ہو کر آپ سے تم پر آ گیا۔ "مجھے معلوم ہی نہ تھا تم یہاں دہلی میں ہو۔ کل رات اچانک ملاقات ہو گئی اس لیے صبح ہی میں تمہاری تلاش میں نکل پڑا۔" اتنا کہنے کے بعد اس نے مختصراً اپنی کہانی اسے سنا دی اور آخر میں بولا۔ "اب آخری چانس لینے کے لیے یہاں کھڑا تھا میں کل رات تمہاری کار چلانے والے کو ڈھونڈ رہا تھا تاکہ اس سے تمہارا پتا معلوم کر سکوں مگر اس کی بجائے تم۔۔۔"

"میں ہی ٹکرا گئی۔" جولی نے اس کی بات مکمل کر دی۔

"ٹکرا تم کل رات ہی گئی تھیں۔۔۔ مگر۔۔۔" وجے آگے کہتے کہتے رک گیا اور جولی بھی چپ چاپ بیٹھی رہ گئی پھر اچانک بولی۔ "ہم نے ابھی تک ڈرائیور کو یہ نہیں بتایا کہ ہمیں جانا کہاں ہے؟"

"جہاں تم لے جاؤ۔" وجے محبت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میرا تو یہاں کوئی گھر بار نہیں ہے۔"

"میرا بھی نہیں ہے۔" کہہ کر جولی سوچنے لگی پھر ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت دیتے ہوئے بولی۔ "نیشنل لائبریری کی طرف موڑ لو۔" اتنا کہہ کر اس نے وجے سے کہا۔

"میں نے یہاں یہ ایک جگہ ہی دیکھی ہے۔"

پھر نیشنل لائبریری پہنچنے تک وجے نے جولی سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس کے والدین انکل اور آنٹی کے ساتھ واپس آسٹریلیا جا چکے ہیں اور وہ خود نیا ویزا نکلوا کر چھ مہینے کے لیے ایمبسی میں عارضی ملازمت کرنے لگی ہے۔ وہ چھ ماہ کے لیے بھارت میں کیوں ٹھہر گئی اس کے متعلق جولی نے کچھ نہیں بتایا تھا اور وہ اس سے اس کی وجہ پوچھ نہیں سکا تھا۔

چاروں طرف خوبصورت باغات سے گھری ہوئی نیشنل لائبریری کی چھوٹی مگر خوبصورت عمارت کے شیشے والے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی وجے بول اٹھا۔ "جولی تمہاری پسند تو بہت خوب ہے۔"

یہ سنتے ہی جولی کے آگے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور اس نے پلٹ کر بڑی درد بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نیپال میں میرے ڈیڈی نے بھی میری ایک پسند کے بارے میں پہلے ایسی ہی رائے کا اظہار کیا تھا۔"

لفظ "پہلے" پر چونکہ جولی نے ضرورت سے زیادہ زور دیا تھا اس لیے وجے نے اسے اپنے اوپر لے لیا اور کہا۔ "اور بعد میں تمہارے ڈیڈی نے اس پسند کے بارے میں رائے بدل دی یہی نا؟"

مگر جولی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور آگے بڑھ کر ایک بنچ کی جانب اشارہ کر کے بولی۔ "وجے لوگ یہاں پڑھنے اور غور و فکر کرنے آتے ہیں ایک دوسرے سے لڑنے نہیں آتے۔"

"میں بھی تمہیں اپنا دل پڑھوانے یہاں آیا ہوں۔" کہہ کر وجے نے آگے کہا۔ "جھگڑنا تو تمہیں ہے مجھے نہیں۔"

جولی نے ایک بار پھر درد بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وجے کی قربت سے اس کا انگ انگ بھیگ رہا تھا لیکن پھر بھی دل کے جذبات نے اس کی آنکھوں کو بھیگنے نہیں دیا تھا۔

"کوٹا کھانا کے دن صبح کے وقت تم مجھ سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر بہت کم بول کر چلی گئی تھیں۔" وجے نے کہنا شروع کیا۔ "لیکن تمہارے ڈیڈی نے اپنے خط

میں تھوڑا لکھ کر بہت کچھ کہہ دیا تھا۔" اتنا کہنے کے بعد وجے نے دھیرے دھیرے سے اپنے دل کا سارا بوجھ ہلکا کر دیا۔ کوٹا کھانا کی جو رسم جولی نہ دیکھ سکی تھی اس کی پوری تفصیل بھی اس نے کہہ سنائی پھر اس نے اسے یہ بھی بتایا کہ کس طرح ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھا کر اسے ملک کی سرحد تک جانا پڑا اور لوگ کس طرح "پاپی--- پاپی" کہہ کر اسے رخصت کر رہے تھے۔ جنگل کی رات اور مندر میں گم ہو کر واپس آ جانے والے دونوں بکس کی بات بھی اس نے جولی کو بتائی اور الہ آباد کے پولیس حوالات میں بانکے میاں سے ہونے والی ملاقات کی کہانی بھی سنا دی اور آخر میں ٹرین میں پرشورام کی فائل کی داستان سنانے کے بعد وہ سانس لینے کے لیے رکا لیکن تب جولی نے نہ تو ہوں--- ہاں' ہی کیا اور نہ ہی اس سے کوئی سوال پوچھا تھا۔ اس کی یہ خاموشی دیکھ کر وجے کو لگا شاید ابھی تک جولی کے دل و دماغ سے رات والی بات کا اثر زائل نہیں ہوا ہے۔ اس خیال کے ذہن میں آتے ہی اس نے آگے کہا۔ "اب رہ گئی کل رات کی بات" ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ جولی نے جھٹکے سے گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا لیکن وجے پوری سچائی سے کہتا رہا اس نے شوبھا کا نقلی گاہک بننے کی بات' سگی بیٹی سے دھندہ کرانے والے اپاہج باپ کی اصلیت' شوبھا کے طعنے اور پھر اسے گھر تک پہنچانے کے لیے جاتے وقت ٹیکسی پر سے شوبھا کا نکل کر بھاگنا اور اس کا اسے روکنا اور پھر غصے میں تھپڑ مار دینا۔ یہ سب کچھ اس نے جولی کو بتا دیا۔

"وجے---" اچانک جولی نے اس کو درمیان میں روک دیا۔ "یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟ میری نظروں میں اپنی شرافت کا بھرم قائم رکھنے کے لیے؟"

"نہیں جولی۔ تمہاری نظروں میں گناہ گار نہ ٹھہروں اس لیے۔" وجے نے بڑے ہی پرسکون لہجے میں کہا۔ "آدمی خود گناہ گار نہ ہو اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ دیکھنے والوں کی نظروں میں بھی اسے گناہ گار نہیں ہونا چاہیے۔"

"لیکن میرے علاوہ بھی تو یہ منظر بہت سے لوگوں نے دیکھا تھا۔" جولی نے کہا۔

"کیا تم نے ان سب کو بھی---"

"نہیں ان میں سے کسی نے بھی تمہاری طرح اپنی زندگی میرے بھروسے پر گزارنے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔" بولتے بولتے وجے کی آواز بھاری ہو گئی اور آنکھوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نمی سی چمکنے لگی۔ جولی بھی اس طرح اندر اندر تڑپنے لگی جیسے کسی نے اس کا دل دبوچ لیا ہو۔ خاموش رہ کر دونوں بڑی دیر تک اپنے آپ سے باتیں کرتے رہے۔ آخر وجے کو ہی خاموشی توڑنی پڑی۔ "میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا جولی کہ میں نے اچھا کیا یا برا کیا؟"

یہ سن کر خاموش بیٹھی ہوئی جولی کسی ہچکچاہٹ کے بغیر بولی۔ "برا--- شروع سے لے کر آخر تک تم نے برا ہی کیا ہے وجے---"

وجے کو ایک شدید جھٹکا لگا۔

○

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جولی کی یہ صاف بات اسے اچھی لگی تھی۔ اس لیے کچھ پوچھنے کی بجائے اس نے جولی کو ہی بولنے دیا--- "میں نے جس وقت جیون ساتھی بننے کی پیش کش کی تھی تو ٹھیک اسی وقت تمہارے مہاراجا کی موت کی خبر تمہیں ملی تھی۔ ڈیڈی کے سامنے تم نے "کوٹا کھانا" کی رسم کی بات بتائی تھی لیکن پھر اچانک تم بات ادھوری چھوڑ کر اس طرح چلے گئے تھے جیسے تمہیں کوئی بات یاد آ گئی ہو۔ میرے خیال میں اسی وقت تمہارے ذہن میں مہاراجا کے پاپ کو اپنے سر لینے کا خیال آ گیا تھا لیکن اگر تم چاہتے تو دوسرے روز مجھے اپنے دل کی بات بتا کر اپنے اعتماد میں لے سکتے تھے مگر فرض کر لو کہ اس وقت تم خود اپنے آپ کو تیار کرنے اور اپنے ضمیر سے لڑنے میں مصروف تھے اس لیے مجھے نہیں بتا سکے اور پھر جب میں بارہ روز کے بعد بھارت کی سیر کر کے واپس نیپال پہنچی تو سارا کھیل ختم ہو چکا تھا۔"

"فرض کرو کہ میں نے عہد کر لینے سے قبل تم سے مشورہ کیا ہوتا تو تم کیا کرتیں؟"

"تو میں تم سے یہ کہتی وجے کہ بہن کی تلاش کرنے کے لیے مہاراجا کے گناہوں کی دولت ضروری نہیں ہے۔ انسان اپنی طاقت سے بھی یہ کام کر سکتا ہے۔"

"تم میرا ساتھ دو گی؟"

"تم نے ساتھ مانگا ہے تو لو دیا۔" جولی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دور رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہاتھ نہیں دوں گی۔"

تب وجے کا پھیلا ہوا ہاتھ پھیلا ہی رہ گیا اور وہ کافی دیر تک گھبرایا ہوا سا اسے

دیکھتا رہا۔ شاید وہ دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ جولی نے اپنا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں تو نہیں دے دیا ہے؟"

○

"بہت دنوں بعد آج کا کھانا اچھا لگا ہے۔" سردار جی کے ہوٹل سے باہر نکل کر وجے نے جولی سے پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے جولی۔ کھانا اچھا تھا نا؟"

"ہاں--- کھانا واقعی اچھا تھا۔" جولی نے جواب دیا۔

"میرے ساتھ چونکہ کمپنی اچھی تھی اس لیے مجھے کھانا اچھا لگا۔" وجے نے ہنس کر کہا تب تو اس وقت ہم جہاں جا رہے ہیں اس کی کمپنی میں تو تمہاری بھوک اور زیادہ کھل اٹھے گی۔" جولی نے مسکراتی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا کہا؟" بناوٹی غصے سے وجے نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا اور آگے بولا۔ "تم کہتی ہو کہ میری بھوک کھل اٹھے گی لیکن تم اطمینان رکھو کہ کل رات کی طرح میں آج بھی بھوکا ہی واپس آؤں گا۔"

"کیا مطلب؟" اس کے ساتھ چلتی ہوئی جولی نے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا۔ "تو کیا تم مجھے وہاں یہ اطمینان کرانے کے لیے لے جا رہے ہو؟"

لیکن جواب دینے سے پہلے ہی وجے نے سامنے کھڑی ہوئی ٹیکسی کا دروازہ کھول دیا اور پھر بولا۔ "تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کی وجہ تو نہیں جانتا مگر نتیجہ ضرور جانتا ہوں۔"

"کیسا نتیجہ؟" کندھے پر سے بار بار سرکتے ہوئے ریشمی ساڑھی کے آنچل کو جولی نے درست کیا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کیا نتیجہ جانتے ہو تم؟" جولی نے گھمبیر لہجے میں کہا تو وجے کو اس کے لہجے سے محبت' خلوص اور ہمدردی کی جھلک محسوس ہوئی اور اسے جولی کی بات سچ محسوس ہونے لگی لیکن اس کے باوجود اس کے ضمیر نے اسے جو راہ دکھائی تھی وہ غلط نظر نہیں آتی تھی اس لیے اس نے جولی کی بات سننے کے بعد کہا۔ "اور میں نے کیا غلط کیا جولی؟"

"یہ بھی ایک غلط کام ہے وجے کہ ایک شریف آدمی ہو کر تم بدمعاش بننے چلے

گئے۔" جولی نے اتنا کہہ کر اس کی طرف دیکھا اور چپ ہو گئی۔

"یہ تم میری تعریف کر رہی ہو یا مجھ پر طنز کر رہی ہو؟" وجے نے پوچھا۔

"تم سیدھے اور شریف آدمی ہو اس کی تعریف کر رہی ہوں لیکن تمہارے دل میں جو برے خیالات اٹھ رہے ہیں اس پر طنز کر رہی ہوں۔" جولی نے بڑے ہی سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "وجے مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنی ایک بہن سے ملنے کے لیے کتنی عورتوں کے نقلی گاہک بنتے پھرو گے؟"

"تو کیا میں سب کو یہ کہتا پھروں کہ--- میں---"

"نہیں ہر ایک کو نہیں۔" جولی نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی اور اسی سنجیدگی سے بولی۔ مگر کسی نہ کسی کو تو کہنا ہی پڑے گا۔ اب کل رات والی لڑکی شوبھا کو ہی لے لو۔ اگر تم نے اس سے یہ کہا ہوتا کہ تمہارے جیسی ایک لڑکی کسی کی ہوس کا شکار ہو کر اس شہر میں آ گئی ہے اور مجھے اسے ڈھونڈنا ہے کیونکہ وہ میری بہن ہے پھر مجھے یقین تھا کہ وہ لڑکی تمہاری مدد کے لیے تیار ہو جاتی۔ وجے عورت کا دل پتھر نہیں ہوتا۔ اسے پگھلانے کے لیے جھوٹ اور فریب کے بجائے سچائی کا سہارا لینا چاہیے۔" یہ سن کر وجے کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرا گئی اور جوش میں آ کر اس نے جولی کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی اور آگے بولا۔ "جولی ایک روز تم نے مجھ سے زندگی بھر کا ساتھ مانگا تھا اور میں نے انکار کر دیا تھا اور آج میں خود تم سے دوستی کا عہد مانگتا ہوں۔

"یہی کہ کل رات اس نے تمہاری غیر موجودگی میں مجھ کو کیا کہا تھا اور آج تمہارے سامنے کیا کہے گی؟" وجے نے کہا۔

"وہ تمہارے بارے میں ایسا برا لفظ کہہ کر تو دیکھے۔" جولی غصے میں آ کر بولی۔ "کل تو اس نے تمہارے ہاتھ کا تھپڑ کھایا تھا اور آج تم میرے ہاتھ---" باقی کا فقرہ اس نے ہاتھ کا تھپڑ دکھا کر مکمل کر دیا۔ یہ دیکھ کر وجے کا جی چاہا کہ وہ اس کا ہاتھ چوم لے لیکن پھر فوراً ہی اسے شام کو جولی کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔ میں تمہارا ساتھ دیتی ہوں ہاتھ نہیں' پھر بھی جولی کے ساتھ نے اس کی شام سنوار دی تھی۔ لائبریری میں سے نکلنے سے قبل وجے نے مدن لال کو ٹیلیفون کر کے اس سے شوبھا کا نمبر لے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیا تھا اور پھر شوبھا کا نمبر ملا کر اس سے بات کی تھی۔ دوسری جانب سے جب شوبھا کی نسوانی آواز سنائی دی تو اس نے بے دھڑک کہہ دیا تھا کہ میں کل رات والا ڈرپوک بزدل بول رہا ہوں۔ شوبھا اس کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے دم بخود سی رہ گئی تھی پھر فوراً ہی کھل کھلا کر ہنستے ہوئے اس نے پوچھا۔ "کہئے بلبل کو کیسے یاد کیا؟"

"آج آپ سے ملنا ہے۔" وجے نے اسے کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر فون پر کہہ دیا۔ "لیکن کسی ہوٹل میں نہیں بلکہ آپ کے گھر میں۔"

"میرے گھر پر؟" شوبھا کی آواز اس طرح سنائی دی جیسے اسے ایک زوردار جھٹکا لگا ہو۔ "کیوں آپ ہوٹل کا خرچ بچانا چاہتے ہیں کیا؟"

"یہی سمجھ لو۔" وجے نے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کی بجائے تم سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کہو کب آؤں؟ ابھی آ جاؤں؟"

"کیوں مردانگی دکھانے کے لیے بہت جلدی ہو رہی ہے؟" شوبھا کی آواز میں اس کی ہنسی بھی شامل تھی۔ "رات کو دس بجے سے پہلے میں تیار نہیں ہوتی۔"

"تو میں دس بجے آؤں گا لیکن تمہیں تیار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے کہا تھا۔

"کیوں؟" شوبھا نے دوسری جانب سے پوچھا۔ "کیا میک اپ سے آپ کو الرجی ہے؟"

"یہ آ کر بتاؤں گا۔" اتنا کہہ کر اس نے اس سے فلیٹ کا نمبر معلوم کر کے ریسیور رکھ دیا تھا پھر جب جولی نے اسکا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا تو اس سے پوچھ لیا تھا۔ "تم میرے ساتھ شوبھا سے ملنے کے لیے چلو گی؟" مگر جب جولی کچھ سوچنے لگی تھی تو اس نے آگے کہا تھا۔ "تم کہو تو آج کی ملاقات میں شوبھا سے جھوٹ بولنے کی بجائے سیدھی طرح اس سے مدد مانگی جائے۔ میں اس کے گھر جاؤں گا اور تم میرے ساتھ ہو گی اس لیے کل رات کی طرح کوئی تماشا نہیں ہو گا۔"

"شاید اس سے کوئی غلط مطلب نکال کر وہ بھڑک بھی جائے؟" جولی نے اپنے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔ "تمہارے ساتھ مجھے دیکھ کر وہ کچھ اور نہ سمجھ لے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اتنا خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔" وجے نے جولی کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ "قدرت نے ہم دونوں کو پھر سے ملا دیا ہے مجھے تو اس میں کوئی بہتری ہی نظر آتی ہے۔"

"کچھ بہتر ہو یا بدتر ہو ایک بار ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔" جولی نے مستحکم لہجے میں کہا تھا۔ "تم پہلے اسے فون تو کر لو۔"

اور جب وہ ٹیلیفون پر شوبھا سے بات کر رہا تھا تو جولی دور بیٹھی ہوئی اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ نیپال سے نکل کر وجے دہلی آنے والا تھا اور اس لیے وہ بھی دہلی آکر یہیں رک گئی تھی لیکن اس نے تو سپنے میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اتنی جلدی حادثاتی طور پر اس کی ملاقات وجے سے ہو جائے گی۔

ساڑھے چھ بجے لال قلعے کے "سائیڈ اینڈ ساؤنڈ" پروگرام میں ملنے کا وعدہ کر کے وجے اور جولی ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے۔ پھر جب جولی اپنے کپڑے تبدیل کر کے وہاں آئی تھی تو وہ کہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "ساڑھی میں تم بہت جچتی ہو، تمہیں دیکھ کر یہ لگتا ہی نہیں کہ تم غیر ملکی ہو۔"

"جھوٹی تعریف مت کرو مہربان، میری یہ گوری چمڑی اور میرے چہرے کے یہ نقوش پہلے ہی اس بات کی چغلی کھا دیتے ہیں کہ میں غیر ملکی ہوں۔" یہ کہہ کر جولی نے آگے کہا تھا "مگر میں نے یہ ساڑھی تمہیں خوش کرنے کے لیے نہیں پہنی ہے بلکہ میں تو یہ اس لیے پہن کر آئی ہوں کہ شوبھا کو بہت زیادہ اجنبی نہ لگوں۔"

ٹیکسی شوبھا کے گھر کے نزدیک آکر رک گئی تو ٹیکسی سے نیچے اتر کر جولی نے اپنی ساڑھی ٹھیک کرنے میں آدھے منٹ کا وقت لیا۔ پھر دونوں بلڈنگ کے اندر داخل ہو گئے۔ زینے سے اوپر آنے کے بعد وجے نے جیسے ہی دو نمبر فلیٹ کے بٹن پر انگلی رکھی ویسے ہی خوف کی ایک لہر سی اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اسے ڈر لگا کہ جولی کو دیکھتے ہی اگر شوبھا بپھر گئی تو کیا ہو گا؟

فلیٹ کا دروازہ کھلتے ہی خوشبو کا ایک تیز بھبکا وجے کے نتھنوں میں گھستا چلا گیا اور بالکل بازاری لہجے میں شوبھا نے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔ "زہے نصیب--- آیئے، آپ کے آنے سے تو میں اس گھر میں بہار سی آگئی ہے۔"

شوبھا کی اس بات سے وجے کو جولی کی موجودگی میں بڑی شرم سی محسوس ہوئی۔ وہ ابھی تک دروازے پر ہی کھڑا تھا اور جولی اس کے پیچھے تھی۔ شوبھا کی نظر چونکہ ابھی تک جولی پر نہیں پڑی تھی اس لیے وہ وجے کو خاموش کھڑا دیکھ کر پھر بولی۔ "فون پر تو آپ مجھ سے ملنے کے لیے بڑے بے چین ہو رہے تھے اور اب دروازے کے اندر قدم رکھنے میں بھی کانپ رہے ہیں؟"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس وقت اکیلا نہیں آیا ہوں۔" وجے نے پلٹ کر جولی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن شوبھا نے اس کے پیچھے جھانکنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اس نے بدستور مسکراتے ہوئے طنز بھرے لہجے میں کہا۔ "تو آپ اپنی مردانگی دکھانے کے لیے کسی اور کو بھی ساتھ لائے ہیں کیوں؟"

لیکن جیسے ہی جولی وجے کے پیچھے سے سرک کر اس کے سامنے آئی تو اس کے چہرے کا رنگ یکایک ہی بدل گیا اور وہ عورت مخصوص عادت کے مطابق جولی کو اوپر سے نیچے تک گھورنے لگی۔ چند لمحوں بعد اس نے پلٹ کر غصے سے وجے کی طرف دیکھا۔ شاید وہ اس کو بے عزت کر کے گھر سے نکال دینے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہی تھی مگر اچانک جولی نے آگے بڑھ کر معاملے کو سنبھال لیا۔ "میں بن بلائے ضرور آگئی ہوں مگر آپ میری بے عزتی نہ کریں۔ اصل میں میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں اور یہ آپ سے مدد لینے آئے ہیں۔"

جولی کے منہ سے وجے کے لیے "یہ" کا لفظ سن کر شوبھا ڈھیلی پڑ گئی اور وہ سوچنے لگی کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو لیے بھی ایسی جگہ پر آ سکتا ہے؟ یہ تجربہ تو اس کی زندگی کا بالکل ہی انوکھا تجربہ ہے لیکن پھر فوراً ہی اسے یاد آگیا کہ یہ غیر ملکی لڑکی تو وہی ہے جو کل رات رفیع محمد روڈ پر اچانک مل گئی تھی--- اس خیال کے آتے ہی اس نے دروازے کا دوسرا پٹ بھی کھول دیا اور بولی۔ "ہماری ملاقات شاید کل رات ہو چکی ہے۔ خیر اب اگر آپ لوگ آ ہی گئے ہیں تو اندر بھی آ جایئے۔"

شوبھا کے پیچھے چلتے ہوئے وہ دونوں اس کے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ سولہ سنگھار سے سجی سجائی شوبھا کے گھر میں کھڑکی پر لگے ہوئے پھول دار پردوں کے سوا اور کوئی سجاوٹ نہیں تھی۔ صوفے پر بیٹھتے ہی وجے کو تپائی پر پڑی ہوئی بوتل اور آدھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھرا ہوا شراب کا گلاس دکھائی دیا اور وہ شوبھا سے پوچھ بیٹھا۔ "آپ کے پتا جی کہاں ہیں---"

"وہ گھر میں نہیں ہیں۔" شوبھا ان دونوں کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ کر بولی۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ دونوں آ رہے ہیں نہیں تو میں ان کو کسی اور کے ساتھ سینما نہ بھیجتی۔" پھر اپنے آدھے بھرے ہوئے گلاس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "بتایئے کیا پئیں گے آپ دونوں؟ میری تو وہسکی چالو ہے۔"

یہ سن کر وجے نے جولی کی طرف دیکھا اور جولی شوبھا کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے شوبھا سے کہا۔ "دیکھیے مس شوبھا---" ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ شوبھا نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور خود بول پڑی۔ "پلیز یہ مس--- وس نہ کہیں کیونکہ میرے نام کے ساتھ یہ زیب نہیں دیتا صرف شوبھا ہی بہت ہے اور مجھے آپ--- جناب--- کی بھی ضرورت نہیں۔ میں تو--- تم اور تو کی عادی ہو چکی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" جولی نے کہا۔ "ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ہم کھانا کھا کر ہی آئے ہیں۔ اب رہ گئی پینے کی بات تو---" اس نے گلاس کی طرف اشارہ کر کے آگے کہہ دیا۔ "اس کے سوا پینے کی کوئی چیز بھی ہو تو پی لیں گے۔"

"تو میں شربت لے آتی ہوں۔" کہہ کر وہ اٹھی اور مسکرا کر بولی۔ "ویسے میرے پاس کوئی صرف پانی پینے نہیں آتا۔" اتنا کہہ کر وہ کچن کی طرف چلی گئی۔ اس کی دو منٹ کی غیر حاضری میں وجے یہ سوچنے لگا کہ جولی کی آواز نے تو شوبھا کے انداز گفتگو ہی کو بدل کر رکھ دیا ہے اور وہ شرافت سے پیش آنے لگی ہے جبکہ دوسری طرف جولی یہ سوچ رہی تھی کہ ایک بازاری عورت بھی اپنے گھر میں گھریلو عورت بن جاتی ہے۔"

"آپ دونوں کے نصیب اچھے ہیں کہ تھوڑا شربت گھر میں موجود تھا۔" شوبھا نے شربت کے دو گلاس سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ہماری تو ہر رات گھر سے باہر گزرتی ہے بلکہ ہمیں تو رات کے انتظار میں اپنے دن گھر میں گزارنے پڑتے ہیں۔"

پھر جب تک وہسکی اور شربت کے دو تین گھونٹ پی لیے گئے اس وقت تک تینوں ہی خاموش رہے اور آخر میں جولی کو ہی یہ خاموشی توڑنا پڑی۔ "یہ مسٹر وجے ہیں

اور میرا نام جولی ہے۔ یہ کھٹمنڈو میں گائیڈ تھے اور میں آسٹریلیا سے نیپال تفریح کے لیے آئی تھی وہیں ہم دونوں کی ملاقات ہو گئی تھی۔"

"اور پھر آپ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ہے نا؟" شوبھا نے درمیان میں ہی کہہ دیا لیکن اس کے لہجے میں پہلے جیسی تلخی نہیں تھی۔

نہیں--- محبت تو میں کرنے لگی تھی۔" جولی نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "اس لیے تو اپنا وطن چھوڑنے اور اپنا مذہب تبدیل کرنے کے لیے بھی تیار ہو گئی تھی لیکن راہ میں ایک رکاوٹ آ گئی۔" جولی ذرا دیر کے لیے رکی لیکن شوبھا پھر نہ بول پڑے اس خیال سے اس نے جلدی سے آگے کہہ دیا۔ "پانچ چھ سال قبل وجے کی چھوٹی بہن کہیں گم ہو گئی تھی۔ ان دنوں نیپال میں اکثر لڑکیاں غائب ہو جاتی تھیں۔ وجے کا خیال ہے کہ اس کی بہن زندہ ہے اور جب تک بہن کا پتا نہیں چلے گا اس وقت تک اس نے شادی نہ کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔"

ہوں--- تو یہ بات ہے؟" کہہ کر شوبھا نے گلاس میں بھری ہوئی شراب کو ایک ہی گھونٹ میں حلق سے نیچے اتار اور گلاس کو تپائی پر رکھ کر باری باری ان دونوں کو دیکھ کر بولی۔ "تو اس میں میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"شاید وجے کی بہن دہلی میں ہو اور تمہاری طرح---"

"دھندہ کر رہی ہو۔" شوبھا نے بے دھڑک جولی کا فقرہ مکمل کر دیا۔ "تو میں اس کو ڈھونڈنے میں مدد گار ثابت ہو سکتی ہوں یہی نا؟"

"ہاں" وجے نے پہلی بار جلدی سے کہا۔ "اس کے لیے جتنا بھی خرچ ہو اس کی پروا نہیں ہے شوبھا مجھے ہر قیمت پر اپنی بہن کا پتا چاہیے۔"

"کیا نام ہے اس کا؟" پوچھ کر شوبھا پھر اپنا گلاس بھرنے لگی۔ "حالانکہ ہمارے اس دھندے میں آنے کے بعد کوئی بھی لڑکی اپنا اصل نام اور اپنی ذات پات کسی کو نہیں بتاتی--- پھر بھی۔"

"اس کا نام رکمنی ہے لیکن ہم سب اسے روکھی کہہ کر پکارتے تھے۔" وجے بول پڑا۔

"اس کی کوئی تصویر--- بھی ہے؟" شوبھا نے پوچھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہے لیکن یہاں نہیں ہے۔ نیپال سے دو چار روز میں منگوا لوں گا۔" وجے کو روکھی کی تصویر ساتھ نہ لانے کا پہلی بار افسوس ہوا تھا۔ "مگر میں آپ کو اس کا حلیہ بتا دیتا ہوں۔ اس کی عمر اس وقت چوبیس پچیس سال کی ہو گی۔ دیکھنے میں وہ پہلی نظر میں نیپالی نہیں لگتی۔ میری ماں چونکہ بنارس کی رہنے والی تھی اس لیے ہم دونوں بھائی بہن اس کے جیسے ہی نظر آتے ہیں۔ اس کا رنگ مجھ سے زیادہ صاف ہے اس کی ایک خاص نشانی یہ ہے کہ گردن کے بالکل بیچوں بیچ چھوٹا سا مگر فوراً ہی نظر میں آ جانے والا ایک سیاہ تل ہے۔"

اس کی بات سنتے سنتے بھی شوبھا نے وہسکی پینی جاری رکھی تھی۔ پھر اس کے چہرے کی سنجیدگی کو دیکھ کر وجے اور جولی کو یہی لگ رہا تھا کہ وہ ان کی باتیں غور سے سن رہی ہے۔ شوبھا تھوڑی دیر تک گہری سوچ میں ڈوبی رہی اور وہ دونوں اس کے جواب کے انتظار میں بیٹھے اسے تاکتے رہے۔ اچانک شوبھا نے گردن اٹھا کر وجے کی طرف دیکھا اور گھمبیر لہجے میں بولی۔ "اگر آپ لوگوں کو یقین ہے کہ وہ دہلی میں ہے اور زندہ ہے تو پھر یہ شوبھا اسے کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالے گی۔"

یہ بات سن کر جولی اور وجے پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھتے رہے مگر کوئی ایک لفظ نہیں بولا۔ "شوبھا تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھی کچھ سوچتی رہی پھر دھیمی آواز میں بولی۔ اس کا ٹھکانہ ڈھونڈ کر آپ کو بتا دوں گی لیکن وہ آپ کو آپ کی بہن کی حیثیت سے ہی واپس ملے گی اس کی ذمے داری میں نہیں لیتی۔" یہ کہہ کر اس نے دونوں کو چونکاتے ہوئے آگے کہا۔ "اور آپ کو اس کی قیمت بھی بہت زیادہ ادا کرنی ہو گی۔" وہ اس طرح کہہ رہی تھی جیسے وجے کی بہن روکھی اس کے قبضے میں ہو اور وجے نے جوش میں آکر پوچھ ہی لیا۔ "مجھے کیا قیمت ادا کرنی پڑے گی شوبھا؟"

"سن کر آپ دونوں چونک پڑیں گے۔" شوبھا گلاس میں سے ایک گھونٹ بھر کر بولی۔

"ایک خون کی قیمت--- یعنی ایک قتل کا معاوضہ---"

یہ سن کر واقعی جولی اور وجے تھرتھرا گئے اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" شوبھا نے کہا۔ "یہ خون آپ کو یا مجھے نہیں نا ہے۔" وہ بڑے پروقار اور یقینی انداز میں کہہ رہی تھی۔ "خون کرنے والے ائے کے قاتل کو جو قیمت ادا کرنی ہو گی وہی میں آپ سے لوں گی۔"

"لیکن یہ خون کس کا ہو گا؟" وجے نے گھبرا کر کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ی کا خون کیوں کرانا چاہیے؟" بھلا روکھی کے پتے سے کسی کے قتل کا کیا تعلق؟"

یہ سوال سن کر شوبھا کی نشیلی آنکھوں میں غصے کی سرخی دوڑنے لگی اور آواز بھی کاٹ محسوس ہونے لگی۔ "اس کا خون جس نے میری زندگی برباد کی ہے۔ ے آدمی کا خون کیوں نہیں کرنا چاہیے؟ سچ پوچھئے تو اس سے انتقام لینے کے لیے ہی اپنے ہاتھ اس کے خون سے رنگنے چاہئیں لیکن اپنے اپاہج باپ کا خیال مجھے کرنے سے روک دیتا ہے۔"

"کون ہے وہ شخص؟" وجے نے پوچھا۔

"میں اتنی بے وقوف تو نہیں ہوں کہ اس کا نام بتا دوں۔" شوبھا کے ہونٹ نے لگے۔

"لیکن وہ بہت بڑا آدمی ہے اس لیے اس کی جان کی قیمت بھی بڑی ہو گی۔"

"بڑا آدمی؟" وجے نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں باہر سے بڑا مگر اندر سے درندہ---"

درندہ کا لفظ سنتے ہی وجے چوکنا ہو گیا اور اچانک اسے اس فائل کی یاد آ ے پرشورام نے بھی اپنی فائل میں کسی درندے کا ہی ذکر کیا تھا۔ ابھی وہ آگے بھی نہیں پایا تھا کہ شوبھا کی آواز پھر اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "بولئے سودا ہے؟"

پھر گلاس کو تپائی پر رکھ کر اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "تو ملایئے ہاتھ۔"

اس کے آگے کی جانب بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر وجے سوچ میں ڈوب گیا۔ ٹھیک اسی وقت اندر کے کمرے میں رکھے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہوئی سنائی دی۔ اس لیے شوبھا کو اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا۔ "میں فون سن کر آتی ہوں۔ تب تک آپ دونوں اطمینان سے سوچ لیں۔" جاتے جاتے اس نے کہا اور ان دونوں کو ایک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دوسرے کی جانب دیکھتا چھوڑ کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

○

"اچھا--- تو اب میں اجازت چاہوں گا۔" نیپال بھون سے رخصت ہوتے وقت وجے نے مینجر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "میری وجہ سے آپ کو ذرا تکلیف تو ہوئی ہو گی--- مگر---"

"ارے اس میں بھلا آپ کا کیا قصور ہے؟" مینجر نے پانچ منٹ قبل ملنے والی اکاون روپے کی ٹپ کی خوشی میں کہا۔ "آٹھ سال سے یہاں کام کر رہا ہوں لیکن پولیس کا لفڑا پہلی بار دیکھا ہے۔ حکومت کے آگے بھلا کسی کی کیا چلی ہے؟ کون جانے کس نے آپ کے خلاف انہیں بھڑکا دیا تھا۔"

"ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہم ٹھہرے ہی پردیسی زیادہ سوال جواب کرتے ہیں تو بات بڑھ جاتی ہے۔" وجے نے تین نمبر کے کمرے کے دروازے پر لگے ہوئے تالے کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو اچھا ہے کہ ابھی مسافروں کا رش نہیں ہے ورنہ آپ کو ایک کمرے کی کمی ضرور ہی محسوس ہوتی۔"

"ہاں--- بالکل---" مینجر اپنی مونچھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "کمرے کو بند کیے ہوئے تیسرا دن ہو گیا ہے لیکن ابھی تک کوئی یہ بتانے بھی نہیں آیا ہے اور کتنے دن ایسا چلے گا؟"

یہ سن کر وجے کے ہونٹوں تک یہ بات آکر رہ گئی "شاید وہ لوگ میرے جانے کی راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ انہوں نے کمرے کو اس لیے بھی بند رکھا ہو گا کہ میں دروازے کا تالا توڑتا بھی ہوں یا نہیں؟" لیکن یہ بات کہنے کی بجائے اس نے ان لوگوں کا بچاؤ کرتے ہوئے مینجر سے کہا۔ "شہر کے پولیس تھانوں کو ہزاروں پریشانیاں ہوتی ہیں۔ شاید وہ بے چارے بھول ہی گئے ہوں گے کہ کمرے کی چابی ان کے پاس رہ گئی ہے--- اچھا اب اجازت دیں پھر کبھی ملاقات ہو گی۔" کہہ کر اس نے اپنے تھیلے کو کندھے سے لٹکایا اور قدم آگے بڑھا دیے لیکن جاتے جاتے پھر ایک بار اس کی نظر تین نمبر کے کمرے کے دروازے پر لگے ہوئے تالے پر پھسلتی گئی۔ وہ فائل کو

اس کمرے کے اندر چھوڑ کر جا تو رہا تھا لیکن فائل اس کے دل کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی---"

ٹیکسی آگے دوڑتی جا رہی تھی اور اس کا دل گزری ہوئی رات کی باتوں کو یاد کرتا ہوا پیچھے کی جانب دوڑ رہا تھا۔ بہن کا پتا بتانے کے لیے شوبھا نے اس سے کسی کے قتل کی قیمت مانگی تو اس کی طرح جولی بھی بوکھلا گئی تھی پھر جب شوبھا کسی کا فون سننے دوسرے کمرے میں گئی تو اس کی غیر موجودگی میں وہ دونوں آپس میں کوئی مشورہ نہیں کر سکے تھے۔ دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور دونوں ہی ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے تھے۔

"تو پھر کیا فیصلہ کیا ہے آپ لوگوں نے؟" دوسرے کمرے سے واپس آکر شوبھا نے پھر وہی سوال دہرایا تھا۔ "سودا منظور ہے؟"

اس وقت وجے کو لگا تھا کہ جولی ہی کوئی جواب دے تو اچھا ہے لیکن وہ تو بالکل ہی چپ بیٹھی تھی۔ شاید وہ اسے پرکھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اپنی بہن--- کا پتا حاصل کرنے کے لیے دیوتا جیسا یہ شخص کسی کو قتل کرانے کی قیمت دینے کے لیے تیار ہوتا ہے یا نہیں---؟"

"نہیں شوبھا۔" آخر اسے ہی جواب دینا پڑا تھا۔ "میں کسی کے قتل کی سازش میں پھنسنا نہیں چاہتا۔" لیکن اس کے جواب کا شوبھا پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بڑے سکون سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے سمجھانے لگی تھی۔ "مگر اس معاملے میں یا آپ سیدھی طرح کسی طور پر کیسے پھنس سکتے ہیں؟ کرائے کے قاتل کو بھی اس بات کا علم نہیں ہو گا کہ وہ کس کے لیے کام کرنے جا رہا ہے۔"

شوبھا کی یہ دلیل وجے کے گلے سے نیچے نہیں اتری کیونکہ اگر قاتل زندہ گرفتار ہو جاتا ہے تو پولیس ہر حالت میں اس سے معلومات حاصل کر لیتی ہے اور شوبھا کے کہنے کے مطابق وہ کوئی بہت بڑا آدمی ہے تب تو پولیس آسمان سے زمین ایک کر کے بھی قاتل کو پکڑ لائے گی اور ایک بار اگر قاتل کے منہ سے شوبھا کا نام نکل گیا تو دوسرے ہی پل وہ بھی مشکوک آدمی بن جائے گا' مگر پولیس ان لوگوں کی فہرست تیار کرے گی جو آخر وقت میں شوبھا سے ملتے رہے تھے اور اگر پولیس ڈائری میں ایک بار

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھی اس کا نام آ گیا تو پولیس کے مخبر یہ بھی معلوم کر لیں گے کہ اس نے اپنے بینک اکاؤنٹ سے ایک بڑی رقم نکالی تھی اور یہ رقم اس نے قاتل کو دینے کے لیے ہی نکلوائی تھی۔

"مجھے لگتا ہے ہمارا سودا نہیں بنے گا۔" شوبھا نے اس کی خاموشی کا مطلب نکالتے ہوئے کہا تھا۔ "اس وقت مجھے اپنے ایک گاہک سے ملنے جانا ہے ابھی اسی کا فون آیا تھا۔ میں نے یہ شرط رکھی ہے کہ بارہ بجے تک گھر واپس آ جاؤں گی اور ابھی ساڑھے دس بجے ہیں۔"

شوبھا کی اس بات سے وجے نے سمجھ لیا تھا کہ اس نے بڑی چالاکی سے انہیں جانے کے لیے کہہ دیا ہے۔ اگر تھوڑی بات چیت اور ہوتی تو شاید وہ شوبھا سے اس بڑے آدمی کا نام معلوم کر سکتا تھا اور اب شاید شوبھا اس سے آئندہ ملنے سے بھی انکار کر دے گی۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر جولی نے فوراً ہی بات سنبھال لی اور شوبھا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وجے سے بولی۔ "وجے اس وقت یہ ذرا جلدی میں ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے شوبھا سے کہا۔ "ویسے آپ نے بھی خرچ کا اندازہ نہیں بتایا ایسی حالت میں بھلا ہم کیا جواب دیں؟"

"ہاں اب آپ نے کچھ کام کی بات کی ہے۔" شوبھا نے باہر جانے کی تیاری جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔ "دو سال قبل یہ کام پچھتر ہزار روپے میں ہو جاتا۔۔۔ اپنے دھندے کی آمدنی میں سے میں ہر مہینے تھوڑی تھوڑی رقم بچا کر الگ رکھ لیتی ہوں لیکن پھر بھی مشکل سے تیس چالیس ہزار کی رقم بچا سکی ہوں۔ شاید اگلے سال میں لاکھ روپے کی بچت بھی کر لوں لیکن اس وقت تو کرائے کے قاتلوں کی قیمت بھی دگنی ہو گی۔"

"اس وقت کا معاوضہ کیا ہے؟" جولی نے پوچھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی سودا طے کر لینا چاہتی ہو۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر شوبھا کو اس پر یقین آ گیا اور وہ جواب دیتے ہوئے بولی۔ "ایک سے سوا لاکھ۔"

رقم سن کر جولی نے وجے کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس نے خود ہی بڑی ہوشیاری سے بات بنا لی تھی۔ "تو اب تمہیں ہی دو چار دنوں کا وقت دینا پڑے گا۔

اتنی بڑی رقم کا انتظام ہوتا ہے یا نہیں یہ معلوم کر کے تم کو بتا دیں گے۔"

"دس بیس ہزار کم کا انتظام ہو جائے تو بھی بتا دیجئے گا۔" شوبھا نے کہا تھا۔ "میں اپنی بچائی ہوئی رقم ملا کر بھی اس درندے کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔"

ایک بار پھر وجے "درندے" کا لفظ سن کر کانپ اٹھا تھا۔ شوبھا کے گھر سے نکل کر جولی سے جدا ہونے کے بعد بھی اس کے دل میں یہی ایک بات جم کر بیٹھی ہوئی تھی کہ اگر اس نے اس فائل کو پڑھ لیا ہوتا تو کم از کم اس درندے کا نام تو اسے معلوم ہو جاتا۔ شاید پرشورام اور شوبھا کا درندہ۔۔۔ ایک ہی ہو۔۔۔؟"

○

"صاحب چانکیہ پوری آ گیا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے اسے چونکایا تو وجے کو خیال آیا کہ وہ اس وقت نیپالی سفارت خانے کے کیشیر ہری پرشاد جی کا پڑوسی بننے کے لیے جا رہا ہے۔ "سیکٹر نمبر تین پلاٹ نمبر پندرہ پر لے چلو۔" ڈرائیو سے کہہ کر وہ راستے کے دونوں جانب بنے ہوئے مکانات کا سلسلہ دیکھنے لگا۔ یہ علاقہ اسے صاف ستھرا اور پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

تیسرا موڑ کاٹ کر ٹیکسی ایک مکان کے گیٹ کے پاس آ کر رک گئی۔ وجے نے گیٹ پر پلاٹ نمبر پندرہ کی تختی کو پڑھنے کے بعد ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور سوٹ کیس لے کر نیچے آ گیا۔ "آ گئے جناب۔" ہنستے ہوئے پرشاد جی نے اس کا استقبال کیا اور دروازے تک دوڑا آیا۔ "پندرہ منٹ سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔"

"سوری۔" وجے نے کہا۔ "مجھے نیپال بھون سے نکلنے میں ذرا دیر ہو گئی تھی۔ یاد کر کر کے ہر ایک کو بخشش بھی تو دینی پڑتی ہے نا؟"

"آپ کو اور پانچ منٹ دیر ہو جاتی تو میں نیپال بھون میں فون کر کے پوچھنے ہی والا تھا۔" پرشاد جی نے آگے چلتے ہوئے کہا تو وجے ذرا چونک پڑا اور بولا۔ "اچھا ہوا آپ نے وہاں فون نہیں کیا کیونکہ وہاں کے مینجر کو میں نے یہاں کا پتا نہیں بتایا ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ نیپال سے آنے والے بہت سے جان پہچان والے لوگ وہاں ٹھہرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو پتا چل گیا کہ میں نے یہاں کرائے پر مکان لے رکھا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے تو وہ زبردستی یہاں ڈیرا جما دیں گے۔" بولتے بولتے وہ ہری پرشاد کے پیچھے پیچھے زینے چڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک شیریں آواز اس کی سماعت سے ٹکرا گئی۔ "آیئے تشریف لایئے۔ بہت انتظار کرایا آپ نے---"

وجے کے پاؤں ایک زینے پر ہی جم کر رہ گئے۔ آواز میں جیسی مٹھاس اس کے چہرے پر بھی تھی۔ پچیس چھبیس سال کی عمر بھرے بھرے گال چمکتی خوبصورت آنکھیں اور سڈول جسم' تھوڑی دیر کے لیے تو وجے کی نظریں اس پر جمی رہیں۔ ہر عورت کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ کوئی اسے دیکھے اور دیکھتا رہے۔ لیکن ہری پرشاد کی بیوی آشا کو تو یہ بات ضرورت سے کچھ زیادہ ہی اچھی لگی تھی۔

"کس سوچ میں پڑ گئے آپ؟" وہ اپنے چہرے پر گری ہوئی بالوں کی شریر لٹ کو ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے بولی۔ "آپ کو شاید یوں لگ رہا ہے کہ آپ نے مجھے کہیں دیکھا ہے۔ ہے نا؟"

یہ سن کر وجے کو اس کے چہرے پر سے اپنی نظریں ہٹا لینی پڑیں۔ وہ جب پانچ برس کا تھا تو اس وقت اپنی ماں کا دیکھا ہوا چہرہ اس کی آنکھوں میں زندہ ہو کر اس وقت اس کے سامنے آ گیا تھا' لیکن آشا سے یہ کہنے کی بجائے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دراصل آپ دونوں کو ساتھ ساتھ کھڑا دیکھ کر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ آپ دونوں کی جوڑی ایک بہت ہی اچھی جوڑی ہے۔"

یہ سن کر ہری پرشاد کی گردن جھک گئی۔ وجے کو اس کی اس حرکت میں اس کی بڑائی نظر آئی جبکہ آشا نے اپنا منہ پھیر لیا۔ اور وجے نے اس کی حرکت کو عورت کی شرم سمجھا۔

"ارے جنگا---" ہری پرشاد نے ضرورت سے زیادہ زور سے آواز لگا کر کسی کو پکارا اور پھر کہا۔ "وجے صاحب کا سوٹ کیس اوپر لے آؤ۔"

آواز سنتے ہی گھر کے اندر سے ایک دس سال کا لڑکا ہاتھ پونچھتا ہوا باہر آیا اور نیچے اترتا چلا گیا۔

"اسے میں نیپال سے ساتھ لایا ہوں۔" ہری پرشاد نے بتایا۔ "اس کا پورا نام جنگ بہادر ہے لیکن اب صرف جنگا رہ گیا ہے۔ بہادری ختم ہو گئی ہے۔" پھر وہ ہنستے

ہوئے آگے بولا۔ "چلئے اوپر کے کمرے دیکھ لیں۔"

"چلئے۔" کہہ کر وہ پھر ہری پرشاد کے پیچھے چلنے لگا۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر نہیں تھا کہ برآمدے میں کھڑی ہوئی آشا کی نظریں اسی پر جمی ہوئی ہیں--- ہری پرشاد کو ایک بڑے دروازے سے باہر نکلتے دیکھ کر وجے کو حیرت ہو رہی تھی لیکن ہری پرشاد نے فوراً ہی اس کی حیرت دور کر دی۔ "دراصل مکان مالک نے یہ مکان کچھ اس طرح بنوایا ہے کہ اوپر نیچے رہنے والوں کو آنے جانے کے لیے ایک ہی دروازہ نہ استعمال کرنا پڑے۔ اس لیے اوپر کے کرائے دار کے لیے یہ چھوٹا دروازہ علیحدہ ہے۔" اتنا کہہ کر اس نے لوہے کا وہ دروازہ کھول دیا اور پھر بولا۔ "اب دیکھیے یہاں جو باغیچہ ہے اس کو بھی برابر برابر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔"

"واقعی باغیچہ کافی خوبصورت ہے۔" وجے نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس کا سارا کریڈٹ آشا کو جاتا ہے۔" ہری پرشاد نے آگے جاتے ہوئے کہا۔ "میرے دفتر چلے جانے کے بعد وہ بے چاری بالکل اکیلی رہ جاتی ہے اس لیے وہ یہ سب کرتی رہتی ہے۔ لیکن اب چونکہ آپ آ گئے ہیں اس لیے اسے کمپنی مل جائے گی۔"

"کیوں--- گھر میں کوئی بچے وغیرہ نہیں ہیں؟" وجے نے پوچھا تو ہری پرشاد کی گردن جھک گئی اور وہ دھیرے سے بولا۔ "شادی کو ابھی پانچ چھ سال ہوئے ہیں اس لیے بچوں کی کیا جلدی ہے؟"

اوپر کا دروازہ کھولنے کے بعد ہری پرشاد نے اتنے چاؤ سے اسے پورا گھر دکھایا جیسے وہی اس مکان کا مالک ہو۔ "یہ ڈرائنگ روم ہے۔ اس کے ساتھ ایک بالکونی بھی ہے اور یہ بیڈروم ہے اور اس باورچی خانے میں گیس کا چولھا اور چائے وغیرہ کے برتن تک موجود ہیں۔ ویسے تو آپ کو باورچی خانہ استعمال کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں پڑے گی۔ پھر بھی دل چاہے تو استعمال کر سکتے ہیں اور ہاں نیچے اوپر کے لیے ایک کامن ٹیلیفون بھی ہے۔ ضرورت پڑنے پر آپ یہاں سے ایک بٹن دبا کر نیچے ہم لوگوں سے بات چیت کر سکتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں منگوا سکتے ہیں اور اس طرح اس جنگا کو اونچی آواز میں پکارنا بھی نہیں پڑے گا۔" اتنا کہہ کر اس نے پوچھا۔ "کہئے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گھر پسند آیا؟؟"

وجے کو گھر تو واقعی پسند آیا تھا لیکن اس سے زیادہ اسے ہری پرشاد جی کا خلوص پسند آیا تھا۔ اسی لیے وہ بولا۔ "مجھے تو گھر اور اپنے پڑوسی دونوں ہی بہت پسند آئے ہیں پرشاد جی۔ لیکن آپ کو میری ایک بات ماننا پڑے گی۔"

"وہ کیا؟" ہری پرشاد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "بلا جھجک کہہ دیں۔"

"میں دن بھر میں صرف ایک وقت ہی آپ کے یہاں کھاؤں گا کیونکہ شام کو باہر نکلنے کے بعد میرا کوئی بھروسا نہیں رہے گا؟"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" ہری پرشاد نے اپنی کلائی گھڑی کی طرف دیکھا۔ "ارے ساڑھے نو بج گئے ہیں۔ میرے دفتر جانے کا وقت ہو گیا ہے مگر آپ کو بتا تا جاؤں کہ میں خود بھی ایک وقت ہی کھاتا ہوں۔ صبح کا ناشتا اور رات کو پیٹ بھر کھانا۔ اب دوپہر کے کھانے میں آشا کو آپ کمپنی دیں گے اور رات کو میں دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے مڑا تو وجے کو کچھ یاد آ گیا اور وہ بولا۔ "پرشاد جی اگر میں آشا دیوی کو بھابی کہہ کر مخاطب کروں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

یہ سن کر تیسری بار ہری پرشاد کی گردن جھک گئی اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر اس نے کہہ دیا۔ "یہ آپ دونوں آپس میں فیصلہ کر لیں۔ ویسے آپ دیوی کہیں گے تو شاید اس کو یہ پسند نہ آئے۔"

وجے کو اس کا یہ جواب بہت خاص اور بہت عجیب سا محسوس ہوا۔ پھر ہری پرشاد کے جانے کے بعد اسے جولی کی یاد ستانے لگی اور وہ سوچنے لگا کہ جولی کسی کے گھر میں پینگ گیسٹ کے طور پر رہ رہی ہے اس کی بجائے وہ یہاں آ کر رہنے لگے تو؟ لیکن دوسرے ہی لمحے اسے اپنا خیال بڑا بے ہودہ سا لگا۔ پھر بھی وہ فون پر اس سے بات کرنے کے لیے بے قرار ہو گیا۔

اس نے آسٹریلیا کے سفارت خانے کا نمبر ڈائل کرنے کے بعد مس اینڈرسن سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو دوسری جانب سے جولی کی ہی آواز سنائی دی۔ لہٰذا وہ گڈ مارننگ کہہ کر شروع ہو گیا۔ "جولی دراصل میں اپنے نئے گھر میں رہنے آ گیا ہوں جگہ بہت اچھی ہے اور مکمل آزادی ہے۔ نیچے رہنے والے لوگ بھی بہت

مہذب اور شریف ہیں۔"

"تمہیں تو سب اچھے اور شریف آدمی ہی ملتے ہیں نا؟" جولی نے ہنستے ہوئے کہا تو وجے نے فوراً ہی کہا۔ "ہاں لیکن ایک تمہارے سوا۔"

"ہاں۔" دوسری طرف سے جولی نے ذرا طنز بھرے لہجے میں کہا۔ "تو صبح ہی صبح اس خراب آدمی کو یاد کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"یہ ضرورت اس لیے پیش آ گئی کہ یہاں باورچی خانے میں ہر سہولت موجود ہے تمہیں کافی بنانی تو آتی ہے نا؟ اس لیے جلدی سے آ جاؤ تو ساتھ کافی پئیں گے۔"

"مسٹر تمہاری طرح میں امیر نہیں ہوں اور تمہاری طرح بے کار بھی نہیں ہوں۔ مجھے یہاں چار بجے تک نوکری کرنا پڑتی ہے سمجھے۔" جولی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں اگر کافی بنانا نہ آتی ہو تو فون پر بتا سکتی ہوں اور تم بنا لو۔" اتنا کہہ کر وہ فون پر ہی ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی کی آواز سن کر وجے کو لگا کہ وہ ابھی فون بند کر دے گی اس لیے وہ جلدی سے بولا۔ "اب جلدی سے یہ بتاؤ کہ تم نے رات والی بات پر کیا سوچا ہے؟"

"کون سی بات؟" شاید دوسری طرف جولی ابھی ہنس رہی تھی۔

"شوبھا کی شرط والی بات۔" وجے نے یاد دلایا۔

"اوہ۔" جولی [illegible] "مجھے تو اس کا مطالبہ بہت زیادہ لگا لیکن یہ نامناسب بھی نہیں [illegible]

"کیا مطلب [illegible]"

"مطلب یہ کہ [illegible] مانگ رہی ہے اور [illegible] کام کے ساتھ ساتھ اپنا انتقام بھی لینا چاہتی ہے۔" جولی نے کہا۔

"بس یہی تو بات ہے جولی۔"

"لیکن وجے جس عورت کی زندگی برباد ہو چکی ہو اسے اس کا انتقام لینے کا حق تو ہے۔"

"جولی تم ــــ"

"میں نے بہت سوچا ہے۔" جولی کی آواز کچھ جذباتی سی محسوس ہونے لگی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"وہ اپنی کالی کمائی میں سے اسی لیے تو رقم بچا رہی ہے۔ بے چاری کا جسم اگر پورا سوکھ بھی گیا تب بھی وہ اتنی رقم جمع نہیں کر سکے گی۔"

"اچانک وجے کو خیال آیا کہ اس ٹیلیفون کا کنکشن نیچے والے فون کے ساتھ ہے۔ ایسی بات اگر کوئی اور سن لے تو نہ جانے وہ کیا سوچ بیٹھے۔ اس کا خیال آتے ہی اس نے دھیرے سے کہا۔"جولی ہم شام کو ملیں گے تو اطمینان سے باتیں کریں گے۔" اتنا کہہ کر اس نے ریسیور رکھنا ہی چاہا تھا کہ پھر ایک بات یاد آ گئی۔ "میں سوچ رہا ہوں جولی کہ ہفتہ اور اتوار کو تمہاری چھٹی ہوتی ہے اس لیے کل ہم کہیں چلے جائیں تو؟"

"کہاں؟"

"آگرہ--- تاج محل دیکھنے۔" وجے نے کہا۔

دوسری طرف تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی تو وجے کو لگا کہ ابھی جولی منع کر دے گی لیکن اس کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ "ٹھیک ہے کل جائیں گے اور اتوار کے روز واپس آ جائیں گے۔" اگر تم کہو تو اسپیشل ٹرین کی تین ٹکٹیں بک کرا لوں؟"

"تین ٹکٹیں؟" وجے کی آواز حیرت سے پھٹ گئی۔ "یہ تیسرا کون ہے؟"

"ہے میرا ایک ساتھی۔" جولی نے کہا لیکن جب تھوڑی دیر کے لیے وجے کی آواز سنائی نہیں دی تو اس نے پوچھا۔"کیوں تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟"

"نہیں--- نہیں--- بھلا اعتراض کرنے والا میں کون ہوں؟"

"بس تو ہم شام کو ملتے ہیں۔" کہہ کر جولی نے دوسری طرف سے فون بند کر دیا لیکن وجے تھوڑی دیر تک ریسیور تھامے سوچتا رہ گیا۔ اس وقت اسے رگھوپتی کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ نیپال چھوڑے ہوئے آٹھ روز ہو چکے تھے۔ اس نے سوچا کہ یقیناً رگھوپتی اس کے پیغام کا منتظر ہو گا۔ بے چارا اس کے لیے فکر مند ہو رہا ہو گا اور پھر اس نے کھٹمنڈو کے لیے کال بک کرا لی۔

○

"میں سچ کہہ رہا ہوں بھابی "کوٹا کھانا" کھائے ہوئے آج پورے آٹھ دن ہو

چکے ہیں اور اب پہلی بار اتنے مزیدار نیپالی کھانے کھا رہا ہوں۔" سامنے بیٹھی پیار سے کھانا کھلاتی ہوئی آشا کو دیکھ کر وجے نے کہا۔ "اب آپ سچ سچ بتائیے پرشاد جی تو خیر مرد ہیں لیکن آپ عورت ہونے کے باوجود میرے جیسے پاپ کا بوجھ اٹھا کر آنے والے شخص کو اتنے پیار سے کیوں کھلا رہی ہیں؟"

"کیونکہ میں کسی پاپ پر یقین نہیں رکھتی۔" اس کا یہ بے دھڑک جواب سن کر وجے کی کھانے پر جھکی ہوئی گردن ایک جھٹکے سے تن گئی آشا آگے کہہ رہی تھی۔ "کسی کا پاپ کسی کے لیے ضرورت بھی ثابت ہو جاتا ہے۔"

وجے کو آشا کی بات سمجھ میں تو نہیں آئی لیکن تھوڑی دیر ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ اتنا تو سمجھ ہی گیا تھا کہ پہلی نظر میں خوبصورت نظر آنے والی آشا صرف خوبصورت ہی نہیں بلکہ کافی سمجھدار اور چالاک بھی ہے۔ کیا آشا یہ کہنا چاہتی تھی کہ پیسے کی ضرورت کی وجہ سے میں مہاراجا کے پاپ کو اپنے سر لے کر خود پاپی نہیں بنا ہوں؟ یا پھر وہ کسی اور مقصد سے ایسا کہہ گئی ہے؟ آشا کی چال ڈھال اور گفتگو کے انداز میں جو ہلکی سی پراسراریت ٹپکتی تھی اس کا اندازہ تو اس نے پہلے ہی لگا لیا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر جب اس نے ایک ہی پلیٹ رکھی تو اس نے اس سے پوچھا تھا۔ "کیا آپ میرے ساتھ نہیں کھائیں گی؟"

تو جواب میں آشا نے انکار میں سر ہلا دیا تھا اور تب اس نے یہی سمجھا تھا کہ شاید ایک اجنبی شخص کے سامنے کھانے سے وہ شرما رہی ہے اور اسی خیال سے اس نے کہا تھا۔ "لیکن پرشاد جی نے تو کہا تھا کہ کسی کی کمپنی میں کھانا اسے اچھا لگتا ہے۔" لیکن اس کا جواب بھی اس نے فوراً ہی دیا تھا۔ "آپ کو دیکھنے کے بعد آپ کے ساتھ کھانے کی بجائے آپ کو پیار سے کھلانے کے لیے جی چاہنے لگا۔" پھر اسے کھلاتے کھلاتے وہ اس سے پیار بھری باتیں کرتی رہی تھی۔ اور تب وجے نے یہ سمجھا تھا کہ آشا پیار کی بھوکی ہے۔ بڑے خاندان سے نکل کر آئی ہے اس لیے تنہائی محسوس کرتی ہے۔

"اب آپ بھی ایک بات سچ سچ بتا دیں کہ مجھے پہلی بار دیکھنے کے بعد آپ اچانک کس سوچ میں ڈوب گئے تھے؟ اور آپ کے دل میں کیسے جذبات جاگے تھے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آشا کا یہ سوال اسے بڑا عجیب سے لگا تھا مگر وہ تو بڑی ہی میٹھی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "آپ کو میرے اس سوال کا جواب بالکل سچ سچ دینا ہو گا وجے۔"

وہ اس کی چمکتی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ پہلی ملاقات میں ہی اس سے اتنی اپنائیت کا اظہار؟ آپ ہی آپ اس کے دل میں آشا کے لیے ہمدردی سی پیدا ہو گئی اور اس نے کہا۔ "آپ نے سچ کہنے کے لیے کہا ہے لیکن اب میں سچ نہیں کہہ سکوں گا بھابی۔" اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور ہاتھ دھوتے ہوئے بولا۔ "آپ کو پہلی بار دیکھ کر میرے دل میں کیا جذبات ابھرے تھے وہ اس وقت کہنا کچھ مناسب نہیں لگتا۔"

"لیکن مجھے تو مناسب لگتا ہے۔" وہ ہاتھ پونچھنے کے لیے نیپکن بڑھاتی ہوئی بولی۔ "آپ کو دیکھتے ہی مجھے میری خالی گود کا ناگ ڈسنے لگا تھا اور مجھے آپ کا بچپن اپنی گود میں کھیلتا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔"

یہ سن کر وجے چونک اٹھا کیونکہ آشا کو دیکھتے ہی اسے اپنی ماں کی دھندلی سی صورت یاد آ گئی تھی اور آشا کو اس کا بچپن گود میں کھیلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ یہ کتنی عجیب بات تھی؟ مگر اس نے دل کے جذبات چھپانے کے لیے نیپکن سے اپنا چہرہ پونچھنا شروع کر دیا اور پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ "لیکن پرشاد جی تو کہہ رہے تھے کہ بچوں کی ابھی کیا جلدی ہے؟" اور تب جواب میں وجے کو اس کے خوبصورت ہونٹ سکڑتے ہوئے نظر آئے تھے۔ پھر کافی دیر بعد اس نے آشا کی آواز سنی۔ "تمہارے پرشاد جی نے کیا کہا ہے یہ جانے دیں آپ خود کیا کہنا چاہتے ہیں وہی کہہ دیں۔"

وجے کے لیے جواب دینا دوبھر ہو گیا۔ ابھی تو اس نے گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ اس سے میاں بیوی کے درمیان رنجش پیدا کرنے کا گناہ سرزد ہو رہا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی اسے پلکیں جھکا کر کہنا پڑا تھا۔ "ماں بننے کی خواہش تو ہر عورت کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے۔"

"خواہش نہیں وجے۔" وہ فوراً ہی بول پڑی تھی۔ "یہ کہو کہ ماں بننا ہر عورت کی ایک بہت بڑی ضرورت ہوتی ہے۔" آشا نے لفظ "ضرورت" پر زیادہ زور دیا تھا۔ اس لیے وجے بری طرح چونک پڑا تھا کیونکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے اس کے پاپ کے بوجھ کے بارے میں کہا تھا۔ "کسی کا پاپ کسی کے لیے ضرورت بھی ثابت

ہوتا ہے" تو کیا پرشاد جی باپ بننے کے لائق نہیں ہیں؟ کیا بچے کی ضرورت کی خاطر آشا پاپ کو اپنانے کی تیاری کر رہی ہے؟ اس کے بچپن کو اپنی گود میں کھیلتے ہوئے دیکھنا--- کیا یہ خواہش اس کی مجبوری ہے؟"

وجے پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ اس نازک گھڑی کو سنبھالنے کے لیے وہ ہوشیار ہو گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ آشا کی خواہش کو ٹھکرا کر اس کے دل کو چوٹ نہیں پہنچائے گا لیکن اس کی بات مانے گا بھی نہیں۔ بلکہ اسے ایسی کوئی راہ تلاش کرنا پڑے گی جس سے اس کا ضمیر مطمئن ہو جائے۔ دھیرے دھیرے اس نے پلکیں اٹھا کر آشا کی طرف دیکھا۔ آشا کا چہرہ جذبات کی گرمی سے سرخ ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جواب کے انتظار میں گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور آخر وجے کے ہونٹوں تک الفاظ آ ہی گئے۔ "اب میں آپ کو سچ سچ بتاتا ہوں کہ---" اور وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ حالانکہ وہ کہنا چاہتا تھا آپ کی صورت دیکھتے ہی میں تھوڑی دیر کے لیے بچہ بن گیا تھا اور آپ کی صورت میں میں نے اپنی مرحوم ماں کی صورت دیکھی تھی--- لیکن یہ الفاظ آواز بن کر اس کی زبان پر آتے کہ اس سے پہلے ہی اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں اور آواز گلے میں ہی گھٹ گئی تھی اور ٹھیک اس وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

وجے کے سارے جذبات بکھر گئے اور آشا اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے وہ اسے اپنی نظروں کے حلقوں میں قید کر لینا چاہتی ہو۔ وجے فون کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔ "شاید میری کال لگ گئی ہو گی---" اس نے ریسیور اٹھا کر جواب دیا تو آپریٹر نے لائن کنکٹ کر دی۔ وجے کے کان میں رگھوپتی کی آواز ٹکرائی اور وہ چند لمحوں پہلے کی ساری الجھن کو بھول گیا۔ اس نے رگھوپتی کی اور اپنے گھر کی خیریت پوچھی۔ پھر اپنا پتا اسے نوٹ کرایا اور اسے جلد سے جلد آنے کی تاکید کی۔ دوسری طرف سے رگھوپتی نے بھی اپنی بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا--- "میں تو تمہاری کال کی راہ دیکھ رہا تھا۔ یہاں ایک کڑی میرے ہاتھ لگ گئی ہے۔ اس لیے پیر کی فلائٹ سے آ رہا ہوں۔ تم ایئرپورٹ پر آ جانا اور کم از کم ایک لاکھ روپے کا انتظام بھی رکھنا کیونکہ یہ کام ہمیں بہت ہوشیاری سے کرنا ہو گا۔" اتنا کہہ کر وہ ذرا دیر کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیے رک گیا۔ شاید کہنے اور نہ کہنے کی الجھن میں پڑ گیا تھا مگر پھر فوراً ہی اس نے آگے کہا تھا۔ "نیپال رائل بینک کی دولت جہاز سے لوٹنے والے بھارت میں ہی ہیں۔۔۔ خیر یہ بات بعد میں ہو گی۔" اور پھر اس کے ساتھ ہی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ وجے تھوڑی دیر تک ریسیور تھامے بیٹھا رہا پھر جب اسے خیال آیا تو اس نے دیکھا آشا ابھی تک وہیں کھڑی اسے گھور رہی ہے۔

"کیا کوئی بری خبر ہے؟" آشا نے ہمدردی سے پوچھا۔ "آپ نے کس کو کال کیا تھا؟"

"کھٹمنڈو میں ایک دوست ہے۔" وجے کو فوراً ہی بہانہ سوجھ گیا۔ "اس کا نام رگھوپتی۔ بے چارہ آج کل بڑی تکلیف میں ہے۔ مجھ سے مدد مانگ رہا تھا اور اس کے لیے خاص کر کے دہلی آ رہا ہے۔" کہہ کر وہ سوچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو کیا آپ اس کی مدد کریں گے؟" آشا نے پوچھا۔

"سوچنا پڑے گا۔" کہہ کر اس نے قدم آگے بڑھائے۔ "اور کہا۔ "بھابی میں اوپر جا رہا ہوں پرشاد جی کو تو میں نے کہہ دیا ہے کہ رات کو نہیں کھاؤں گا۔" پھر اس سے پہلے کہ آشا کچھ پوچھتی اس نے منہ موڑ لیا اور دروازے سے باہر نکل گیا' مگر اسے یقین تھا کہ آشا کی نظریں اس کی پیٹھ پر جمی ہوئی ہیں۔

○

دوپہر کے بعد آگرہ ہوٹل سے نکل کر جب وجے اور جولی تاج محل دیکھنے کے لیے نکلے تو وجے نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جو سوال صبح سے اس کے اندر منڈلا رہا ہے وہ سوال اسے جولی سے پوچھنا ہی پڑے گا۔ وہ جولی سے پوچھنا چاہتا تھا کہ ہمارے ساتھ آگرہ آنے والے نوجوان رابرٹ اسمتھ کے ساتھ تم کسی وعدے کی زنجیر میں بندھی ہوئی تو نہیں ہو؟"

تاج ایکسپریس پکڑنے کے لیے ان دونوں نے دہلی اسٹیشن پر ہی ملنے کا طے کیا تھا اور پچھلی شام جولی سے جدا ہوتے وقت وہ اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا کہ ہمارے ساتھ آگرہ جانے والا کون ہے؟ تب جولی نے چند لمحوں تک اسے عجیب سی

نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ صبح اسٹیشن پر ملاقات تو ہو گی۔ تب تمہارا تعارف کرا دوں گی۔ یہ جواب دے کر جولی اسے ٹال رہی تھی یا ٹٹول رہی تھی؟ یہ وجے کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ پھر رات کو سوتے وقت اس نے اپنے دل کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اسے جولی کے نجی معاملوں میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے اور اگر اسے کچھ معلوم ہو بھی جائے تو بھی اسے کسی سے جلنا نہیں چاہیے۔ صبح کو وہ جلدی اسٹیشن پر پہنچ گیا تھا اور جولی اور رابرٹ اسمتھ کے انتظار میں کھڑا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں یہ اندازہ لگایا تھا کہ جولی کے ساتھ آنے والا وہی گورا چٹا نوجوان ہو گا جو پچھلی رات سفید ٹویوٹا کار میں جولی کے ساتھ تھا لیکن جب جولی ایک ٹیکسی سے اترتی دکھائی دی تو اسے حیرت بھی ہوئی اور اس نے تھوڑی راحت بھی محسوس کی۔

"تم اکیلی کیوں ہو جولی' وہ رابرٹ کہاں ہے؟" اس نے جولی سے پوچھا تو جولی نے خود ہی حیرت سے پوچھا تھا۔ "کیا رابرٹ اب تک نہیں پہنچا ہے؟"

"میں تو واقف نہیں ہوں۔" وجے نے کہا۔

"ارے اسے تم نے دیکھا ہے۔" جولی نے کہا تھا۔ "اس رات کار میں وہی تو تمہارے ساتھ تھا۔"

"تو کیا وہ بھی تمہارے ساتھ سفارت خانے میں کام کرتا ہے؟"

"نہیں بھئی۔ وہ تو ہمارے سفارت کار کا بیٹا ہے۔" بات کرتے کرتے بھی جولی کی نگاہیں اس کے انتظار میں سڑک پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ ٹرین کو روانہ ہونے میں جب دس منٹ رہ گئے تب بھی رابرٹ نظر نہیں آیا۔ تو وجے نے یوں ہی رسمی طور پر کہا تھا۔ "اس کے بغیر تمہیں نہ جانا ہو تو ہم آج کا پروگرام کینسل کر دیتے ہیں۔"

"اور پانچ منٹ دیکھتے ہیں۔" جولی نے یہ بات کچھ اس طرح کہی تھی کہ وہ ٹھیک طور پر سمجھ نہیں سکا کہ پانچ منٹ بعد وہ واقعی پروگرام کینسل کر دے گی یا آگرہ جانے کے لیے تیار ہو جائے گی؟"

پھر بالکل آخری گھڑی وہ ٹرین میں آ کر بیٹھ گئی تو ایک بار پھر وجے کو راحت محسوس ہوئی کہ چلو یہ رابرٹ کے بغیر چلنے کے لیے تیار تو ہوئی۔ لیکن ٹرین کے چلتے وقت جولی نے کہا تھا۔ "اب دیکھنا رابرٹ اپنی کار پر ہم سے پہلے ہی آگرہ پہنچ جائے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گا۔"

اور یہ سن کر وہ پھر ست ہو گیا تھا لیکن رابرٹ نہ تو اپنی کار پر ان سے پہلے آگرہ پہنچا اور نہ ہی شام تک اس کی کوئی خبر ملی اور تب وجے نے دل ہی دل میں یہ سوچا کہ اب تاج محل کے سائے میں جولی اس کے ساتھ بالکل اکیلی ہی ہو گی۔۔۔

"تم تو پہلے بھی دو بار تاج محل دیکھ چکی ہو۔" ہوٹل سے نکل کر پیدل ہی تاج محل والے راستے پر آگے بڑھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "کیا واقعی وہ بہت خوبصورت ہے؟" لیکن جولی جواب دینے کی بجائے سڑک پر سے گزرتی ہوئی گاڑیوں کو دیکھنے لگی تھی اور تب مجبوراً وجے کو خاموش رہ جانا پڑا تھا مگر جب پانچ سات منٹ تک جولی کی یہی کیفیت رہی تو وہ دل ہی دل میں جھنجھلا گیا۔ یہ تو اس کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اس کے ساتھ نہیں ہے۔

"جولی لاکھوں لوگ تاج محل کو محبت کی نشانی سمجھ کر دیکھنے کے لیے آتے ہیں لیکن کسی شاعر نے تو اس کو ایک شہنشاہ کا غریبوں کے ساتھ مذاق کہا ہے۔" اس کی اس بات پر بھی جولی نے جب کوئی توجہ نہیں دی تو اس نے غصے میں جولی کی کلائی پکڑ لی اور بولا۔ "چلو ہم لوگ یہاں سے واپس چلتے ہیں۔"

"مگر کیوں؟" جولی نے چونک کر پوچھا۔

"کیوں کیا؟" جس چیز کو دیکھنے آئے ہیں اس کے پاس پہنچ کر بھی تمہارا دھیان تو اس پر لگا ہوا ہے جو آنے والا نہیں ہے۔" وجے نے غصے سے جھنجھلا کر یہ بات کہی تھی لیکن جولی کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کر تو اس کی جھنجھلاہٹ اور بھی بڑھ گئی اور وہ بولا۔ "دیکھو رابرٹ کے بغیر اگر تاج محل دیکھنے میں جی نہ لگتا ہو تو میں نے دہلی اسٹیشن پر ہی تمہیں منع کیا تھا اس وقت تم نے انکار کیوں نہیں کیا تھا؟"

"وجے یہ تم نہیں بلکہ تمہارے اندر کی جلن کہہ رہی ہے۔" جولی نے کہا۔

"ہاں۔۔ یہ میرے اندر کی جلن میرے اندر کا حسد بول رہا ہے۔" وجے بھڑک کر بولا۔ "بولو اب کیا کہنا ہے تمہیں؟"

"ہاں کہنا ہے۔" جولی نے بڑے ہی نرم اور پرسکون لہجے میں کہا۔ "حسد محبت میں سے ہی جنم لیتی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ میرا یہ حسد بھی محبت کی پیداوار ہے۔۔۔ اب؟" وجے جوش جوش میں بول گیا۔

"تو اب مجھے یہ کہنے دو کہ تم صرف محبت کرو حسد مت کرو۔" بولتے بولتے جولی کے دونوں گال دھیرے دھیرے سرخ ہوتے دکھائی دیے تو وجے نے گھبرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "آئی ایم سوری جولی۔"

"کس چیز کے لیے سوری؟" جولی نے ہنستے ہنستے پوچھا۔ "میری کلائی پکڑنے کے لیے؟ حسد کا جذبہ دکھانے کے لیے یا اپنی محبت کا اقرار کرنے کے لیے؟"

اچانک وجے کو ایک جواب سوجھ گیا۔ "پہلی بار تم نے جیون ساتھی بننے کی پیش کش کی ہے اس کو قبول کرنے کے لیے۔"

یہ سنتے ہی جولی کے تن بدن میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی اور اس نے اپنی پلکوں کو اس طرح بند کر لیا جیسے وہ اپنے محبوب کو اپنی آنکھوں میں قید کر لینا چاہتی ہو۔ دونوں اس وقت ایک سڑک پر تھے لیکن اس کے باوجود وجے کسی کی سوا بغیر اس کے حسین چہرے کو تکتا رہا۔

"وجے مجھے بھی ایک بات کے لیے تم سے سوری کرنا ہے۔" دھیرے دھیرے پلکیں اٹھاتی ہوئی وہ بولی۔ "ہمارے ساتھ کوئی تیسرا آنے والا ہی نہیں تھا۔"

آگرہ کے لیے میں نے دو ہی ٹکٹیں بک کرائی تھیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ رابرٹ ہمارے ایمبیسڈر کا بیٹا ہے لیکن وہ کنوارا نہیں ہے بلکہ میری کالج کی سہیلی فینسی کا شوہر ہے اور فینسی کی وجہ سے ہی مجھے سفارت خانے میں ملازمت ملی ہے۔" یہ کہہ کر وہ ایک پل کے لیے رکی پھر آگے بولی۔ "اور ایمبسی میں ملازمت کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ آپ جناب دہلی آئیں تو پھر سے ملاقات ہو جائے اور ٹوٹی ہوئی ڈور کو پھر سے جوڑنے کی کوشش کی جائے۔"

وجے کے ہونٹوں پر محبت بھری مسکراہٹ تھی اور وہ خاموشی سے جولی کو دیکھ رہا تھا اور تب جولی کو پھر کہنا پڑا۔ "اب آگے چلنا ہے یا واپس مڑ جانا ہے؟" اور وجے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "آگے بڑھنا ہے مگر اس طرح۔" پھر پاؤں اٹھاتے ہوئے وہ بولا۔ "غروب ہوتے ہوئے سورج کی کرنوں میں چمکتے ہوئے تاج محل کے سائے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں۔۔۔ تمہارا ساتھ مانگنا ہے۔"

اور تب جولی نے شرما کر اپنا چہرہ اپنے دونوں بازوؤں میں چھپا لیا۔

○

اتوار کی شام کو وہ دونوں دہلی واپس آگئے وہ اس قدر خوش نظر آ رہے تھے جیسے انہوں نے اپنے اس مختصر سے ساتھ میں کوئی بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہو۔ رات بھر جاگ کر باتیں کرنے کے باوجود ان کی باتیں ختم نہیں ہوئی تھیں لیکن رات گزر چکی تھی۔ وجے نے آشا کی اس عجیب و غریب خواہش کا ذکر جولی سے کر دیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ دہلی پہنچ کر تم میرے ساتھ میرے نئے مکان پر چلنا تاکہ میں آشا سے تمہارا تعارف کرا دوں تاکہ وہ مجھ سے کسی قسم کی کوئی امید نہ رکھے۔

"تو کیا میرا تعارف کرا کے تم اس سے یہ کہنا چاہتے ہو کہ اپنے بچپن کو جنم دینے کا حق تم نے جولی کو سونپ دیا ہے؟" جولی نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تو وجے پیار بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد جولی نے آگے کہا۔ "تم بہت چالاک ہو اس طرح تم میرے ساتھ اپنی بات پکی کر لینا چاہتے ہو۔"

"کیا کیا جائے۔۔۔ سیدھی طرح بات کی جائے تو انکار بھی ہو سکتا ہے۔" وجے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب میں کوئی نیا تجربہ نہیں کرنا چاہتا۔"

ٹیکسی چانکیہ پوری کے علاقے میں داخل ہو کر ہری پرشاد کے گھر کے سامنے رک گئی تو وجے ذرا نروس سا ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آشا کے سامنے وہ کس طرح کہہ سکے گا کہ جولی میری محبوب ہے؟ لیکن اسے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی کیونکہ وہ دونوں جیسے ہی اپنے اپنے بیگ اٹھائے ٹیکسی سے اترے تو ہری پرشاد کا ملازم لڑکا جنگا دوڑتا ہوا ان کے قریب آگیا اور بولا۔ "بابو جی صاحب اور میم صاحبہ دونوں باہر گئے ہوئے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے رقعہ وجے کی طرف بڑھا کر کہا۔ "صاحب یہ دے کر گئے ہیں۔" وجے نے رقعہ کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا۔ "دوپہر کے وقت آپ کے لیے دو بار فون آ چکا ہے فون کرنے والی نے اپنا نام نہیں بتایا۔ مگر اس نے نمبر لکھا دیا ہے۔ لگتا ہے آپ سے کوئی ضروری کام ہے۔

نیچے لکھے ہوئے نمبروں کو پڑھ کر وجے نے رقعہ جولی کی طرف بڑھا دیا اور کہا۔ "یہ نمبر تو شوبھا کے لگتے ہیں لیکن اسے میرا نمبر کس نے دیا؟"

"میں نے دیا تھا۔" جولی نے اسے چونکا دیا۔

"لیکن اسے اپنا نمبر دینے کی کیا ضرورت تھی جولی؟"

"کیا ساری بات تم یہاں دروازے پر کھڑے کھڑے ہی پوچھ لینا چاہتے ہو؟" جولی نے جواب کو ٹالنے کی کوشش میں کہا۔ "پہلے مجھے اپنے گھر میں لے جاؤ۔"

دونوں اوپر پہنچ گئے تو وجے نے جولی کو گھر دکھایا۔ پھر جولی نے اسے بتاتے ہوئے کہا۔ "میں نے شوبھا کو صرف تمہارا فون نمبر ہی نہیں دیا تھا بلکہ اس نے جو رقم مانگی تھی وہ بھی تم سے پوچھے بغیر دینے کی حامی بھر لی ہے۔"

"لیکن کیوں جولی؟" وجے نے گھبرا کر پوچھا۔

"پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ تمہاری بہن دہلی میں ہے بھی یا نہیں؟ وہ اگر دہلی میں ہے اور شوبھا اس کا پتا معلوم کر لیتی ہے تو اس کے بعد رقم دینے کا سوال اٹھے گا نا؟" جولی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "جب تک پہلا قدم نہیں اٹھے گا اس وقت تک آگے جانے کا کیسے سوچا جائے گا؟"

"لیکن۔" وجے کچھ کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ اس وقت تک جولی نے شوبھا کا ٹیلیفون نمبر ملا کر ریسیور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔"

ریسیور کان پر رکھتے ہوئے اسے شوبھا کی آواز سنائی دی "ہیلو۔"

"پھر وجے کی آواز پہچان کر بولی۔" صبح سے آپ کو خبر سنانے کے لیے بے چین تھی۔"

"کیسی خبر شوبھا؟" وجے کی آواز کانپنے لگی۔ "کس کی خبر؟"

"تمہاری بہن کی۔"

یہ سن کر وجے کا دل یکایک ہی بہت زور سے دھڑکا۔ "پتا لگ گیا؟"

"ہاں" شوبھا کے اس ایک لفظ نے وجے کو ہلا دیا اور اس کے ہونٹ تھرتھرانے لگے۔ "کہاں ہے روکھی؟ کیسی ہے وہ؟ تم نے اس سے بات کی کہ تمہارا بھائی۔۔۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ارے پہلے میری بات تو سن لیں۔" شوبھا نے اسے درمیان میں ہی روک کر کہا۔ "آپ اس قدر بے تاب ہو جائیں گے تو کام بگڑ جائے گا۔ صبر سے کام لیں اور آئندہ کل بارہ اور ساڑھے بارہ بجے کے درمیان وہ جہاں جانے والی ہے وہاں کا نمبر میرے پاس ہے۔ اس لیے آپ میرے پاس آ جائیں تو میں فون پر آپ سے بات کرا دوں گی کیونکہ پہلے تو آپ کو یہ اطمینان کرنا ہے کہ وہی آپ کی بہن ہے یا نہیں؟"

"وہ تو میں اس کی آواز سن کر ہی پہچان جاؤں گا شوبھا۔" وجے کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ "کیا اس وقت فون پر بات نہیں ہو سکتی؟"

"میں نے آپ سے کہا نا کہ صبر سے کام لیں۔" شوبھا اسے ڈانٹنے لگی۔ "چھ سال تک تو آپ نے صبر کر ہی لیا ہے اب ایک رات اور چھ گھنٹے گزارنے آپ کو مشکل ہو رہے ہیں؟"

"ٹھیک ہے میں اور جولی کل بارہ بجے آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔" پھر ریسیور رکھتے رکھتے اسے کچھ یاد آ گیا۔ "میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ اتنی جلدی اس کا پتا معلوم کر لیں گی۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"احسان نہیں--- آپ کو صرف میری رقم یاد رکھنی ہے۔" اتنا کہہ کر دوسری جانب سے شوبھا نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

جولی نے وجے کے ہاتھ سے ریسیور لینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو وجے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "جولی روکھی کا پتا چل گیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے خوشی سے جولی کو اپنے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

○

ساڑھے گیارہ بجے وجے نے گھر کے سامنے سے ٹیکسی پکڑی صبح سے اس نے بڑی بے چینی سے وقت گزارا تھا۔ چھ برس بعد وہ اپنی بہن کی آواز سننے والا تھا بچھڑ جانے والی روکھی آج آواز کے ذریعہ اس سے ملنے والی تھی۔ بہن کے زندہ ہونے کی امید سچ ثابت ہوئی تھی۔ مگر ان چھ سالوں میں اس پر کیا گزری ہو گی؟ اس کی زندگی میں کتنے طوفان آئے ہوں گے؟ اس نے کس طرح کی زندگی اپنا رکھی ہو گی؟ کہیں وہ

اس کی آواز سن کر فون تو نہیں کاٹ دے گی؟

شام کو جولی سے جدا ہوتے وقت اس نے یہ سب سوالات خود سے اور جولی سے پوچھے تھے مگر جولی کے پاس ان سارے سوالوں کا ایک ہی جواب تھا۔ یعنی ہمیں ایک ناگوار اور تلخ حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار رکھنا چاہیے کیونکہ اسی حقیقت کو مدنظر رکھ کر ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ دنیا میں وہی سب نہیں ہوتا جو ہم سوچتے ہیں اور جو کچھ ہونا ہے اسے ہم کسی طرح بھی روک نہیں سکتے۔"

اس جواب پر تو اس نے رات بڑی بے چینی سے گزاری تھی لیکن صبح کے سورج کی تپش جوں جوں تیز ہوتی گئی توں توں اس کے سینے کی آگ اور تیزی سے بھڑک گئی۔ اس پر ہری پرشاد جی نے اوپر آ کر اس کی الجھن میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ ہری پرشاد نے اس کے کمرے میں آ کر کہا تھا۔ "وجے--- مجھے اچانک کھٹمنڈو جانا پڑ گیا ہے۔"

"کب؟" اس نے چونک کر پوچھا تھا۔ "کس لیے کھٹمنڈو جانا ہے؟"

"سرکاری فرمان ہے۔ شری یوراج کی رسم تاجپوشی کی تقریب شروع ہونے والی ہے۔ شاید اگلے مہینے کی تیسری تاریخ ہو۔ اس کی تیاریوں کے سلسلے میں شاید مجھے بھی ساتھ آٹھ روز وہیں رکنا پڑ جائے۔" ہری پرشاد نے رک رک کر آگے کہا۔ "ویسے اچھا ہوا وجے صاحب کہ آپ آگرہ سے واپس آ گئے نہیں تو مجھے آشا کو بھی ساتھ لے جانا پڑتا۔"

ہری پرشاد کے آخری الفاظ نے تو وجے کو بالکل ہی اپ سیٹ کر دیا۔ "پرشاد جی آپ بھابی کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس بہانے وہ وطن میں اپنے عزیزوں سے مل بھی لیں گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن سرکار بیوی کو ساتھ لے جانے اور لے آنے کا خرچ نہیں دے گی۔"

یہ سن کر وجے کا جی چاہا کہ وہ پرشاد جی سے کہہ دے کہ خرچ آپ کو میں دوں گا لیکن بھگوان کے لیے آپ اسے یہاں اکیلا چھوڑ کر تو نہ جائیں، لیکن یہ بات وہ پرشاد جی سے کہہ نہیں سکا مگر اسے خاموش دیکھ کر ہری پرشاد نے بڑے عجیب سے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لہجے میں کہا۔ "مسٹر وجے خوشی کی بات تو یہ ہے کہ اس بار آشا نے بھی ساتھ آنے کی ضد نہیں کی ہے۔" پرشاد جی کی یہ بات سن کر وجے کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"میں تو آپ کو یہ کہنے آیا تھا کہ میری فلائٹ دوپہر کی ہے مجھے دفتر تو جانا ہی نہیں ہے۔ اس لیے ہم تینوں ساتھ ہی لنچ کریں گے۔"

"لیکن بارہ بجے میرا ایک اپائنٹمنٹ ہے۔" وجے نے جلدی سے کہا تھا۔ "مجھے یہاں سے ساڑھے گیارہ بجے نکل جانا ہے۔" وجے نے جان چھڑانے کی کوشش کی لیکن پرشاد جی نے اسے نہیں چھوڑا۔ "کوئی بات نہیں ہم گیارہ بجے کھا لیں گے۔ آپ انکار کر دیں گے تو آشا برا مان جائے گی۔"

یہ سن کر وجے کے دل میں پہلی بار شک پیدا ہوا کہ بات بات پر اپنی بیوی کا نام لینے والا یہ شخص یقیناً اپنی بیوی کے دباؤ میں ہے اور اس سے ڈرتا ہے لیکن پھر بھی باہر سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اپنی بیوی سے اسے شدید محبت ہے۔

"مجبوراً وجے کو ان کے ساتھ کھانا ہی پڑا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ جیسے ہی باہر جانے کے لیے زینے سے اترنے لگا تو اچانک آشا اس طرح اس کے پیچھے لپک کر آ گئی جیسے وہ وجے سے کوئی بے حد ضروری بات کہنا چاہتی ہو۔ اس کی آنکھوں میں عاجزی کی جھلک تھی اور وہ اسے تاکید کرتے ہوئے بولی۔ "پلیز مسٹر وجے آج جلدی آ جائیے گا کیونکہ ہری پرشاد کے جانے کے بعد میں گھر میں بالکل ہی اکیلی رہ جاؤں گی۔"

"آپ فکر مند نہ ہوں میں جلدی آ جاؤں گا۔" وجے کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ تھی اور اس کے لہجے میں بھی ایک عجیب سا طنز تھا۔ "لیکن اکیلا نہیں آؤں گا آپ کو شاید یاد ہو گا کہ آج کھٹمنڈو سے میرا دوست آنے والا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جلدی جلدی زینے اترنے شروع کر دیے پھر وہ اسی رفتار سے گیٹ کے باہر بھی نکل گیا۔

جولی کے ساتھ یہ طے ہوا تھا کہ پونے بارہ بجے وہ اسے اس کے گھر کے باہر اپنی ٹیکسی میں پک کرے گا۔ لیکن جب مقررہ وقت سے پانچ منٹ قبل ہی اس کی ٹیکسی وہاں پہنچ گئی تب بھی اس نے جولی کو اپنا منتظر ہی پایا۔ اسے اپنے انتظار میں

ٹہلتے ہوئے دیکھ کر وجے نے دل ہی دل میں کہا۔ "میری طرح یہ خود بھی بڑی بے چین ہو گئی ہے۔"

"مجھے یقین تھا کہ میری گھڑی پانچ سات منٹ پیچھے ہے۔" اپنے جلدی آنے کی وضاحت کرتے ہوئے جولی نے کہا اور پھر پوچھا۔ "تمہاری گھڑی میں کتنے بجے ہیں؟"

"جتنے تمہاری گھڑی میں بجے ہیں۔" وجے نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور مسکراتے ہوئے آگے بولا۔ "ہم دونوں میں سے کسی کی گھڑی بھی پیچھے نہیں ہے بلکہ ہم دونوں ہی وقت سے پہلے آ گئے ہیں۔"

اس کے بعد دس منٹ تک وہ دونوں خاموشی سے ٹیکسی میں بیٹھے رہے پھر جب ٹیکسی شوبھا کے گھر کے باہر آ کر رک گئی تو وجے نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ "سردار جی ہمیں یہاں تقریباً آدھا پون گھنٹا لگ جائے گا اگر آپ کو چائے وغیرہ پینی ہے تو آس پاس میں کہیں جا کر پی لیں۔ اس کے بعد ہمیں ایئرپورٹ جانا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" سردار جی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بندہ آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔ توسی آرام نال جاؤ۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی ٹیکسی ایک طرف پارک کر دی۔

"لگتا ہے صاحب آج بہت زیادہ خرچ کرنے کے موڈ میں ہیں۔" جولی نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے پرمذاق لہجے میں کہا۔ "ٹیکسی کو چھوڑ دینے کی بجائے کیوں روک رکھا ہے؟"

"اس لیے کہ پاپ کی دولت جتنی جلدی خرچ ہو جائے اتنی جلدی مجھے اس سے چھٹکارا مل جائے گا۔" وجے نے ایک گہرا سانس چھوڑتے ہوئے کہا اور شوبھا کے گھر کے دروازے پر لگی ہوئی کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی اور کہا۔ "ٹیلیفون پر رگھوپتی نے بھی ایک لاکھ روپے کا انتظام رکھنے کے لیے۔۔۔"

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ دروازہ کھل گیا اور شوبھا سامنے کھڑی ہوئی دکھائی دی۔

"آ گئے آپ دونوں۔" ان دونوں کو باری باری دیکھنے کے بعد شوبھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آگرہ کی لال مٹی کی لالی اور تاج محل کے سفید پتھروں کی چمک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دونوں کے چہروں پر صاف دکھائی دے رہی ہے۔"

شوبھا کا یہ ہنستا مسکراتا ہوا جملہ سن کر ایک لمحے کے لیے جولی اور وجے کو یوں لگا جیسے ان کے پیار کی چوری پکڑی گئی ہے مگر دونوں میں سے کسی نے بھی شوبھا کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے پیچھے گھر کے اندر داخل ہو گئے۔

"میں کل فون پر آپ کو یہ بتانا بھول گئی تھی کہ دوپہر کا کھانا میرے غریب خانے پر کھایئے گا۔" اپنے باریک گاؤن کا اوپری بٹن بند کرتے ہوئے شوبھا نے کہا۔

"اپنے ہاتھ سے کچھ پکانے کا تو وقت ہی نہیں ملا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل ہی بستر سے اٹھی ہوں ساری رات کی جاگی ہوئی تھی۔ بابا بھی اب شام سے پہلے نہیں اٹھیں گے۔"

وجے ہر شام کو کھلنے اور ہر صبح کو مرجھا جانے والی شوبھا کو تاکتا رہا اور دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ آئندہ پانچ برس میں اس کی جوانی ڈھل جائے گی اور تب یہ باپ بیٹی کیا کریں گے؟ شاید اسی لیے اپنے مستقبل کے لیے روپیا جمع کرنے یہ بے چاری روزانہ رات کو اپنا جسم جلانے جاتی رہتی ہے۔۔

"ہم دونوں تو کھا پی کر آئے ہیں شوبھا۔" چند لمحوں کی تاخیر کے بعد وجے نے جواب دیا اور پھر اس سے پوچھا۔ "بارہ بج چکے ہیں اب ہمیں فون کرنا ہے نا؟"

"ابھی تھوڑی دیر ہے۔" شوبھا نے کہا۔ "بارہ بجے تو وہاں پہنچے گی وہ۔"

"وہاں؟" وجے کے منہ سے اچانک نکل گیا۔ "کیا مطلب؟"

وجے اپنے سوال کا جواب جاننے کے لیے بے قرار تھا لیکن شوبھا نے بڑی چالاکی سے اسے ٹال دیا تھا۔ جس پر وجے کھسیا کر رہ گیا پھر جب شوبھا دوسرے کمرے میں چلی گئی تو اس نے جولی کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "شاید وہ یہ سوچ رہی ہو گی کہ اگر ہمیں ابھی سے روکھی کے ٹھکانے کا علم ہو گیا تو کہیں ہم اسے درمیان سے ہٹا کر اپنا کام نہ نکال لیں اور وہ ہم سے ملنے والی رقم سے محروم نہ ہو جائے۔"

لیکن شربت کے تین گلاسوں کے ساتھ واپس آنے والی شوبھا نے اس کا یہ شک دور کر دیا۔ اس نے شربت کے گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ اس وقت ایک

بیوٹی پارلر میں آنے والی ہے۔ جہاں میں اسے فون کروں گی۔ چار روز قبل جب آپ نے اپنی بہن کو تلاش کرنے کے لیے کہا تھا تو اس وقت مجھے یہ کام بہت ہی مشکل محسوس ہوا تھا۔ میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ جب میں اپنے گاہکوں کو کمپنی دینے کے لیے جاتی تھی تب بھی میرے دل و دماغ پر آپ کی بہن کے ہی خیالات چھائے رہتے تھے۔" بولتے بولتے شوبھا چند لمحوں کے لیے رکی اور پھر ایک گہرا سانس لے کر آگے بولی۔ "لیکن اچانک میرے دماغ میں بجلی سی کوند گئی۔ مجھے خیال آیا کہ خوبصورت نظر آنے کے لیے جوان لڑکیاں آج کل بیوٹی پارلر میں ہی جایا کرتی ہیں اور مجھے روکھی کی تلاش میں وہیں سے ابتدا کرنی چاہیے۔ بس پھر زنجیر کی کڑی مل گئی اور مجھے اس کا پتا چل گیا۔"

وجے یہ ساری تفصیل سن کر پوچھنا چاہتا تھا کہ کہیں میری بہن روکھی بھی تمہاری طرح کال گرل تو نہیں بن گئی؟ لیکن اسے پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ ٹھیک اسی وقت شوبھا اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور دوسرے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔ "میں اندر سے فون لے کر آتی ہوں۔"

تب وجے کو لگا کہ شاید شوبھا اسے ٹٹولنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس لیے وہ جلدی سے شربت کا گلاس خالی کرتے ہوئے بولا۔ "ہمیں یہاں سے ایئرپورٹ بھی جانا ہے۔" اس کی یہ بے چینی دیکھ کر جولی خاموش نہ رہ سکی اور اس نے وجے کو ٹوکتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ دیکھو تمہیں ذرا سکون سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور تمہاری جلد بازی کہیں بنا بنایا کام نہ بگاڑ دے۔"

جولی کی بات سن کر وجے نے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ زبان سے کچھ نہیں بولا۔ شوبھا ٹیلیفون سیٹ لے کر آ گئی اور اسے میز پر رکھ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ تینوں اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے تھے۔ ماحول بہت گھمبیر اور تنگ سا محسوس ہو رہا تھا۔ تینوں کی نگاہیں سینٹرل ٹیبل پر رکھے ہوئے فون پر جمی ہوئی تھیں۔

"فون کرنے سے پہلے میں ایک بات بتانا ضروری سمجھتی ہوں۔" شوبھا نے ٹیلیفون سیٹ اپنی جانب کھینچتے ہوئے کہا۔ "میں کون سا نمبر ملاتی ہوں یہ جاننے کی کوشش مت کیجئے گا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اس کے لیے میں قسم کھانے کو تیار ہوں--- آپ---" وجے نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ شوبھا نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی اور خود ہی بول پڑی۔ "دیکھیے وجے صاحب ہمارے درمیان اب قسمیں کھانے والی بات نہیں رہی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے فون پر آنے سے پہلے میں ریسیور آپ کے ہاتھ میں دے دوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" وجے نے اس طرح گردن ہلائی جیسے وہ شوبھا کی تمام شرائط ماننے کے لیے خود کو پوری طرح تیار کر چکا ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک جب شوبھا کو دیکھتا رہا تو شوبھا نے پھر کہا۔ "اور ایک ضروری بات یہ ہے کہ آپ اسے اپنا نام بتا کر بات شروع مت کیجئے گا۔"

"وہ کیوں؟" وجے نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لیے کہ کہیں وہ آپ کا نام سنتے ہی فون نہ رکھ دے۔" شوبھا نے اس طرح اسے سمجھایا جیسے اس نے یہ ساری بات پہلے ہی سے سوچ رکھی ہو۔ "اتنے برسوں تک اس نے اپنے گھر والوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے بارے میں کسی کو بتانا نہیں چاہتی۔ شاید وہ اپنی نظروں میں بھی خود کو مردہ سمجھنے لگی ہو مگر اچانک آپ کا نام سن لینے کے بعد ہو سکتا ہے وہ گھبرا جائے اور نہ جانے کیا کر بیٹھے اس لیے آپ کو ذرا احتیاط سے کام لینا ہو گا۔"

وجے نے بڑی توجہ سے اس کی بات سنی اور دل ہی دل میں اس کی ہوشیاری اور عقل مندی کی تعریف کرنے لگا۔ وہ دھیرے دھیرے شوبھا کی سوجھ بوجھ کا قائل ہوتا جا رہا تھا۔

"ہو سکے تو اس پہلی بات چیت میں آپ اس پر یہ ظاہر ہی نہ ہونے دیں کہ آپ اس کے بھائی ہیں۔" یہ کہہ کر شوبھا ڈائل گھمانے لگی اور تب وجے کا جی چاہا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر شوبھا کو نمبر ملانے سے روک دے۔ اصل میں وہ شوبھا سے مشورہ کرنا چاہتا تھا کہ اگر وہ روکھی کو اپنا نام نہیں بتاتا تو پھر اسے کس کا نام بتانا چاہیے؟ گفتگو کا آغاز کس طرح کرنا چاہیے؟ کس موضوع پر بات کرنی چاہیے؟

لیکن اس سے پہلے ہی شوبھا ڈائل پر چھ ہندسے گھما چکی تھی اور شوبھا کی آنکھوں میں ایسی چمک بھی نظر آ رہی تھی جیسے وہ دوسری طرف بجنے والی گھنٹی کی آواز کو سن رہی ہو۔ وجے اس کے چہرے کو گھور رہا تھا مگر خود اس کے جبڑے کی نسیں ابھر آئی تھیں۔

"کون آنٹی؟" اچانک شوبھا نے ٹیلیفون کا ریسیور کان پر دباتے ہوئے پوچھا۔

"وہ آ گئی؟"

وجے سانس روکے بیٹھا رہا۔ شوبھا نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر اس طرح گردن ہلائی تھی جیسے دوسری جانب سے اسے "ہاں" میں جواب ملا ہو۔ پھر یکایک ہونٹوں پر ہنسی بکھیر کر اس نے ریسیور وجے کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور دھیرے سے بولی۔ "وہ آ رہی ہے۔" ریسیور ہاتھ میں لے کر وجے نے "ہیلو" بولنا چاہا لیکن اسے اپنا گلا اس طرح پھنسا ہوا محسوس ہوا کہ آواز ہی نہ نکل سکی۔ آنکھیں بند کر کے وہ چند لمحوں تک بھگوان کو یاد کرنے لگا اور تب ہی ایک مدھم اور باریک سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرا گئی۔ "ہیلو کون ہے؟" آواز سنتے ہی وجے کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئیں۔ وہ صرف ان دو ہی لفظوں میں اپنی بہن روکھی کی آواز کو پہچان گیا تھا۔ اس کے دل کے اندر بھڑکنے والی آگ یکایک ہی اس کے گلے تک آ گئی۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ روکھی میں ہوں--- تمہارا وجے--- تمہارا بھائی لیکن حقیقت کا احساس ہوتے ہی اس نے سارے جذبات کو واپس دل کی آگ میں جھونک دیا۔ اتنی دیر میں دوسری جانب سے پھر پوچھا گیا۔ "کون ہیں آپ؟ آپ کچھ بولتے کیوں نہیں ہیں؟"

"میں--- میں--" وجے بوکھلا گیا اور اپنے تعارف کے لیے کوئی نام ڈھونڈنے لگا پھر اچانک اس کو ایک نام سوجھ گیا اور وہ جلدی سے بولا۔ "میں-- میں پرشورام--" اسے یقین تھا کہ ایک اجنبی سا نام سن کر دوسری طرف فون بند کر دیا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ پرشورام کے نام نے تو روکھی پر اپنا اور ہی اثر چھوڑ دیا تھا۔

○

"کیا؟ کیا آپ واقعی پرشورام ہیں؟" دوسری جانب سے پوچھا گیا۔

"ہاں--- ہاں" وجے کو کہنا پڑا۔ "مگر آپ اس طرح حیران کیوں ہو رہی ہیں؟"

"کیونکہ" روکھی کی آواز میں شک کے ساتھ ساتھ خوشی کی جھلک بھی نمایاں محسوس ہو رہی تھی۔ "ان لوگوں کا تو یہ کہنا ہے کہ پرشورام دنیا سے رخصت---"

وجے کے دل پر کسی نے زبردست گھونسا مار دیا ہو۔ وہ ایک پل کے لیے تلملا کر رہ گیا ایک ساتھ کئی سوالات اس کے ذہن میں چکرا گئے کیا روکھی پرشورام کو جانتی ہے؟ کیا اسے پرشورام کی موت کا بھی علم ہے؟ پرشورام کی موت کے بارے میں بتاتے بتاتے اس کی آواز کیوں رک گئی؟ ان لوگوں سے کیا مراد ہے؟ کون ہیں وہ لوگ؟ یہی سب سوالات وہ روکھی سے پوچھنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے پھر اس کی آواز سنائی دی۔ "لیکن آپ ہی پرشورام ہیں اس کا کیا ثبوت ہے؟"

روکھی کے اس سوال نے اسے الجھن میں ڈال دیا۔ ایک طرف دل میں خوشیاں مچل رہی تھیں بہن کو روکھی کہہ کر مخاطب کرنے کے لیے زبان ترس رہی تھی اور بھائی کہہ کر اپنا تعارف کرانے کے لیے اس کا پورا وجود تڑپ رہا تھا۔ اس کا دماغ اس وقت ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار تھا اور اس دباؤ سے اس کی آنکھوں کے گوشے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔

"میں پرشورام ہی ہوں۔ اس کا اگر آپ کو اطمینان کرنا ہو تو آپ جہاں کہیں میں ملنے کے لیے وہیں آ جاتا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "روبرو ملاقات ہو جائے گی تو آپ کو یقین آ جائے گا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"نہیں' نہیں۔" دوسری جانب سے روکھی نے خوفزدہ سی آواز میں کہہ دیا۔ "ایسا کرنا بھی مت--- آپ پرشورام ہیں اس کی تسلی کرانے کے لیے آپ مجھے کوئی خاص اشارہ ہی بتا دیں۔"

"اشارہ؟" آنکھوں کے بھیگے ہوئے کونوں میں آنسوؤں کی دو بوندیں لڑھک کر وجے کے گالوں پر آ گئیں۔ جولی اور شوبھا گردن اٹھائے اسے مسلسل تک رہی تھیں۔ وجے کے چہرے پر ابھری ہوئیں درد کی لکیروں نے ان دونوں عورتوں کا دل بھی چھلنی کر دیا تھا۔

تو سنے تھوڑی دیر بعد وجے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ٹائم بم۔" اور پھر سچ مچ جس طرح بم پھٹنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے بالکل اسی طرح دوسری طرف بھی مکمل سناٹا اور خاموشی طاری ہو چکی تھی۔ وجے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے یوں ہی ایک نام لے لیا تھا لیکن اس نام نے اتنی کھلبلاہٹ سی کیوں مچا دی؟ نشانی سن کر روکھی نے خاموشی کی چادر کیوں اوڑھ لی؟ وجے کو اب ہر بات بے حد پراسرار سی لگنے لگی تھی۔

"پرشورام بھائی" دوسری طرف سے بہت ہی دھیمی مگر جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی تو بھائی کے لفظ نے وجے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ آپ ہی آپ بول پڑا۔ "بولو بہن کیا بات ہے؟"

"آپ رو رہے ہیں؟"

اس سوال سے وجے اور بوکھلا گیا مگر پھر بھی وہ جلدی سے بولا۔ "نہیں--- نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

لیکن اس کی آواز کی تھرتھراہٹ شاید دوسری جانب محسوس کر لی گئی تھی۔

"گھبرانا نہیں--- میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ہمت سے کام لیجئے۔" روکھی اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "پرشورام بھائی میں آپ کی لکھی ہوئی تحریر پڑھ چکی ہوں اس کے ایک ایک لفظ میں سچائی ہے۔"

"مگر وہ فائل آپ کے ہاتھ---؟"

"بس زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" دوسری طرف سے روکھی نے دھیمی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آواز میں کہا۔ "بسواس پبلشر کے مالک بی کے اگروال نے شاید نقلی فائل کا سودا کر لیا ہے لیکن کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل فائل تو آپ کے پاس محفوظ ہے نا؟"

"ہا---ں---" وجے کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"تو پھر اس بات کا خیال رکھیے گا کہ وہ فائل کسی صورت میں اگروال کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔" کہہ کر روکھی چند لمحوں کے لیے چپ سی ہو گئی مگر پھر وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "دیکھیے آپ اپنے اس مسودے کو شائع کرنے کی کوشش کریں اور کسی کو بھی اس کا علم نہ ہونے دیں۔ اس کی چھپائی کا تمام خرچ میں آپ کو دوں گی---"

"لیکن آپ ملے بغیر خرچ کی رقم---" وجے کو اب پوچھنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس لیے اس نے پوچھنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف سے روکھی نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "میں نے آپ سے کہا نا کہ آپ ملنے کی بات فی الحال نہ کریں۔ آپ آئندہ پیر کے روز ٹھیک اسی وقت اسی نمبر پر فون کیجئے گا لیکن اس بات کا خیال رہے کہ فون نمبر سے پتا معلوم کر کے مجھ سے ملنے کے لیے اگر آپ آئیں گے تو میں آپ کو پہچاننے سے انکار کر دوں گی اور آپ سے نہیں ملوں گی۔ دراصل نہ ملنے میں ہی ہماری سلامتی ہے سمجھے؟" اتنا کہہ کر دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور وجے کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ کر اس کی گود میں آ گرا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر جولی اور شوبھا جو ابھی تک اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو خاموشی سے دیکھ رہی تھیں اس سے کچھ بھی نہ پوچھ سکیں۔ وجے کو اپنے اندر اٹھے ہوئے طوفان پر قابو پانے میں تھوڑی دیر لگی۔ وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے کچھ دیر تک تو بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کی حالت اس وقت ایسی تھی کہ اگر اس کے سامنے دو عورتیں بیٹھی نہ ہوتیں تو شاید وہ رو پڑتا۔

"تھینک یو شوبھا۔" تھوڑی دیر بعد اس نے ریسیور اٹھا کر کریڈل پر رکھ دیا اور اپنی آواز کی تھرتھراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "دراصل کتنے برسوں بعد میں نے روکھی کی آواز سنی تھی اس لیے جذباتی ہو گیا تھا۔"

"لیکن کیا اس نے آپ کی آواز نہیں پہچانی؟" شوبھا نے پوچھا۔

"میری آواز بے حد جذباتی ہو گئی تھی۔" وجے نے جواب دیا۔ "اور اسی رندھی ہوئی آواز نے اسے بھٹکا دیا ہو گا۔"

"مگر آپ نے اسے جس پرشورام کا نام بتایا تھا۔ اس کی آواز تو وہ پہچانتی ہی ہو گی؟" شوبھا نے پھر کہا۔ اس کے اس سوال سے وجے کو یوں لگا جیسے وہ اس سے پرشورام کی حقیقت بھی کریدنا چاہ رہی ہو۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے سوچا کہ روکھی سے ہونے والی اس کی بات چیت شوبھا اور جولی نے تو نہیں سنی ہو گی لیکن اس نے پرشورام اور ٹائم بم کا لفظ تو ضرور ہی استعمال کیا تھا اس لیے اسے اس کی وضاحت ضرور کر دینی چاہیے۔ اور پھر سچ مچ ہی وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے بول پڑا۔ "کچھ سال پیچھے کی بات ہے کہ پرشورام نامی ایک شخص بنارس سے کٹھمنڈو آیا تھا اور ہمارے گھر مہمان تھا۔ اس نے میری بہن روکھی کو "ٹائم بم" کی ایک کہانی سنائی تھی۔ اس لیے جب میں نے روکھی کو پرشورام کا نام بتایا تو اسے وہ ٹائم بم والی کہانی یاد آ گئی۔ اسے کہانی تو یاد آ گئی تھی لیکن کہانی کا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ پھر جب میں نے اسے نام بتایا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے اس کہانی کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے یا نہیں؟ پھر مجھ سے کہا کہ آپ اس کہانی کو شائع کرنے کی کوشش کریں اس کا تمام خرچ میں آپ کو دوں گی لیکن اس نے مجھے روبرو ملنے سے منع کیا ہے۔"

"اس نے آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ یہ نمبر آپ کو کیسے ملا؟" شوبھا بڑے ہی تحمل سے پوچھ رہی تھی لیکن وجے اس کے سوالوں سے گھبرا سا رہا تھا۔ جولی اس کی ذہنی کیفیت کو تاڑ گئی۔ وہ خود بھی وجے سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن شوبھا کی موجودگی میں وہ کچھ پوچھ نہیں سکتی تھی۔ اس لیے اس نے وجے کو یاد دلاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "نیپال سے آنے والی فلائٹ کا وقت ہو گیا ہے۔" پھر اس نے شوبھا کو مخاطب کیا۔ "ہم پھر ملیں گے تو یہ بھی سوچ لیں گے کہ روکھی سے ملنے کے لیے آگے ہمیں کیا کرنا ہو گا۔ ٹھیک ہے نا؟" یہ کہتے کہتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وجے نے اطمینان کا سانس لیا پھر بھی اس نے شوبھا سے کہا۔ "اس نے مجھے آئندہ پیر کے روز اسی وقت فون کرنے کے لیے کہا ہے لیکن مجھ سے اب صبر نہیں ہو گا۔ تم مجھے اپنی رہائش گاہ کے بارے میں بتا دینا تاکہ میں رقم کا انتظام کروں۔" یہ کہہ کر وہ جولی کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پیچھے چلنے لگا اور پھر جاتے جاتے بولا۔ "شوبھا میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" شوبھا نے مسکرا کر کہا۔ "ضرورت محسوس ہو تو پھر آیئے گا۔"

○

پالم ایئرپورٹ تک پہنچتے پہنچتے جولی نے وجے سے اس کی اور روکھی کی فون پر ہونے والی بات چیت کی پوری تفصیل جان لی تھی۔ اس کے بعد دونوں کے ذہنوں میں بے شمار سوالات اٹھنے لگے تھے۔ جن میں سے سب سے پہلا سوال تو یہ تھا کہ پرشورام کی فائل سے روکھی کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ وہ اس فائل میں بند تحریر کو کتابی شکل میں چھپوانے کے لیے کیوں سارا خرچ برداشت کرنے کے لیے تیار ہے؟ اور پرشورام مر چکا ہے یہ بات روکھی کو بتانے والا کون ہے؟ روکھی پرشورام سے روبرو ملنے سے کیوں اس قدر گھبرا رہی ہے؟ اور نہ ملنے میں ہی دونوں کی سلامتی ہے یہ بات اس نے کیوں کہی تھی؟

"جولی--- کسی طرح بھی ہو اس فائل کو حاصل کرنا ہی ہو گا۔" وجے بار بار بڑبڑا رہا تھا جیسے وہ دل ہی دل میں کہہ رہا ہو۔ اس کے دماغ میں ٹوٹی ہوئی زنجیر کی کڑیاں مچل رہی تھیں۔ روکھی نے ٹیلیفون پر ہونے والی گفتگو کے دوران یہ کہا تھا کہ بی کے اگروال نے نقلی تحریر کا سودا کر لیا ہے لیکن اصل تحریر تو آپ کے پاس ہے نا؟ اور روکھی کی اس بات کا صاف مطلب یہ ہی تھا کہ اس تحریر کی پرشورام نے دو فائلیں بنائی ہوں گی جس میں سے ایک اس نے اگروال کو پڑھنے کے لیے دی ہو گی۔ جسے اگروال نے بلیک میلنگ کے لیے استعمال کیا ہے۔ یقیناً پرشورام کی تحریر "ٹائم بم" میں ملک کی بہت بڑی شخصیت کی پس پردہ کہانی پوری سچائی سے لکھی گئی ہو گی اور پرشورام کی بھیانک موت کا ذمہ دار بھی وہی شخص ہو گا۔ اس نے ایک طرف تو اگروال کے ذریعہ پرشورام کو دہلی بلایا ہو گا اور دوسری طرف سے اپنے آدمی الہ آباد بھیج کر اس کا دہلی تک تعاقب کرایا لیکن پرشورام کی اصل تحریر والی فائل پر قبضہ کر لینے سے چونکہ اس کا کام پورا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اگر پرشورام زندہ رہ جاتا تو وہ پھر

وہی سب کچھ لکھ سکتا تھا جو اس نے پہلے لکھا تھا۔ اس لیے اس درندے نے پہلے اس کی فائل چھین لینے اور پھر اسے ختم کر دینے کی سازش تیار کی ہو گی۔

اس نے پرشورام کی زندگی تو چھین لی لیکن اس کی چھینی گئی بیگ میں سے جب فائل نہیں ملی تو اس نے میرا پیچھا شروع کر دیا۔ وجے ابھی یہ ہی سب باتیں سوچ رہا تھا کہ کھٹمنڈو سے آنے والی فلائیٹ کا اعلان ہو گیا۔ لیکن وجے ابھی تک خیالوں میں گم تھا۔ اس کی طویل خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے جولی کو اس سے کہنا پڑا۔ "رگھوپتی کا جہاز لینڈ کر چکا ہے وجے۔ تم فکر نہ کرو ہم اس سے مل کر اور مشورہ کر کے کوئی حل ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"رگھوپتی سے مشورہ؟" وجے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا اور اس کا ذہن کسی اور ہی سمت بھٹک گیا۔ اسے رگھوپتی کے باہر آنے سے پہلے ایک فیصلہ کر لینا تھا۔ جس شخص کو سب سے پہلے یہ بات بتانی چاہیے تھی اسی شخص سے وہ اس بات کو چھپانا چاہتا تھا اور اس کے اس فیصلے نے تو ایک لمحے کے لیے اسے کپکپا کر رکھ دیا تھا۔ پھر وہ بڑی ہمت کر کے بولا۔ "جولی روکھی کے ساتھ فون پر ہونے والی بات چیت کو ہمیں رگھوپتی سے چھپائے رکھنا ہے۔"

"اوں---" اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی جولی چونک پڑی اور کہا۔ "مگر یہ خبر تو میں اسے سنانے کے لیے بڑی دیر سے تڑپ رہی ہوں۔"

"کبھی کبھی تو کسی بہتری کے لیے اپنے آپ کو بھی دھوکہ دے کر سچائی کو چھپانا پڑتا ہے جولی۔" وجے نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہا۔ "روکھی زندہ ہے یہ جانتے ہی رگھوپتی خوشی سے ناچ اٹھے گا لیکن اس کے باوجود ہمیں ایسی کسی گھڑی کو ٹالنا ہی ہو گا۔"

"اس لیے کہ روکھی شوبھا کی طرح کال گرل بن---" جولی آگے نہ بول سکی۔

"نہیں اس لیے نہیں۔" وجے نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔ "یوں تو رگھوپتی بہت کھلے دل کا آدمی ہے لیکن یہ جان لینے کے بعد بھی کہ روکھی کیا بن چکی ہے وہ اس سے ملنے میں ذرا بھی تاخیر برداشت نہیں کرے گا۔ اس کے دل میں انتقام کی آگ جل رہی ہے۔ ایسے میں کیا معلوم وہ کیا کر بیٹھے؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سمجھ گئی۔ کہہ کر جولی سوچ میں پڑ گئی پھر چند لمحوں کے بعد بولی۔ "لیکن ہم کب تک اس سے پوشیدہ رکھ سکیں گے؟ اب تو ہر معاملے میں وہ ہمارے ساتھ ہی ہو گا اور شاید یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بات دیر سے بتانے پر وہ ہمیں معاف نہ کرے۔"

پھر اس سے پہلے کہ وجے کوئی جواب دیتا انہیں رگھوپتی سامان سمیت کسٹم سے باہر آتا ہوا دکھائی دیا۔ وجے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے تیزی سے اس کی جانب لپکا۔ رگھوپتی نے اپنا سوٹ کیس فرش پر رکھ دیا اور وجے کی بانہوں میں سمٹ گیا۔

"تمہارے بغیر یہ دس روز دس سال جتنے طویل گزرے ہیں وجے۔۔" رگھوپتی اپنی گلوگیر آواز میں اور بھی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ٹھیک اسی وقت اس کی نظر وجے کے پیچھے کھڑی جولی پر پڑ گئی اور پھر اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ اچانک وجے کی گرفت سے نکلا اور آگے بڑھ کر جولی کو دیکھنے لگا۔

"ویلکم ٹو دہلی رگھوپتی۔" جولی نے ہاتھ بڑھا کر کہا تو رگھوپتی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دوسرا ہاتھ وجے کی کمر میں حمائل کرنے کے بعد شکایتی لہجے میں کہا۔ "یہ بات تم نے کیوں مجھ سے چھپائی وجے کہ جولی بھی یہاں تمہارے ساتھ ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دہلی میں ملنے کی سازش تم لوگوں نے کھٹمنڈو میں ہی بنا لی تھی؟"

"اس کے علاوہ بھی کئی باتیں تھیں رگھوپتی جو میں کل کہہ نہیں سکا تھا۔" یہ کہہ کر وجے نے اس کا سوٹ کیس اٹھا لیا اور کہا۔ "اب گھر چلو اور راستے میں تمہیں جھگڑنے کی پوری آزادی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تم دونوں نے ایک گھر بھی بنا لیا ہے؟"

"ہاں مسٹر رگھوپتی۔" جولی نے اسے چونکاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "ہم دونوں نے گھر تو بنا لیا ہے لیکن الگ الگ۔"

"تو مجھے کس کے ساتھ رہنا ہو گا؟" ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے رگھوپتی نے مذاق کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں ایسا کرتا ہوں کہ باری باری ایک ایک دن دونوں کے پاس رہ لوں گا ٹھیک ہے؟"

ٹیکسی چل پڑی تو وجے رگھوپتی سے یہ پوچھنے کے لیے بے قرار ہو گیا کہ اس

کے پتا جی کیسے ہیں؟ لیکن یہ سوال پوچھنا اسے فی الحال خطرناک لگ رہا تھا۔ اس لیے اس نے گھر والوں کی خیریت پوچھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور جو تازہ صورت حال تھی اس سے رگھوپتی کو بھی واقف کرا دیا۔ الہ آباد ایکسپریس میں اچانک مل جانے والا پرشورام اور اس کی دی ہوئی ٹائم بم فائل پھر دہلی اسٹیشن کے باہر اس کی حادثاتی موت نیپال بھون میں روم نمبر تین میں فائل کو چھپانے اور پھر تحریری طور پر ملنے والی دھمکی کا سارا احوال اس نے رگھوپتی کے گوش گزار کر دیا۔

وجے کی یہ داستان سن کر رگھوپتی کو یقین ہی نہیں آیا وہ ساری کہانی سن لینے کے بعد بڑی حیرت سے وجے کو دیکھنے لگا اور پھر بولا۔ "دہلی آتے ہی تمہارے ساتھ اتنا سب کچھ ہو گیا لیکن پھر بھی تم نے مجھے اطلاع نہیں دی؟"

"یہ سب باتیں فون پر کرنا خطرناک تھا رگھوپتی۔" وجے نے کہا۔ "ورنہ تم سے چھپانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔"

"لیکن اب ہمیں اس فائل کے لیے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" رگھوپتی نے دلیل پیش کی۔ "بلکہ ہمیں تو اس سے بھی زیادہ ایک اہم کام کرنا ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ تم مجھے روکھی کے بارے میں کوئی اچھی خبر سناؤ گے۔"

رگھوپتی کے منہ سے روکھی کا نام سن کر وجے کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ جب وہ کچھ بول نہیں سکا تو جولی نے فوراً ہی اس نازک معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولی۔ "اصل بات یہ ہے رگھوپتی کہ پرشورام کی وہ فائل ہی ہمیں روکھی تک پہنچنے میں مدد دے سکتی ہے۔ اس لیے وہ ہمارے لیے ضروری ہے۔"

"وہ کس طرح؟" رگھوپتی نے پوچھا۔

"اس میں ایک ایسے درندے کا ذکر ہے جس نے بے شمار لڑکیوں کو برباد کیا ہے۔" جولی نے ٹھہر ٹھہر کر اسے بتایا۔ "رگھوپتی بھائی اگر ہم اسی طرح بحث کرتے رہے تو وہ فائل ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ وجے نے اسے پانی کی ٹنکی میں چھپا دیا تھا اور اس بات کو آج ساتواں دن ہو چکا ہے۔"

"تب تو پانی کی ٹنکی میں ساری تحریر مٹ چکی ہو گی اور کاغذات بھی گل چکے ہوں گے۔" رگھوپتی نے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہو گا۔" وجے نے بتایا۔ "میں نے اسے ایک پلاسٹک کی موٹی تھیلی میں بند کر کے بڑی احتیاط سے ٹنکی میں رکھا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ پلاسٹک کی وجہ سے اس پر پانی کا اثر نہیں ہوا ہو گا۔" بولتے بولتے یکایک وجے کو لگا کہ وہ فائل کا ذکر چھوڑ کر کیوں نہ رگھوپتی سے پوچھے کہ کھٹمنڈو میں روکھی کے بارے میں کون سی کڑی ہاتھ لگی ہے؟ دوسری طرف رگھوپتی بھی یہ ہی سوچ رہا تھا لیکن جولی اور وجے کو اس فائل کے لیے بے قرار دیکھ کر اس نے کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور پھر اچانک ہی اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے ٹیکسی روکنے کے لیے کہہ دیا۔ جولی اور وجے نے ٹیکسی رکتے ہی حیرت سے رگھوپتی کی طرف دیکھا تو وہ ہنس کر بولا۔ "یہاں سے تمہارا گھر کتنی دور ہے وجے؟"

"بس اب صرف پانچ منٹ کا راستہ ہے۔" وجے بولا۔

"اور نیپال بھون کتنی دور ہے؟" رگھوپتی نے پھر پوچھا۔

"تقریباً پندرہ منٹ کے فاصلے پر۔"

"تب پھر میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر نہیں چلوں گا۔" رگھوپتی نے کہا اور ایک لمحے تک خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر آگے بولا۔ "میں اب ایک رات کے لیے نیپال بھون میں مہمان بنوں گا وہاں جا کر پہلے تو یہ معلوم کروں گا کہ کمرا نمبر تین کھلا ہے یا نہیں؟"

"اور اگر وہ اب بھی بند ہوا تو؟" وجے نے پوچھا۔

"تو اس فائل کو ہاتھ میں لینے کے لیے کوئی اور ترکیب آزماؤں گا۔"

"نہیں رگھوپتی' اس میں سخت خطرہ ہے۔" وجے کی آواز کسی انجانے خوف سے کانپ رہی تھی۔ وہ لوگ بے حد خطرناک لگتے ہیں۔"

"تو کیا ہوا؟" رگھوپتی ہنس کر بولا۔ "یہ مسٹر رگھوپتی بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہیں۔ جس نے ہزاروں لوگوں کو جوا کھلایا ہوا ہو اسے جیتنے کا فن نہ آئے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

یہ کہہ کر اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ "چلو ڈرائیور پہلے ان صاحب کو ان کے گھر پہنچا دو پھر مجھے نیپال بھون لے جانا۔"

ٹیکسی دوبارہ چل پڑی لیکن وجے کی مخالفت جاری ہی رہی مگر رگھوپتی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تم ذرا بھی مت گھبراؤ وجے مجھے وہاں جانے تو دو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کچھ بھی کرنے سے پہلے میں تم دونوں سے مشورہ ضرور کروں گا--- بس۔"

یہ سن کر وجے اور جولی کے پاس خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا اور ٹیکسی اپنی رفتار سے آگے بڑھتی رہی۔ پھر جب تک وہ رک نہیں گئی اس وقت تک وجے بڑی محبت سے رگھوتی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے بیٹھا رہا۔

○

"مینجر صاحب ہمارے لیے ایک کمرے کا انتظام ہو سکتا ہے؟" رگھوپتی نے اپنا پاسپورٹ نیپال بھون کے مینجر کے سامنے بڑھاتے ہوئے اس کے چہرے کا معائنہ کیا پھر دھیرے سے آگے بولا۔ "مینجر صاحب لگتا ہے میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے؟"

یہ سن کر مینجر نے سر اٹھا کر ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا پھر گردن جھکا کر اس کا پاسپورٹ کھول کر دیکھنے لگا۔ پاسپورٹ کھلتے ہی اس کے اندر سے پچاس روپے کا ایک نوٹ نکل کر اس کی گود میں آگرا لیکن رگھوپتی نے اسی طرح بات جاری رکھی جیسے اس نے نوٹ کو مینجر کی گود میں گرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں ہے۔ "یوں تو میرے پاس تقریباً آٹھ دس دوستوں اور جاننے والوں کے پتے موجود ہیں۔ یہ سب وہ ہندوستانی ہیں جو سال میں دو بار کھٹمنڈو صرف کاسینو میں جوا کھیلنے کے لیے آیا کرتے ہیں وہ جب بھی آتے ہیں تو مجھے دہلی آکر اپنے یہاں ٹھہرنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔"

مینجر نے ہنس کر اس کی طرف دیکھا اور یہ شاید پچاس روپے کے نوٹ کی گرمی ہی تھی کہ وہ جلدی سے رجسٹر کھول کر روم کی پوزیشن دیکھنے لگا تھا۔ رگھوپتی نے اس موقعے کا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے سوچا کہ ان لوگوں کا مہمان بننے سے پہلے کیوں نہ اپنے نیپال بھون سے ہی ابتدا کی جائے؟ یہاں رہ کر میں سبھوں سے ملوں گا اور یہ جاننے کی کوشش کروں گا کہ کون سنجیدگی سے میرا میزبان ہو سکتا ہے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہے۔" مینجر نے رجسٹر سے سر اٹھا کر کہا۔ "ایک کمرا خالی ہے جو آپ کو مل سکتا ہے۔"

"ویری گڈ۔" رگھوپتی بولا۔ "مجھے تو ایک ہی کمرا چاہیے۔"

"اگر آپ کل یہاں آئے ہوتے تو یہ کمرا بھی نہ ملتا۔" مینجر بولا اور اس کی جانب رجسٹر بڑھا کر آگے بولا۔ "لیجئے اپنا نام اور پتا وغیرہ لکھ دیں اور آپ کو روم نمبر تین دیا جا رہا ہے۔"

"تین نمبر۔۔۔؟" رگھوپتی کے ہاتھ سے بال پین چھوٹ گیا اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ کام اتنا آسان ہو جائے گا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر مینجر کا منہ چوم لے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ مینجر نے ایک پل کے لیے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور پھر بولا۔ "مسٹر آپ تین کا نمبر سن کر چونک کیوں گئے؟"

"بات دراصل یہ ہے۔۔۔" رگھوپتی بوکھلاہٹ میں اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "میں چونکہ کئی سالوں سے کاسینو میں کام کرتا ہوں جہاں روزانہ سینکڑوں لوگ جوا کھیلنے آتے ہیں۔ لہٰذا انہیں دیکھتے دیکھتے میں خود بھی انہی کی طرح شگون اور بدشگونی کا عادی ہو گیا ہوں۔ تین کا ہندسہ میرے لیے لکی ہے اس لیے مجھے امید ہے کہ میرا دہلی کا کام ہو جائے گا۔"

"شگون اور بدشگونی تو ہر شخص کی قسمت کی بات ہے۔" مینجر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"گزشتہ پیر کے روز اسی تین نمبر کے کمرے میں نیپال کے راجا کے "کوٹا کھانا" کھانے والے مسٹر وجے یہاں ٹھہرے تھے لیکن وہ بچارے بڑی مصیبت میں پھنس گئے تھے پھر آٹھ روز تک یہ کمرا بند کر دیا گیا تھا اور اسے آج صبح ہی کھولا گیا ہے۔"

"لیکن کمرے کی صفائی تو اچھی طرح کر دی گئی ہے نا؟" رگھوپتی نے پوچھا۔

"جناب صاف صفائی کا ہم بے حد خیال رکھتے ہیں۔" مینجر نے کہا۔ "اس معاملے میں آپ کو کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

"تھینک یو۔" رگھوپتی اپنا چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھا کر اپنے کمرے کی جانب چل پڑا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کمرے تک پہنچ جاتا ایک نیپالی ویٹر نے آکر اس کے

ہاتھ سے اس کا سوٹ کیس لے لیا اور کمرے کے اندر لا کر رکھ دیا۔ پھر پنکھا آن کرنے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی رگھوپتی نے جلدی سے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور "لیٹرین کم باتھ روم میں گھس گیا' پھر اس نے جلدی سے پانی کے نلکے پر اپنا پاؤں رکھا اور اوپر اٹھ گیا۔ اس کی جلد بازی سے یوں لگ رہا تھا جیسے اسے اگر ایک پل کی بھی تاخیر ہو گئی تو ٹنکی کے اندر رکھا ہوا "ٹائم بم" پھٹ جائے گا۔ اس نے بڑی بے صبری سے ٹنکی کا ڈھکنا کھول کر اس کے اندر اپنا ہاتھ ڈال دیا مگر فلیش کی اس ٹنکی کے اندر ہاتھ ڈالتے ہی اس کے پورے وجود میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ ایک لمحے میں ہی اس کے اندر کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ ایک شدید جھٹکا تھا جس کی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی چلی گئی۔ اس کے پاؤں اس طرح لڑکھڑا گئے جیسے ان میں جان ہی نہ ہو۔ ٹنکی میں پانی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا فائل اندر سے غائب ہو چکی تھی۔

شاید فائل نیچے بیٹھ گئی ہو گی؟ اس نے اپنے دل کو تسلی دی اور ایک نئی امید کے ساتھ اس نے اپنے جسم کو ذرا اور اوپر اٹھایا اور پھر ٹنکی کے پیندے تک اپنا ہاتھ ڈال دیا لیکن اس کی امید پھر دم توڑ گئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور نلکے کے اوپر سے کود گیا۔

بقول مینجر کے یہ کمرا کل رات تک مقفل تھا اور اسے آج صبح ہی کھولا گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر اندر سے فائل کون لے گیا؟ رگھوپتی دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوچتا رہا کہ وہ اس فائل کے بارے میں مینجر سے کس طرح پوچھے؟ یکایک کچھ سوچ کر وہ ایک بار پھر نل کے اوپر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پھر ٹنکی کے اندر ہاتھ ڈالا اور اس کے اندر لگی ہوئی گیند کو دبا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ پھر نیچے اترا اور فلیش کی زنجیر کھینچنے لگا۔ لیکن جب زنجیر کھینچنے کے بعد پانی نیچے نہیں آیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ فلیش کے اندر لگی ہوئی گیند پائپ کے راستے میں پھنس چکی ہے اور جب تک اسے ہٹایا نہیں جائے گا اس وقت تک پانی نیچے نہیں آ سکتا۔ اب وہ بڑے مطمئن انداز میں چلتا ہوا نیپال بھون کے مینجر کے پاس جا رہا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"جناب آپ نے تو کہا تھا کہ کمرے کی اچھی طرح صفائی وغیرہ کرا دی ہے۔" اس نے مینجر کے پاس پہنچ کر کہا۔ "لیکن لیٹرین کم باتھ روم کا فلیش تو چل نہیں رہا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" مینجر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "صبح جب جمعدارنی صفائی کے لیے آئی تھی تو فلیش چل رہا تھا۔ لیکن پانی کم آ رہا تھا اس کی شکایت پر میں نے پلمبر کو بلوا کر اسی وقت ٹنکی ٹھیک کرا دی تھی پھر اب کیا ہو گیا؟"

"صبح کو ٹھیک کروایا تھا؟" رگھوپتی کا سانس گھٹنے لگا اور وہ تھوک نگل کر پوچھ بیٹھا۔ "کون ہے آپ کا پلمبر؟"

مینجر نے کاؤنٹر کے دراز میں سے ایک فائل نکالی اور پھر اس کے اندر سے ایک کاغذ نکال کر بولا۔ "یہ دیکھیے بیس روپے کا بل بھی اسے ادا کیا گیا ہے میں ابھی فون کر کے اسے بلاتا ہوں۔"

رگھوپتی نے جلدی سے اس بل پر لکھا ہوا نام پڑھ لیا۔ سردار پلمبنگ---

اتنی دیر میں مینجر نمبر ڈائل کر چکا تھا اور پھر وہ ریسیور کان سے لگا کر بولا۔ "سردار صاحب آپ نے صبح کو کس اناڑی پلمبر کو بھیج دیا تھا۔ پیسے تو پورے لے گیا لیکن کام ادھورا ہی کر گیا ہے۔ ہاں ہاں--- جلدی سے کسی اور کو بھیج دیں--- ٹھیک ہے--- ٹھیک ہے۔" کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور پھر رگھوپتی سے بولا۔ "آپ فکر نہ کریں ابھی وہ دوسرا آدمی بھیج دے گا۔ یہاں سے قریب میں ہی ہے سردار پلمبر اسٹور۔"

یہ سن کر رگھوپتی اور زیادہ الجھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر صبح والا ہی پلمبر آتا تو وہ اس سے معلوم کر سکتا تھا کہ فلیش میں کیا خرابی ہو گئی تھی؟ شاید جواب میں وہ یہ کہہ دیتا کہ جناب دنیا میں کیسے کیسے لوگ ہوتے ہیں ٹنکی میں کاغذات پھینک دیتے ہیں اور پھر ٹنکی کے بند ہو جانے کی شکایت کرتے ہیں۔

مینجر نے فون کر کے جس دوسرے پلمبر کو بلایا تھا اس نے آ کر فوراً ہی فلیش کی گیند کو ہٹا کر فلیش کو چالو کر دیا اور مینجر سے بولا۔ "جناب آپ کے یہاں تو ایسے ایسے مسافر آتے ہیں جنہیں فلیش چلانا بھی نہیں آتا۔"

رگھوپتی کو اس کی یہ بات بری تو لگی لیکن ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے یہ وقت مناسب نہیں تھا۔ اس لیے وہ اس پلمبر سے ہنس کر بولا۔ "بھئی فلیش تو بچپن ہی سے ہم استعمال کرتے آئے ہیں لیکن ہمارے نیپال میں تو ہر چیز باہر کی استعمال ہوتی ہے اس لیے انڈیا کی تیار کردہ چیزوں کا استعمال کرنے میں ہمیں ذرا وقت لگے گا۔"

پلمبر کو اس کی بات سن کر ہنسی آ گئی اور وہ اپنے اوزار کا تھیلا اٹھاتے ہوئے بولا۔ "مینجر صاحب نے چونکہ شکایت کی تھی اس لیے سردار صاحب نے بے چارے صادق علی کو بہت ڈانٹا ہے۔"

"صادق علی؟" رگھوپتی نے دھیرے سے نام دہرایا۔ "یہ کون ہے؟"

"وہی جو صبح کے وقت آ کر فلیش ٹھیک کر گیا تھا۔" پلمبر نے جواب دیا۔ وہ ابھی نیا نیا آیا ہے زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے لیکن کاریگر اچھا ہے۔ اتنا کہہ کر وہ پلمبر تو وہاں سے چلا گیا مگر رگھوپتی دل ہی دل میں صادق علی کا نام یاد کرتے ہوئے اس فائل تک پہنچنے کی ترکیب سوچنے لگا۔

○

"واقعی یہ تو بہت برا ہوا۔" وجے نچلا ہونٹ دبا کر گھمبیر لہجے میں بولا۔ "یقیناً اب وہ فائل ان بدمعاشوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے گی۔"

"میں کہتا ہوں ذرا صبر سے کام لو وجے۔" رگھوپتی نے کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے رک کر کہا۔ "ایک بازی ہارنے کا افسوس مت کرو۔ میں نے ابھی امید کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔" یہ کہہ کر وہ کھڑکی کے قریب پہنچ گیا اور باہر کی جانب جھانک کر آگے بولا۔ "شاید وہ اب آنے ہی والا ہے۔"

نیپال بھون سے رگھوپتی نے وجے کو فون کر کے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ میں اس وقت کی فلائیٹ سے دہلی پہنچ گیا ہوں اور نیپال بھون کے روم نمبر تین میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ روم نمبر تین کا سن کر وجے اور جولی خوشی سے جھوم اٹھے تھے اور وجے نے اس سے کہا تھا۔ "تو تم جلدی سے یہاں آ جاؤ اور دیکھو اس فائل کو احتیاط سے چھپا کر لانا کوئی دیکھ نہ لے اور کسی کو شک نہ ہونے پائے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیکن رگھوپتی نے آکر جب فائل کے گم ہو جانے کی خبر سنائی تو وہ دونوں دنگ رہ گئے۔ انہیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے کوئی زہریلا کیڑا ان کے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا ہو۔ اگر دوپہر کے وقت فون پر روکھی سے بات نہ ہوئی ہوتی اور روکھی پرشورام سے واقف نہ ہوتی فائل کے بارے میں وہ کچھ جانتی نہ ہوتی اور اپنے خرچ پر پرشورام کی تحریر کو کتابی شکل میں چھاپنے کی خواہش کا اظہار نہ کرتی تو شاید وجے کو اس فائل کے گم ہو جانے کا اتنا افسوس نہ ہوتا۔ جو اب اسے ہو رہا ہے۔ ممکن ہے پرشورام کی فائل میں چھپا ہوا درندہ ہی روکھی کی بربادی کا ذمہ دار ہو۔ جس طرح شوبھا اپنی زندگی برباد کرنے والے کو قتل کرا کے اپنا انتقام لینا چاہتی ہے۔ بالکل اسی طرح روکھی بھی اس کی زندگی برباد کرنے والے کی تفصیل منظرعام پر لا کر اس سے اپنا انتقام لینا چاہتی ہو۔

"مگر تم دونوں اس قدر گھبرا کیوں رہے ہو؟" رگھوپتی نے وجے اور جولی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں تم لوگوں کی یہ رونی صورت دیکھنے یہاں نہیں آیا ہوں۔ بلکہ میں تو اس فائل کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کا تہیہ کر کے نیپال بھون سے یہاں تک آیا ہوں۔"

"لیکن اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے رگھوپتی۔" وجے نے مری ہوئی آواز میں اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اس فائل کے بارے میں کسی سے بھی پوچھ گچھ کرنے میں ہم تینوں کی جان کا خطرہ ہے۔ تم نہیں جانتے وہ لوگ کتنے خطرناک ہیں۔"

"نیپال سے روانہ ہوتے وقت میں نے بھی خطرناک بننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔۔۔" رگھوپتی نے ان دونوں کو چونکاتے ہوئے آگے کہا۔ "تمہارا کہنا ہے کہ وہ فائل ہمیں روکھی کے راز سے آگاہ کر سکتی ہے اور اس تک ہمیں پہنچنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے اور اگر یہ بات درست ہے تو میں روکھی تک پہنچنے کے لیے ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔"

یہ سن کر وجے نے تھوڑی دیر تک رگھوپتی کو دیکھا اور پھر جولی کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس سے پوچھ رہا ہو کہ میں ٹیلیفون پر روکھی سے ہونے والی بات

چیت کے بارے میں رگھوپتی کو بتا دوں یا نہیں؟"

لیکن اس سے پہلے ہی رگھوپتی نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا تو وجے نے چونک کر اس سے پوچھا۔ "کس کو فون کر رہے ہو؟"

"سردار پلمبنگ اسٹور میں۔" رگھوپتی نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں پلمبر صادق علی کو یہاں بلانا چاہتا ہوں۔" رگھوپتی نے کہا تو وجے نے جھپٹ کر ریسیور اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور بولا۔ "غصے میں آکر یہ تم کیا کرنے لگے ہو؟ تمہیں کچھ ہوش بھی ہے؟"

"اور مجھے روک کر تم کیا کر رہے ہو' تمہیں اس کا ہوش ہے؟" رگھوپتی نے بھی ذرا اونچی آواز میں کہا۔ "وجے بہن کی تلاش کی خاطر تم نے راجا کا پاپ اپنے سر لیا تھا۔ اپنا گھر چھوڑا اور جبکہ اس تک پہنچنے کے لیے بس تھوڑا سا خطرہ مول لینے کی ضرورت ہے تو تم مجھے روک رہے ہو؟ کیا اپنی بہن کو تلاش کرنے کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا ہے؟"

"لیکن مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم پلمبر کو فون کر کے کیا کہنا چاہتے ہو؟" وجے نے پوچھا۔

"میں اسے اس گھر کی ٹنکی ٹھیک کرنے کے لیے بلوا رہا ہوں۔" رگھوپتی نے کہا اور پھر پوچھا۔ "بولو اب تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

اعتراض ہونے کے باوجود وجے نے اس کا اظہار نہیں کیا اور دھیمے لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے بلا لو لیکن اس سے پہلے جولی کو نیچے بھیجنا پڑے گا۔" یہ سن کر جولی کی طرح خود رگھوپتی بھی چونک پڑا۔ "مگر اس بات میں تم جولی کو درمیان میں کیوں لے آئے؟"

"اس لیے کے نیچے والی آشا کہیں اوپر نہ آ جائے۔ جولی کو وہاں بھیجنا چاہتا ہوں۔" وجے نے کہا۔ "اصل میں یہاں اوپر نیچے کا فون ایک ہی کنکشن پر ہے تم اگر یہاں سے نمبر ڈائل کرو گے تو نیچے آشا کو پتا چل جائے گا کہ تم نے کس کو فون ملایا ہے اور اگر تجسس کی خاطر اس نے ریسیور اٹھا کر سن لیا کہ تم ٹنکی ٹھیک کرانے کے

لیے کسی پلمبر کو بلا رہے ہو تو وہ اوپر آکر خود معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ اچانک ٹنکی میں کیا خرابی ہو گئی ہے؟ پھر کہیں وہ یہ نہ کہہ دے کہ ہمارا اپنا پلمبر ہے میں اس کو بلوا دیتی ہوں۔"

"تو یہ بات تمہیں پہلے بتانی چاہیے تھی۔" رگھوپتی نے نرم لہجے میں کہا اور پھر جولی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تو جولی صاحبہ آپ برائے مہربانی نیچے چلی جائیں اور جا کر آشا کو باتوں میں لگا رکھیں تاکہ اسے ہماری بات سننے کا موقع ہی نہ مل سکے۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" کہہ کر جولی اٹھ کھڑی ہوئی اور جب وہ جانے لگی تو رگھوپتی نے اسے تاکید کرتے ہوئے کہا۔ "کوئی بہانہ کر کے جانا تاکہ اسے کوئی شک نہ ہو۔"

وجے نے جولی کا تعارف آشا سے اسی وقت کرا دیا تھا جب رگھوپتی ایئرپورٹ سے سیدھا نیپال بھون چلا گیا تھا۔ اس نے جولی کا تعارف تو ایک دوست کہہ کر ہی کرایا تھا لیکن جولی نے ہنستے ہوئے کسی گھبراہٹ کے بغیر ان کے نجی تعلقات کا راز ظاہر کرتے ہوئے آشا سے کہہ دیا تھا۔ "ہم دونوں پہلے دوست تھے لیکن اب ہم شادی کرنے والے ہیں۔" یہ سن کر آشا کچھ گھبرا سی گئی تھی لیکن فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا تھا اور ہنستے ہوئے کہا تھا۔ "تب تو آپ جلد ہی اوپر رہنے کے لیے آ جائیں گی اور مجھے آپ کی کمپنی مل جائے گی۔"

جولی آشا کو کمپنی دینے کے لیے نیچے چلی گئی تو رگھوپتی نے فون کا ریسیور اٹھایا اور سردار پلمبنگ اسٹور کا نمبر ملانے لگا اور چند لمحوں کے بعد بولا۔ "سردار پلمبنگ--- دیکھیے میں چانکیہ پوری سے بول رہا ہوں۔ ہمارے گھر کی ایک ٹنکی خراب ہو گئی ہے اور گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ کام چونکہ معمولی ہے اس لیے کسی چھوٹے موٹے کاریگر کو بھیج دیں گے تو کام چل جائے گا۔ میں اس کے آنے جانے کے لیے رکشے کا کرایہ بھی ادا کر دوں گا۔" یہ کہنے کے بعد اس نے گھر کا نمبر اور پورا پتا لکھوا دیا اور پھر پوچھ بیٹھا "تو آپ کس کاریگر کو بھیج رہے ہیں اس کا نام بتا دیں تاکہ کوئی اور نہ گھر میں گھس آئے۔" جناب اس کی آپ فکر نہ کریں کیونکہ جو بھی پلمبر آپ کے پاس آئے گا اس کے پاس ہمارا کارڈ ضرور ہو گا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس جواب پر رگھوپتی نے جھلا کر ریسیور رکھ دیا لیکن اس نے اپنی جھلاہٹ وجے پر ظاہر نہیں ہونے دی۔ بلکہ اس نے بڑے سکون سے کہا تھا۔ "اب دیکھنا وجے میں کیسی ترکیب آزماتا ہوں۔ تم بیٹھو میں ٹنکی میں تھوڑی بہت خرابی کر کے آتا ہوں۔"

رگھوپتی کے اندر جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد جولی نیچے سے ایک پیالی میں دودھ لے کر آگئی لیکن جب اسے گھر میں کوئی پلمبر نظر نہیں آیا تو اس نے بالکونی میں کھڑے ہوئے وجے سے کہا۔ "اس طرح بالکونی میں کھڑے رہ کر اس کا انتظار کرنے سے وہ جلدی نہیں آ جائے گا۔ اس لیے کچن میں آ جاؤ تاکہ کافی بناتے بناتے ہم کچھ باتیں کر لیں۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ رگھوپتی نے تم سے فون پر لاکھ روپے کا انتظام کرنے کے لیے کیوں کہا تھا؟"

جولی کی یہ بات رگھوپتی نے اندر سے آتے ہوئے سن لی تھی لیکن اس نے بھی اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ٹھیک اسی وقت ایک رکشہ رکنے کی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی اور انہوں نے وجے کے قریب آکر دیکھا تو گھر کے سامنے ایک رکشہ آکر رک گیا تھا۔ جس میں سے ایک اٹھارہ انیس سال کا نوجوان پلاسٹک کا بڑا تھیلا اٹھائے نیچے اتر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وجے کو یہ ڈر لگا کہ کہیں وہ اوپر کی بجائے نیچے آشا کے پاس نہ چلا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے تالی بجا کر اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانی چاہی لیکن ٹھیک اسی وقت رگھوپتی نے اسے روک دیا۔ "یہ کیا کر رہے ہو وجے؟" آواز کر کے تم آشا کا دھیان کیوں اس طرف لگا رہے ہو؟" اتنا کہہ کر اس نے اشارے سے اس نوجوان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اسے اوپر آنا ہے اور اوپر کا راستہ اسے دکھا دیا۔

"جولی اب تم بہترین سی کافی بنا کر پلاؤ۔" بالکونی سے واپس کمرے میں آتے ہی رگھوپتی نے جولی سے کہا اور پھر وجے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اور وجے تم خاموشی سے دیکھتے رہنا۔ درمیان میں کچھ نہ بولنا۔"

"ٹھیک ہے۔" وجے نے کہا۔ "لیکن تم بھی ذرا اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا۔ جب تمہیں یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ یہ وہی پلمبر صادق علی ہے جس نے نیپال بھون

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے کمرا نمبر تین کی ٹنکی ٹھیک کی تھی اس وقت تک فائل کے بارے میں کچھ مت پوچھنا۔

"یہ سب مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔" رگھوپتی مسکرا کر بولا۔ "میں نے جوئے خانے میں چھ سال تک کام کیا ہے۔ اور تمہیں نہیں معلوم کہ کبھی کبھی بلائنڈ میں ہلکے پتوں سے بھی بازی جیت لی جاتی ہے۔"

ٹھیک اسی وقت وہ نوجوان پلمبر دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا۔ دبلا پتلا جسم، ہنستی مسکراتی ہوئی آنکھیں۔ جسم پر بغیر استری کا چور چور کرتا اور پاجامہ۔ ہلکی ہلکی بھوری مونچھیں، سر کے بال بڑے بڑے اور بکھرے ہوئے---

"آؤ بھائی صادق علی۔" رگھوپتی نے اس سے اس کا نام پوچھنے کی بجائے سیدھے صادق علی کہہ کر اس کو مخاطب کیا۔ "اندر آ جاؤ تمہارے سیٹھ نے کہا تھا کہ ہمارا صادق علی دو منٹ میں آپ کی ٹنکی ٹھیک کر دے گا۔"

یہ سن کر نوجوان پلمبر دھیرے سے ہنس دیا اور تب رگھوپتی نے اس طرح وجے کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "دیکھ لیا میرا اندازہ کتنا درست ثابت ہوا ہے؟"

"صادق علی آؤ میں تمہیں باتھ روم کی ٹنکی دکھا دوں۔" کہہ کر رگھوپتی اسے باتھ روم کی طرف جانب لے گیا۔ دروازہ کھول کر اس نے فلیش کی زنجیر کھینچی لیکن اس میں سے پانی نہیں آیا تو پلمبر سے بولا۔ "گھر میں پردیسی مہمان کے آتے ہی یہ ٹنکی خراب ہو گئی--- لو دیکھو اسے۔"

"ابھی دیکھتا ہوں صاحب۔" پلمبر نے کہا اور جھک کر اپنے تھیلے میں سے اوزار نکالنے لگا۔ اسی درمیان رگھوپتی وہاں سے ہٹ کر واپس ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ وجے کے چہرے پر الجھن کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ رگھوپتی کی حرکتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ رگھوپتی سے کچھ پوچھتا باتھ روم کی ٹنکی سے پانی گرنے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ رگھوپتی اور وجے کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو رگھوپتی کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ دوڑ رہی تھی مگر وجے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس میں اس قدر خوش ہونے کی کیا بات ہے؟

"لیجئے صاحب ٹنکی چالو ہو گئی۔" اپنا پلاسٹک کا تھیلا اٹھائے پلمبر صادق علی

کمرے میں آکر بولا۔ "فلیش کے اندر کی گیند ذرا ادھر ادھر ہو گئی تھی۔ اس لیے پانی رک رہا تھا۔ ویسے یہ اتنا معمولی کام تھا صاحب کہ آپ خود بھی کر سکتے تھے۔"

"یہ کام بھی اگر ہم خود کرنے لگ جائیں تو پھر تم لوگوں کا دھندہ کیسے چلے گا؟" رگھوپتی ہنستے ہوئے بولا اور پھر کچن کی طرف منہ کر کے جولی سے بولا۔ "جولی صادق علی کے لیے بھی کافی لیتی آنا۔"

"نہیں صاحب۔ میں چائے پی کر ہی آیا تھا۔" صادق علی نے کہا۔ "میری مزدوری آپ دے دیں تو میں جاؤں۔"

"لیکن اس وقت تک جولی ایک ٹرے میں کافی کے تین کپ اور ایک گلاس لے کر آ پہنچی پھر اس نے کافی ٹیبل پر رکھ دی۔ رگھوپتی نے کافی کا گلاس صادق علی کے ہاتھ میں تھما دیا اور ٹرے کو سنٹرل ٹیبل پر رکھ دیا۔ رگھوپتی نے کافی کی ایک پیالی اٹھا لی اور ایک گھونٹ بھر کر صادق سے بولا۔ "کتنا بل ہوا تمہارا؟"

"پندرہ روپے ریپیرنگ کے اور دس روپے آنے جانے کا کرایہ۔"

"یعنی پچیس روپے اور کچھ بخشش بھی۔" رگھوپتی نے کہا۔

"نہیں صاحب اتنے معمولی سے کام میں بخشش کی کیا ضرورت ہے؟" کہہ کر صادق علی دیوار سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا اور گرم گرم کافی پینے لگا۔ کافی کے دو گھونٹ بھرنے کے بعد وہ پھر بولا۔ "آپ تو مجھے صرف پچیس روپے ہی دے دیں۔ بخشش میں مجھے کافی مل گئی ہے۔"

رگھوپتی کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے چپ چاپ اس کو تکتا رہا۔ صادق علی بڑی جلدی جلدی کافی کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ پھر جیسے ہی اس کا گلاس ختم ہوا تو وہ بولا۔ "صاحب بل ادا کر دیں مجھے دیر ہو رہی ہے اور زیادہ دیر ہو گئی تو مجھے اپنے مالک کی ڈانٹ سننا پڑے گی۔"

یہ سن کر رگھوپتی نے ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جیسے بل کے تقاضے پر اسے بڑی حیرت ہو رہی ہو۔ "صادق علی بل کی رقم تو تمہیں مل چکی ہے۔" یہ سننا تھا کہ صادق علی کی طرح جولی اور وجے بھی اچنبھے میں رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رگھوپتی یہ کیا کھیل کھیل رہا ہے؟

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"صاحب آپ مذاق کر رہے ہیں۔" صادق علی نے اپنا تھیلا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنے مہمانوں سے پوچھ لیں بل کی رقم آپ نے مجھے نہیں دی ہے۔"

"رگھوپتی کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔" صادق علی بل ادا کرنے کا میرا انداز بالکل مختلف ہے' پانی کی ٹنکی کے اندر سے تمہیں پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی تھیلی ملی ہے نا؟"

صادق علی ایک جھٹکے سے ہل کر رہ گیا۔ اس کی گھبراہٹ دیکھ کر رگھوپتی کی پراسرار مسکراہٹ اور زیادہ گہری ہو گئی۔ "اپنے اوزار کے ساتھ تم نے اسے بھی اپنے تھیلے میں رکھ لیا ہے اور اسے کھول کر دیکھ لو اس میں پورے تیس روپے موجود ہیں۔"

یہ سننا تھا کہ صادق علی کے ہاتھ سے اس کا تھیلا چھوٹ کر نیچے گر پڑا جرم کے احساس سے اس کی گردن نیچے جھک گئی۔ وجے اور جولی باری باری ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ رگھوپتی ابھی صادق علی پر چوری کا الزام لگا دے گا۔

"صادق علی آج کا سورج تمہارے لیے کچھ اور ہی ڈھنگ سے طلوع ہوا ہے۔" رگھوپتی نے بڑے ہی عجیب لہجے میں کہا۔ "صبح تمہیں نیپال بھون کے روم نمبر تین کی ٹنکی میں سے ایک پلاسٹک میں لپٹی ہوئی ایک فائل ملی تھی اور اس وقت ہمارے گھر کی ٹنکی میں سے بھی تمہیں ایک تھیلی ملی ہے۔"

صادق علی کی گردن ایک جھٹکے سے تن گئی اور اس کا چہرہ رونے جیسا ہو گیا۔ شاید وہ دل ہی دل میں خود سے کہہ رہا تھا کہ صاحب نے بڑی چالاکی سے اسے پھنسا کر اس پر چوری کا الزام لگایا ہے۔ وہ سہمی ہوئی نظروں سے رگھوپتی کو دیکھ ہی رہا تھا کہ رگھوپتی نے کہا۔ "اس میں اس قدر گھبرانے کی کیا بات ہے؟ صبح جو فائل تمہیں نیپال بھون کے کمرے میں سے ملی تھی وہ تمہارے کسی کام کی نہیں ہے جبکہ میرے لیے وہ قیمتی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب میں سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر صادق علی کی طرف بڑھایا اور آگے بولا۔ "اس وقت جو کام تم نے کیا ہے اس کی بخشش کے پانچ روپے تو تمہیں مل گئے ہیں اور صبح کے کام کے بخشش کے یہ سو روپے لے لو۔"

لیکن اس وقت تک تو صادق علی کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں اور وہ تھرتھراتی

ہوئی آواز میں بول پڑا۔ "صاحب مجھے چوری کی عادت نہیں مگر---" بس اتنا کہہ کر وہ رو پڑا۔

"ارے--- او--- میرے بھائی۔" رگھوپتی اسے روتا دیکھ کر اٹھ کر اس کے قریب آ گیا اور بولا۔ "تمہیں رونے کے لیے کس نے کہا ہے یہ تو اچھا ہی ہوا کہ اس فائل کو تم نے سنبھال کر رکھ لیا۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ پانی سے گیلی تو نہیں ہو گئی؟"

رگھوپتی کو اپنے قریب کھڑا دیکھ کر صادق علی تھرتھر کانپنے لگا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی اس کے گال پر ایک تھپڑ لگا دے گا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر رگھوپتی کی طرف دیکھا اور رک رک کر بولا۔ "صاحب--- وہ---وہ فائل تو میں نے کسی کو دے دی تھی---"

"دے دی؟ کس کو؟" وجے کی آواز پھٹ کر اس کے حلق سے نکلی۔ "کس کو دے دی وہ فائل؟"

"ایک ردی والے کو۔"

"کیا؟" رگھوپتی کے ساتھ وجے اور جولی کے منہ بھی کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"اب کیا ہو گا؟" جولی کے ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

"بے وقوف صرف ایک ڈیڑھ روپے کی خاطر تم نے وہ فائل ردی والے کو دے دی؟" وجے کے منہ سے دبی دبی سی چیخ نکل گئی اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ "تم--- تم---"

"تو اس میں کیا ہو گیا وجے؟" رگھوپتی نے اسے بولنے سے روک دیا اور خود صادق علی پلمبر سے بولا۔ "چلو صادق ہم دونوں ساتھ چلتے ہیں اور اس ردی والے سے فائل واپس لے آتے ہیں۔"

"لیکن جناب---" صادق علی حیران نگاہوں سے رگھوپتی کو گھورنے لگا۔ اس کے ہونٹ پھڑپھڑا رہے تھے۔ پھر وہ بہ مشکل ہی بول سکا۔ "صاحب وہ--- وہ---"

"ہاں--- ہاں--- کہو کیا بات ہے؟" رگھوپتی نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم اس قدر گھبرا کیوں رہے ہو؟"

"صاحب--- وہ فائل---- وہ---" صادق علی ہکلا کر چپ ہو گیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کیا ہوا فائل کو؟" وجے اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "بولتے کیوں نہیں؟"

"صاحب اس فائل کو وہ سندھی سیٹھ اپنے ساتھ لے گیا ہے۔" صادق علی نے بہ مشکل جواب دیا۔

"سندھی سیٹھ؟ کون سندھی سیٹھ؟" رگھوپتی ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا۔

"رام چندر سیٹھ--- ردی والا۔" صادق علی تھوک گلے سے اتارتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔ "ہمارے اسٹور سے قریب ہی اس کی دکان ہے۔ دوپہر کو کھانے کی چھٹی پر میں اس کی دکان پر بیٹھ کر پرانے رسالوں کی تصویریں دیکھا کرتا ہوں۔ پڑھنا لکھنا تو مجھے نہیں آتا اس لیے صرف اداکاروں کی تصویریں دیکھ کر خوش ہو لیتا ہوں۔ اس کے بدلے میں سیٹھ کی دکان کا کبھی کبھی کوئی چھوٹا موٹا کام بھی کر دیا کرتا ہوں۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے صادق علی۔" رگھوپتی نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن تم نے وہ فائل اسے کیوں دے دی؟"

"صاحب پہلے تو اس فائل کو میں نیپال بھون کے مینیجر کے حوالے کر دینا چاہتا تھا۔" صادق علی نے ذرا سکون سے جواب دیا۔ "کیونکہ میں نے سوچا تھا کہ کسی نے فائل کو بڑی احتیاط سے پلاسٹک کی تھیلی میں لپیٹ کر پانی کی ٹنکی میں رکھا ہے۔ اس لیے یقیناً یہ کوئی اہم فائل ہو گی۔ میرا تجسس بھی بڑھ گیا تھا مگر چونکہ مجھے پڑھنا نہیں آتا تھا اس لیے میں اسے سندھی سیٹھ کے پاس لے گیا تھا۔"

"تو اس سندھی سیٹھ نے فائل پڑھ لی؟" رگھوپتی نے پوچھا۔ "پڑھنے کے بعد اس نے تمہیں کیا بتایا؟"

"صاحب جب میں فائل لے کر اس کی دکان پر گیا تو وہ اپنے ایک تہوار کے میلے میں وشن دیوی جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ جب میں نے فائل اس کے ہاتھ میں دی تو صرف دو چار سطریں پڑھنے کے بعد اس نے کہا تھا۔ "یہ تو کوئی مزے دار کہانی لگتی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہوں سفر کے دوران میں پڑھوں گا۔"

یہ سن کر جولی، رگھوپتی اور وجے تینوں ہی ایک دوسرے کا چہرہ تکنے لگے کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پرشورام کی

پراسرار فائل اتنی جلدی اتنے دور کے سفر پر روانہ ہو جائے گی۔ شائد قدرت بھی ان کے ساتھ کوئی چال کھیل رہی تھی۔

"میلے سے سندھی سیٹھ کب واپس آئے گا؟" تھوڑی دیر بعد رگھوپتی نے پوچھا۔

"وہ کہتے تو تھے کہ بدھ کے روز واپس آ جاؤں گا۔" کہہ کر صادق علی نے انہیں تسلی دینے کی غرض سے آگے کہا۔ "سندھی سیٹھ اچھا آدمی ہے ہر مہینے دو مہینے بعد اپنے مذہبی تہواروں میں ضرور شریک ہوتا ہے۔ میں بدھ کے روز جا کر فائل لے آؤں گا اور آپ کو دے دوں گا۔"

"نہیں صادق علی ہم ساتھ جا کر وہ فائل اس سے لے آئیں گے۔" رگھوپتی نے اس کی قمیص کی جیب میں سو کا ایک نوٹ ڈال دیا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "مگر اس وقت تک تم کسی سے اس فائل کا ذکر نہیں کرو گے--- اپنے اسٹور کے کسی آدمی کو بھی مت بتانا۔"

رگھوپتی کی بات سن کر صادق علی نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر اچانک اپنی جیب سے سو کا نوٹ واپس نکالنے کی کوشش کرنے لگا لیکن رگھوپتی نے اس کے ہاتھ پر جلدی سے اپنا ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "فائل مل گئی تو ایسا ایک اور نوٹ تمہیں دوں گا---" لیکن صادق---" رگھوپتی نے اسے ایک اور تاکید کی۔ "ہمارے بغیر تم اکیلے اس سندھی سیٹھ سے نہیں ملو گے۔"

"ٹھیک ہے میں اکیلا نہیں جاؤں گا صاحب۔" یہ کہہ کر صادق علی نے پوچھا۔ "تو اب مجھے جانے کی اجازت ہے؟"

"ہاں جاؤ۔" رگھوپتی نے اجازت تو دے دی لیکن پھر اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں صادق علی نے ان سے جھوٹ تو نہیں بولا ہے؟ ممکن ہے سندھی سیٹھ میلے میں گیا ہی نہ ہو--- اس خیال کے آتے ہی اس نے صادق علی سے کہا۔ "لیکن جانے سے پہلے تم مجھے اس سندھی سیٹھ کا فون نمبر تو دیتے جاؤ۔" اتنا کہہ کر رگھوپتی ٹیلیفون کی جانب بڑھا اور ریسیور اٹھا کر آگے بولا۔ "تاکہ اس کی دکان پر فون کر کے یہ معلوم تو کر لوں کہ وہ میلے سے واپس کب آئے گا؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"صاحب اس کی دکان میں فون نہیں ہے۔" صادق علی کی آواز میں سچائی کی جھلک تھی۔ "دکان کے اوپر تیسری منزل پر اس کے گھر میں فون ہے مگر اس کے نمبر کا مجھے علم نہیں ہے لیکن اگر آپ چاہیں تو میں ابھی آپ کو اس کی دکان پر لے چلتا ہوں۔"

یہ سن کر رگھوپتی کو لگا کہ اس کی بے قراری سے صادق علی کی نظر میں اس فائل کی اہمیت بڑھ جائے گی جس سے اس کی نیت میں فتور بھی آ سکتا ہے لہٰذا تحمل سے کام لینا چاہیے۔ "نہیں کوئی جلدی نہیں ہے۔" وہ سوچ کر صادق علی سے بولا۔ "تم جاؤ میں بدھ کے روز ہی تمہاری دکان پر آؤں گا تم تیار رہنا مجھے فائل مل جائے گی تو تمہارے سو روپے بھی تمہیں مل جائیں گے۔"

صادق علی انہیں سلام کر کے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ تینوں تھوڑی دیر تک چپ چاپ بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔ کمرے میں ایک بوجھل سا سناٹا طاری تھا۔ صادق علی کی وجہ سے ان تینوں کے دل میں فائل کے مل جانے کی امید جاگی تھی لیکن اب انہیں مزید اڑتالیس گھنٹوں تک اس کے لیے بے چین رہنا تھا اور وہ اس وقت یہی سوچ رہے تھے کہ یہ اڑتالیس گھنٹے کیسے گزریں گے؟ لیکن اس کے باوجود ان تینوں کو اب فائل کے بارے میں گفتگو کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسی لیے ان میں سے کسی نے بھی فائل کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا لیکن اس تکلیف دہ خاموشی نے سب سے پہلے وجے کو ہی بولنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے گردن اٹھا کر رگھوپتی کی طرف دیکھا اور پوچھ بیٹھا۔ "تم نے فون پر مجھ سے لاکھ روپے کا انتظام کرنے کی بات کہی تھی۔۔ کیوں؟"

"ہاں اس کے بارے میں میں تمہیں ایئرپورٹ پر ہی بتانے والا تھا۔" رگھوپتی نے اس بھیانک خاموشی کے ٹوٹنے پر خوش ہو کر کہا۔ "وجے جس طرح تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ پرشورام کی فائل ہمیں روکھی تک پہنچا سکتی ہے بالکل اسی طرح روکھی جیسی اور بھی دوسری لڑکیوں تک پہنچنے کے لیے ایک کڑی مجھے بھی ملی ہے۔"

"وہ کیسے؟" وجے نے پوچھا اور جولی بھی سوالیہ نظروں سے رگھوپتی کو دیکھنے لگی۔

"تمہارے نیپال سے جانے کے بعد میں تو پانچ چھ روز تک اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ دل بہت اداس ہو گیا تھا اور کسی کام میں جی نہیں لگتا تھا۔ بولتے بولتے رگھوپتی اچانک اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ کر اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا پھر واپس اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے آگے بولا۔ "نہ رات کو نیند آتی تھی اور نہ دن کو چین پڑتا تھا۔ پھر ایک دن مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ پچھلے سات برسوں میں روکھی کی طرح اور بھی سات لڑکیاں اسی طرح غائب ہوئی تھیں۔ روکھی سے پہلے دو اور روکھی کے بعد پانچ لڑکیاں اور یہ سب کی سب کنواری لڑکیاں ہی تھیں۔ ان لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں پاگلوں کی سی حالت میں واپس مل گئی تھیں لیکن بقیہ پانچ لڑکیوں کا کوئی پتا نہیں چل سکا ہے جبکہ آٹھویں لڑکی جو کہ ایک کنواری دیوی نندا تھی اسے چتا میں رکھ کر جلا دیا گیا تھا۔"

اس کے گم ہو جانے پر تو چاروں طرف بہت شور ہوا ہو گا؟" رگھوپتی کے خاموش ہوتے ہی وجے نے پوچھا۔

"ہاں چار روز تک تو لوگ اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔" رگھوپتی نے کہا۔ "لیکن کوٹا کھانا' کی رسم ادا ہونے والی تھی اس لیے لوگ اس کو بھول گئے۔"

"مجھے اس جلتی ہوئی چتا کی آگ یاد ہے۔" وجے نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "آدھی رات کو وہ بھیانک منظر میں نے ہی دیکھا تھا مگر اس کے گھر والوں نے تو اس کی بہت تلاش کی ہو گی؟"

"کنواری لڑکی کی واپسی میں جیسے جیسے دیر ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے اس کے گھر والوں کے دل میں یہ خواہش زور کرنے لگتی ہے کہ اب وہ واپس نہ ہی آئے تو اچھا ہے۔ نندا کے گھر والوں نے نجومیوں سے رابطہ قائم کیا اس کا زائچہ نکلوایا پھر ان نجومیوں میں سے ایک نے بتایا کہ آپ کی لڑکی تو کسی انسان نما درندے کے شکنجے میں پھنسی ہوئی ہے۔"

"کیسا درندہ؟" وجے نے چونک کر پوچھا۔

"یہ تو بھگوان ہی جانتا ہے۔" رگھوپتی نے کہا۔ "لیکن اتنا جان لینے کے بعد نندا کے گھر والوں نے اس کی تلاش چھوڑ دی۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر تمہارے ہاتھ کون سی کڑی لگی ہے؟"

"ہے ایک چینی۔" رگھوپتی نے کہا۔ "اس کا نام چیانگ ہے۔"

"چینی؟ چیانگ؟" وجے کی گردن اچانک ہی تن گئی۔ "کون ہے وہ؟"

"وہ ایک چینی ہے اور قدرت نے بڑے عجیب حالات میں اس سے میری ملاقات کرائی تھی۔" کہہ کر رگھوپتی اپنی جگہ سے پھر اٹھا اور کمرے کے بند دروازے کے پاس جا کر اچانک اسے کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ کوئی اس کی بات نہیں سن رہا ہے تو وہ دروازہ بند کر کے پھر دھیرے دھیرے واپس آنے لگا۔ اسے اس قدر چوکنا دیکھ کر وجے اور جولی دم بخود رہ گئے۔

کاسینو سے تو میں نے ریزائن کر دیا تھا۔" رگھوپتی اپنی جگہ پر بیٹھ کر بولا۔ "لیکن نئے مینیجر کا تبادلہ ہوا تھا اس لیے اسے وہاں کی اونچ نیچ سے واقف کرانے کے لیے مجھے کچھ دن اور وہاں رہنا پڑا۔"

"اور اسی درمیان تمہاری ملاقات چیانگ سے ہو گئی ہے نا؟" وجے نے پوچھا۔

"بالکل۔" رگھوپتی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "جوا کھیلنے والے کھلاڑی تو میں نے بہت دیکھے ہیں لیکن چیانگ بہت ہی نرالا نکلا۔"

"وہ کیسے؟" جولی نے پوچھا۔

"منگل کا دن تھا جب وہ پہلی بار کاسینو میں کھیلنے آیا تھا۔" رگھوپتی نے کہا۔

"لیکن صرف تین گھنٹے میں ہی وہ پورے تیس ہزار ہار گیا۔ پھر دوسرے روز بھی وہ آیا اور چالیس ہزار مزید ہار گیا اور۔۔۔۔"

"جمعرات کو پچاس ہزار۔"

"نہیں وجے۔۔۔" رگھوپتی نے ہاتھ اٹھا کر جواب دیا۔ "اس کے پاس صرف ایک لاکھ روپے ہی تھے جس میں سے منگل اور بدھ کے دن وہ ستر ہزار ہار چکا تھا۔ اس لیے جمعرات کے دن وہ تیس ہزار لے کر ہی کھیلنے بیٹھا تھا۔ اس روز وہ اتنی جلدی کھیل رہا تھا کہ تین گھنٹے میں ہی وہ پچاس ہزار جیت گیا۔ اس کا کھیل دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ وہ اپنے ستر ہزار روپے واپس لیے بغیر میز سے اٹھنے والا نہیں ہے۔ اس کے تین پتوں کی بازی دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ قدرت اس پر بڑی مہربان ہے اور وہ اپنا مقصد ضرور حاصل کر لے گا۔۔۔ لیکن۔۔" رگھوپتی بولتے بولتے ایک پل کے لیے

رک گیا مگر اس بار وجے نے کچھ نہیں کہا اور اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد رگھوپتی نے پھر کہا۔ "لیکن آدھی رات کے بعد اس کی قسمت نے ایک زبردست قلابازی کھائی اب وہ دہری رفتار سے ہار رہا تھا۔ وہ جیسے جیسے ہار رہا تھا ویسے ویسے اور بھی خطرہ مول لیتا جاتا تھا۔ آخر میں جیتے ہوئے پچاس ہزار تو گئے ہی اس کے علاوہ جو تیس ہزار وہ لایا تھا وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے بہہ گئے۔"

"پھر کیا ہوا؟" جولی پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"پھر اس نے کاسینو سے ادھار مانگا۔" رگھوپتی بولا۔ "اس نے کہا کہ مجھے پندرہ بیس ہزار روپے قرض دے دو پھر دیکھنا میں صبح تک اپنے سوا لاکھ روپے واپس لاتا ہوں یا نہیں۔ ہمارا مینیجر نیا تھا اور وہ چینی بھی بالکل اجنبی تھا وہ اپنی پوری شناخت کرانے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔ وہ یہ بھی بتانے پر تیار نہیں تھا کہ وہ کام کیا کرتا ہے؟ مگر وہ قرض کے لیے انکار سننے پر بھی تیار نہیں تھا۔ آخر تنگ آ کر نئے مینیجر نے مجھے اس معاملے میں پھنسا دیا۔ وہ چینی کچھ خطرناک بھی لگتا تھا اور ایسے خطرناک جواری کو ناراض کر دینا بھی مناسب نہیں تھا اور اگر قرض کی رقم واپس نہ ملی تو مینیجر کی نوکری خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ آخر بہت سوچنے کے بعد میری سمجھ میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔ میں نے اس چینی کو سمجھایا کہ وہ اپنا پاسپورٹ کاسینو میں جمع کر دے اور اس کے عوض پندرہ بیس ہزار روپے قرض لے لے۔ وہ اگر جیت گیا تو کوئی سوال نہیں اور اگر ہار جائے تو کل تک قرض کی رقم ادا کر کے اپنا پاسپورٹ لے جائے۔۔۔"

"تو یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہو گی؟" وجے نے پوچھا۔

"ہاں لیکن میری یہ شرط اس نے بڑی مشکل سے ہضم کی۔" رگھوپتی نے ہنس کر آگے کہا۔ "میرے کہنے پر مینیجر نے اس کا پاسپورٹ رکھ کر اسے بیس ہزار روپے ادھار دینے کے لیے رضامندی ظاہر کر دی لیکن وہ چینی پانچ سات منٹوں تک کچھ سوچتا رہا اور آخر اس نے بہ مشکل اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا پاسپورٹ نکالا اور چینی زبان میں کچھ بڑبڑاتا ہوا اسے مینیجر کے سامنے رکھ دیا۔ وہ وہیں کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے کبھی میز پر کھیلتے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھنے لگتا تھا اور کبھی ہماری طرف۔۔۔ آخر لالچ اس کی کشمکش پر غالب آ گئی اور اس نے ایک جھٹکے سے اپنا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پاسپورٹ مینجر کی جانب سرکا دیا۔"

"پھر وہ جیتا یا نہیں؟" جولی کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ "ہار گیا۔" رگھوپتی بولا۔ "کاسینو سے قرض لیے ہوئے بیس ہزار کے علاوہ اس نے مجھ سے بھی ایک ہزار روپے لیے تھے لیکن اسے بھی آخری بازی میں وہ ہار گیا۔ پھر اپنے آپ کو گالیاں دیتا ہوا وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔"

"تو اس کا مطلب ہے وہ پھر پاسپورٹ لینے آیا ہی نہیں؟"

"نہیں--- تمہارا اندازہ غلط ہے وجے۔" رگھوپتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر بعد میں وہ مجھے ملا ہی نہ ہوتا تو میں تمہیں فون پر لاکھ روپے کا انتظام کرنے کی بات ہی کیوں کرتا؟"

"تو کیا یہ روپے تم اس کے لیے مانگ رہے تھے؟" وجے نے حیرت سے پوچھا۔

"پہلے میری پوری بات سن لو۔" رگھوپتی کو اس کی دخل اندازی اچھی نہیں لگ رہی تھی اس لیے اس کی آواز میں ذرا ناراضگی کی جھلک تھی۔ "صبح کو جب میں سویا ہوا تھا تو اچانک اس نے میرے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ میرے گھر کا پتا اسے کس نے بتایا یہ مجھے نہیں معلوم۔ میں نے اپنی نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے اسے دروازے پر کھڑا ہوا دیکھا اور تب مجھے یوں لگا تھا کہ وہ قرض کے روپے ادا کر کے فوری طور پر اپنا پاسپورٹ واپس لینے آیا ہے لیکن وہ پانچ سات منٹ تک میرے سامنے گردن جھکائے بیٹھا ہی رہا۔ اس وقت پچھلی رات کا وہ باہمت کھلاڑی ایک بھکاری جیسا لگ رہا تھا۔ "مجھے ہر حالت میں اپنا پاسپورٹ چاہیے۔" کہہ کر اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں اس کے جبڑے سوجے ہوئے تھے اور چہرے پر گھبراہٹ طاری تھی وہ اس قدر ٹوٹ چکا تھا کہ چالیس سال کی عمر میں صرف ایک رات کے اندر اندر ساٹھ سال کا بوڑھا نظر آ رہا تھا۔"

"پھر؟"

"پھر میں نے اسے سمجھایا کہ کاسینو کے بیس ہزار روپے ادا کیے بغیر پاسپورٹ کیسے مل سکتا ہے؟" مگر میری بات سن کر وہ اپنی تیز نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا۔ اس کے دل میں کیسی ہلچل مچی ہوئی ہو گی یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن میں نے

کبھی کسی شخص کو اس قدر بے بسی کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے صاف صاف لفظوں میں مجھے بتایا کہ وہ بیس ہزار روپے ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اسے پاسپورٹ تو واپس کرنا ہی پڑے گا---" یہ کہتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے--- رگھوپتی ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اس کی بے بسی دیکھ کر میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ایک لاکھ روپیا ہار جانے والا شخص اگر کاسینو کے بیس ہزار روپے ادا نہیں کرے گا تو کاسینو پر کوئی آفت نہیں ٹوٹ پڑے گی لیکن پھر بھی میں نے ذرا مختلف انداز سے کہا۔ "اگر پاسپورٹ آپ کو مل گیا تو آپ فورا ہی نیپال سے چلے جائیں گے۔" اس کے جواب میں اس نے جو کہا اس کی مجھے توقع ہی نہیں تھی اس نے کہا تھا۔ "ہاں نیپال چھوڑنے کے لیے ہی تو مجھے پاسپورٹ چاہیے کیونکہ مجھے فورا ہی بھارت پہنچنا ہے۔ اب بتاؤ تم پاسپورٹ دلواتے ہو؟"

تب تو صرف ایک ہی راستہ ہے۔" میں نے اس سے کہا۔ "کہ بیس ہزار کی ذمے داری میں اپنے سر لے لوں۔" میری یہ بات سن کر اسے ایک جھٹکا لگنا چاہیے تھا لیکن وہ شاید یہ سب سوچ کر ہی آیا تھا۔ اس نے میری بات پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا اور اطمینان سے جیب میں سے سگریٹ کے پیپر اور تمباکو کا پیکٹ نکال کر سگریٹ بنانے لگا۔ پھر اس نے سگریٹ کو ہونٹوں میں دبا کر اسے سلگایا اور اس کا دھواں میرے چہرے پر پھینکتے ہوئے بولا۔ "اس وقت تو بیس ہزار روپے تم ادا کر دو اور جو لاکھ روپے میں ہار چکا ہوں اسے بھی ایک ہفتے تک واپس کر دو۔"

"اس کی بات سن کر میں حیران رہ گیا اور انتہائی غصے کی حالت میں بولا آپ اپنے دل میں کیا سمجھ رہے ہیں؟ کاسینو میں ہاری ہوئی لاکھ روپے کی رقم میں آپ کو کیوں دوں گا؟"

"میری بات سن کر وہ ہنسا لیکن کسی ردعمل کا اظہار کرنے کی بجائے اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ اس لفافے کو ہاتھ لگاتے ہی میرے بدن میں کپکپاہٹ سی دوڑ گئی۔ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ مجھ سے کوئی چالاکی تو نہیں کھیل رہا ہے؟ لیکن لفافہ کھولتے ہی چار پانچ پاسپورٹ سائز کی تصویریں میری گود میں آ گریں۔ یہ ساری تصویریں جوان لڑکیوں کی تھیں اور ان میں سے ایک تصویر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

روکھی کی بھی تھی۔"

"کیا؟" جولی کی چیخ نکل گئی۔

"روکھی کی؟" وجے کا سانس رک گیا۔ "روکھی کی تصویر اس کے پاس کہاں سے آگئی؟"

"وہ تصویریں کہاں سے اس کے پاس آئی تھیں؟ یہ بتانے کے لیے وہ تیار نہیں تھا مگر تھوڑی دیر قبل معصوم نظر آنے والا وہ چینی بڑے کرخت اور مستحکم لہجے میں بول پڑا۔ "مجھے ایک لاکھ اور بیس ہزار روپے کی ضرورت ہے اور تمہیں ان لڑکیوں کے بارے میں جاننے کی غرض ہے۔" اس کی یہ بات سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے یہ بات کیسے معلوم ہو گئی کہ میں ان لڑکیوں کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں؟ میں نے یہ سوال اس سے پوچھا بھی تھا مگر اس کا جواب بھی وہ کھا گیا۔"

"پھر تو میرا خیال ہے کہ وہ ضرور کوئی جاسوس ہو گا۔" وجے نے کہا۔

"شاید ہو بھی اور نہ بھی ہو۔" رگھوپتی نے دونوں ہاتھوں کو مسلتے ہوئے کہا۔

"ہاں مجھے اس کا یقین ہو چکا تھا کہ پاسپورٹ واپس لینے کے لیے جس طرح کاسینو کے بیس ہزار روپے ادا کرنے ضروری تھے اسی طرح اس کو بھی لاکھ روپے دیئے بغیر چارہ نہیں تھا۔"

"کیوں؟" جولی نے اس طرح چونک کر پوچھا جیسے ابھی تک وہ کوئی پراسرار کہانی سن رہی ہو۔ "آپ اسے اتنی بڑی رقم دینے کے لیے آمادہ ہو گئے؟"

"ہاں' میں نے اس شرط پر رضا مندی ظاہر کر دی کہ بیس ہزار تو اسے نیپال میں دے سکتا ہوں اور لاکھ روپے کا انتظام بھارت میں کر سکتا ہوں۔" رگھوپتی نے ایک طویل سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"گم ہو جانے والی چار پانچ لڑکیوں کی تصویریں دیکھ کر ہی تم اتنی بڑی رقم ادا کرنے پر رضا مند ہو گئے؟" وجے نے اس طرح کہا جیسے یہ بات اس کی سمجھ نہیں نہ آ رہی ہو۔ "اگر ایسی بات ہے تب تو لگتا ہے وہ چینی تمہیں بے وقوف بنا گیا ہے۔ کیا تم کاسینو کے بیس ہزار روپے ادا کر کے آئے ہو؟"

"ہاں۔" رگھوپتی نے جواب دیا۔ "کاسینو میں اتنے سال کی ملازمت کے بعد

مجھے پندرہ ہزار روپے ملے تھے اس کے علاوہ دس ہزار روپے میں نے پس انداز کیے تھے۔ کل پچیس ہزار میں سے بیس ہزار روپے میں نے اس کو دے دیئے اور پانچ ہزار کی رقم ساتھ لے کر یہاں آ گیا ہوں۔"

"اتنا بڑا خطرہ مول لینے سے پہلے تم نے یہ تسلی بھی نہ کی کہ واقعی اس کے پاس کوئی مضبوط کڑی ہے بھی یا نہیں؟" وجے نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "جوش جوش میں تم نے اندھیرے کنویں میں چھلانگ لگا دی ہے رگھوپتی---"

"یوں تو مہاراجا کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا کر تم نے بھی تو اندھیرے میں ہی چھلانگ لگائی ہے۔ تمہارا یہ خیال تھا کہ اس طرح تم روکھی تک پہنچ جاؤ گے۔" رگھوپتی نے ذرا جذباتی لہجے میں دلیل پیش کی۔ "میں نے تو صرف بیس ہزار روپے داؤ پر لگائے ہیں جبکہ تم اپنی زندگی کی بازی کھیل کر یہاں آئے ہو۔"

ان دونوں کو اونچی آواز میں بولتے دیکھ کر جولی ذرا گھبرا گئی اور انہیں سمجھاتے ہوئے بولی۔ "ارے یہ تم دونوں اس قدر جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟ اس طرح تو ہماری ان خفیہ باتوں کو کوئی اور بھی سن سکتا ہے۔" اتنا کہنے کے بعد جولی نے رگھوپتی کی جانب دیکھا اور دھیمی آواز میں اس سے بولی۔ "ویسے وجے کی ایک بات یقیناً قابل غور ہے۔"

"وہ کیا؟" رگھوپتی نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ آپ نے تو بیس ہزار روپے دے دیے لیکن مزید ایک لاکھ دینے سے قبل اس چینی کو چیک ضرور کر لینا چاہیے۔" جولی نے کہا۔

"بیس ہزار تو میں نے بلائنڈ میں کھیل ڈالا۔" رگھوپتی مسکراتے ہوئے کاسینو کی زبان میں بولا۔ "لیکن اب اس کی بازی اوپن کیے بغیر میں لاکھ روپے تھوڑی دے دوں گا؟"

"لیکن وہ چینی اس وقت ہے کہاں؟" وجے نے پوچھا۔ "اور اسے وہ لاکھ روپے کب دینے ہیں؟"

"وہ کل ہی یہاں آ چکا ہے۔" رگھوپتی نے بتایا۔ "اور مجھے آئندہ ایک دو دن میں اسے فون کر کے رابطہ قائم کرنا ہے۔" یہ کہہ کر رگھوپتی نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈائری نکالی اور اس کے آخری صفحے پر لکھے ہوئے نمبروں کو پڑھتے ہوئے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ "کل اس نمبر پر بات کر کے اس سے سب کچھ طے کرنا ہے۔" پھر جیسے ہی وہ ڈائری کو واپس اپنی جیب میں رکھنے لگا ویسے ہی جولی نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر اسے روک دیا اور پھر بڑے ہی پرجوش لہجے میں بولی۔ "ذرا ایک منٹ۔۔۔ کیا نمبر لکھا ہے ڈائری میں؟"

"تھری ایٹ فائیو سکس' فور فائیو۔" رگھوپتی نے ڈائری میں دیکھ کر نمبر دہرایا تو جولی کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "مگر یہ نمبر تو سلطانہ کا ہے۔"

"کون سلطانہ؟" وجے اور رگھوپتی نے ایک ساتھ پوچھا۔

"میں جس کے یہاں پینگ گیسٹ کی حیثیت سے رہتی ہوں۔" جولی نے بتایا اور پھر چپ ہو گئی۔ اس کے چہرے پر اضطراب کی سی کیفیت تھی۔

"مگر یہ سلطانہ ہے کون؟" وجے نے پوچھا۔

"بنگلہ دیش کے سفارت خانے میں کام کرتی ہے۔ یہ سلطانہ بیگم اور میں اس کے گھر میں پینگ گیسٹ کے طور پر رہتی ہوں۔ وہ لیڈی اپنے گھر میں بالکل تنہا رہتی ہے۔" جولی نے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" رگھوپتی نے کہا۔ وہ جولی کی بات سن کر ذرا الجھ سا گیا تھا اور وجے کے چہرے پر بھی کشمکش کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نیپال میں رگھوپتی سے ملنے والا چینی اس سے دہلی میں بات کرنے کے لیے ایک فون نمبر دیتا ہے جو ایک ایسی خاتون کے گھر کا نمبر ہے جو بنگلہ دیش کے سفارت خانے میں کام کرتی ہے اور جس کے گھر میں جولی بطور پینگ گیسٹ کے ٹھہری ہوئی ہے' یہ بات اس کے لیے واقعی بڑی حیرت انگیز بات تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کوئی راز کھل رہا ہے یا اور زیادہ الجھتا جا رہا ہے؟

○

اسکے بعد "درندہ"
کے دوسرے حصے کا مطالعہ کریں